تذکرۂ امیر

حالات و سوانح ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن خاں

باب اوّل

خاندان امیر و ملک کے پولیٹیکل حالات

امیر عبدالرحمن خاں کی ولادت کی تاریخ کی نسبت بہت کچھ اختلاف ہے تاہم
یہ قول صحیح سمجھا جاتا ہے کہ یہ آفتاب برج اقبال کشور راجتام کے آسمان پر ۱۸۴۴ء
میں طلوع ہوا۔ جو امیر افضل خاں کا سپوت اور امیر دوست محمد خاں کا پوتا ہے۔ امیر
دوست محمد خاں کی پیدائش کی تاریخ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ مگر بقول جان
کے امیر موصوف ۱۷۹۳ء اور ۱۷۹۵ء کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوا تھا۔ سردار
پائندہ خاں[1] کا بیٹا امیر دوست محمد خاں بوجہ کثیر الاولاد ہونے کے حضرت آدم علیہ السلام

---

[1] سردار پائندہ خاں جو سردار سرفراز خاں کے نام سے مشہور تھا خود بھی ایک کثیر الاولاد شخص تھا۔ اس کی پہلی
بی بی قوم بارک زئی افغان سے تھی کہ جس کے وزیر فتح خاں سردار شیر دل خاں اور سردار محمد عظیم خاں
جو مدت تک حاکم کشمیر رہا پیدا ہوئے دوسری بیوی سے نواب اسد خاں اور نواب جبار خاں پیدا ہوئے
تیسری سے جو قوم قزلباش سے تھی سردار دوست محمد خاں کہ جن کے حالات اس خاندان میں جو

کا بیٹا بڑا لایق بیٹا تہا۔ ایک مصنف کا قول ہے کہ انسان کا سب سے پہلا فرض بقائے نوع انسانی ہے۔ جو شخص لاولد ہو وہ پہلے درجہ کا نالایق اور جسکے بہت سے بچے ہوں وہ بڑا لایق بیٹا حضرت آدم کا ہے۔ اگر اس مصنف کے قول کو صحیح مانا جائے تو امیر دوست محمد خاں واقعی بڑا لایق پوتا حضرت آدم علیہ السلام کا تھا۔ امیر مرحوم کی اولاد کی کیقدر تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ جو پندرہ بیبیوں سے پیدا ہوئی۔

۱۔ امیر افضل خاں
۲۔ امیر اعظم خاں
} پہلی بی بی کے بطن سے جو بنگش قوم سے تہی۔

۳۔ سردار علی اکبر خاں
۴۔ سردار غلام حیدر خاں
۵۔ امیر شیر علی خاں
۶۔ سردار محمد امین خاں
۷۔ سردار محمد شریف خاں
} دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۸۔ سردار اکرم خاں] تیسری بیوی سے پیدا ہوئے۔

۹۔ سردار علی محمد خاں
۱۰۔ سردار فیض محمد خاں
} چوتہی بیوی کے شکم سے پیدا ہوئے۔

۱۱۔ سردار احمد خاں [

مرحوم حکومت کابل آئی اور سردار امیر محمد خاں پیدا ہوئے۔ ایک اور بیوی سے سردار یار محمد خاں سردار عطا محمد خاں اور سردار سلطان محمد خاں جو حاکم پشاور تہا اور جسکو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے طلائی کا خطاب دیا تہا۔ سردار پیر محمد خاں اور سردار سید محمد خاں تولد ہوئے۔ پانچویں شادی سے سردار پردل خاں و سردار شیر دل خاں و سردار کہندل خاں سردار رحم دل خاں و سردار مہر دل خاں پیدا ہوئے چہٹی بیوی سے نواب جبر خاں اور ایک اور شادی سے سردار طرہ باز خاں اور ایک اور شادی سے سردار جمعہ خاں پیدا ہوئے۔

۱۲- سردار محمد امیر خاں } پانچویں بیوی سے پیدا ہوئے۔
۱۳- سردار محمد زمان خاں

سردار محمد

۱۴- سردار محمد اسلم خاں } چھٹی بیوی سے پیدا ہوئے۔
۱۵- سردار محمد قاسم خاں
۱۶ سردار محمد حسین خاں
۱۷ سردار محمد حسن خاں

۱۸- سردار محمد کریم خاں] ساتویں بیوی سے پیدا ہوئے۔

۱۹- سردار محمد یوسف خاں] آٹھویں بیوی سے پیدا ہوئے۔

۲۰- سردار حبیب اللہ خاں] نویں بیوی کے بطن سے۔

۲۱- سردار محمد ہاشم خاں] دسویں بیوی کے شکم سے۔

۲۲- سردار بیگ محمد خاں] گیارہویں بیوی کے شکم سے۔

۲۳- سردار محمد شجاعت خاں] بارہویں بیوی کے بطن سے۔

۲۴- سردار صادق خاں] تیرہویں بیوی کے شکم سے۔

۲۵- سردار محمد عظیم خاں] چودہویں بیوی کے بطن سے۔

۲۶- سردار محمد شعیب اللہ کیل خاں] پندرہویں بیوی کے بطن سے۔

انہیں سے سوائے تین کے باقی سب وفات پا چکے ہیں۔ وہ تین جو اس وقت زندہ ہیں یہ ہیں۔

(۱) سردار یوسف خاں جو کابل میں ہے۔

(۲) سردار محمد عظیم خاں راولپنڈی میں مقیم ہے جس نے ارک یعنی امیر صاحب کا جدید محل تعمیر کرایا۔

(۳) سردار عمر خاں۔ پشاور میں پناہ گزین ہے۔

امیر عبدالرحمن کا والد سردار افضل خاں ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس وقت تک امیر دوست محمد خاں کو مسند سلطنت افغانستان حاصل نہیں ہوا تھا۔

میں محمد افضل خاں اور اسکے سوتیلے بھائی علی اکبر خاں کو امیر دوست محمد خاں
نے سکھوں کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ جنہوں نے درۂ خیبر میں قلعہ جمرود پر قبضہ کر لیا تھا۔
جب سکھوں کے جرنیل کو معلوم ہوا کہ پٹھان مقابلہ کے لیئے آتے ہیں تو وہ بھی مستعد
ہو گیا اور خوب دل کھول کر داد شجاعت دکھانے لگا۔ اودہر سے سردار محمد افضل خاں
نے بھی خوب ہی داد مردانگی دی۔ اِس لڑائی میں سکھوں کا سپہ سالار کام آیا۔ جب خبر
مہاراجہ رنجیت سنگہ کو پہونچی تو آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا معلوم ہوتا ہے افغان
نے کانوں میں غفلت کی روئی بھر لی ہے جس وقت اُس پر نازک وقت آیا اسوقت
افسوس کی انگلی حسرت کے دانتوں تلے دبائیگا۔

جس وقت سکھوں نے امیر دوست محمد خاں کو بہت تنگ کیا تو اُسنے شہنشاہ
روس کو لکھا کہ مجھے آکر مدد دو۔ چنانچہ کپتان وکسٹ وچ وہاں سے کابل آیا۔ جب
انگریزوں کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے کپتان برنس کو بطور ایلچی کے روانہ کیا
اُس نے امیر دوست محمد خاں کو خوب پٹی پڑھائی اور روسیوں کیطرف سے منحرف
کر لیا۔ مگر غضب یہ ہوا کہ جو تحفے کپتان برنس ساتھ لیگیا تھا وہ معمولی سے تھے افغانوں کو
سنہ ۱۸۰۹ء کے تحائف یاد تھے جو مسٹر الفنسٹن انگریزوں کیطرف سے لیکر گیا تھا۔ بھلا
اُنکی آنکھوں میں کپتان برنس کے تحائف کب جچتے تھے۔ یہ صرف ایک پستول اور ایک
دوربین اور چند آئینیں حرم سرا کیلئے لیگیا جنکو دیکھکر والی کابل خوش نہ ہوا آخر
بہت سے حیص و بیص کے بعد انگریزوں کی فوج بسرکردگی سر جان کین ۱۸۳۹ء میں
دوست محمد کو معزول اور شاہ شجاع کو تخت نشین کرنیکے لیئے آگے بڑھی تو امیر دوست محمد
خاں کو بخارا کیجانب بھاگنا پڑا۔ اِس وقت سردار افضل خاں اپنے والد کے ساتھ تھا
دوسرے سال باپ بیٹا بخارا سے واپس آئے اور ۳۰ اگست ۱۸۴۰ء کو افضل خاں نے
انگریزوں کی چڑہائی پر بمقام باجگہ حملہ کیا۔ اِسکے بعد جو لڑائی ہوئی اُسمیں بھی افضل خاں

بڑی بہادری کے ساتھ شریک ہوا۔ اور ۲ نومبر ۱۸۴۰ء کو جنرل سیل کی فوج کو شکست دی۔

اگرچہ امیر دوست محمد کی فوج مظفر و منصور ہوئی مگر پھر بھی افغانوں کو نہ پھولنے پھلنے دیا اور چار و ناچار انہیں انگریزوں کا لوہا ماننا پڑا۔ آخر ایک دن دوست محمد صرف ایک ہمراہی کو ساتھ لیکر گھوڑے پر سوار ہوا اور کابل کے بازار کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوا انگریزوں کے لشکرگاہ میں آیا اور اپنے آپ کو سر ولیم میگناٹن کے حوالہ کر دیا۔

سردار افضل خاں نے جب دیکھا کہ افغانوں نے حوصلہ ہار دیا اور باپ انگریزوں کے قبضہ میں پہنچ چکا ہے تو باپ کا ساتھ چھوڑنا جوانمردی اور تقاضائے محبت سے بعید سمجھا اور خود بھی باپ کے پاس چلا آیا۔

انگریزوں نے دونوں باپ بیٹوں کو ہندوستان بھیجدیا جو ۱۸۴۳ء کے شروع تک کلکتہ میں نظربند رہے۔ اس اثنا میں سردار علی اکبر خاں پسر امیر دوست محمد خاں نے جو بقول مارشمین مورخ کے بڑا تند مزاج جری اور امیر دوست محمد خاں کے سب بیٹوں سے زیادہ دلاور تھا اور درحقیقت امیر موصوف کے سب بیٹوں میں لائق اور خود باپ کے لیئے مایۂ فخر و ناز تھا کابل میں فتنۂ محشر برپا کر دیا۔ بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ اور کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ آخرکار یہ شورش یہاں تک بڑھ گئی کہ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے بھی مناسب سمجھا کہ امیر دوست محمد خاں کو پھر مسند کابل سپرد کر دیا جاوے۔ جب امیر دوست محمد خاں قید فرنگ سے رہا ہو کر امیر کابل ہوئے تو انہوں نے اپنے خلف الرشید اکبر خاں کو بلا کر دیدہ بوسی کی اور بڑی تعریف کرکے وزیر کابل کا خطاب دیا۔ اور دلاور افضل خاں کو جس نے قید میں بھی انکا ساتھ چھوڑا تھا بلخ کا حاکم مقرر کرکے بھیجدیا کہ جو علاقہ تھوڑا عرصہ پیشتر فتح کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ اپنے باپ کی وفات تک اسی عہدہ پر متعین رہا۔

علی اکبر خاں نے وزارت کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیا۔ لوگوں کے آرام و آسایش کے لیے بہت سعی کی چنانچہ جلال آباد اور کابل کے رستے میں ایک پل اپنی والدہ کی یادگار میں بنوایا جو ابتک "پل و زیر یا در ؒ" کے نام سے مشہور ہے۔ اور کابل خاص میں ایک عظیم الشان سرائے بھی اس نیکبخت لیڈی کی یادگار میں تعمیر کی۔

وزیر علی اکبر خاں کے انتقال کے بعد اسکا چھوٹا بھائی غلام حیدر خاں وزیر مقرر ہوا مگر اس ہونہار نوجوان نے جلدی ہی داعی اجل کو لبیک کہا اور اسکا جانشین شیر علی خاں ہوا۔

امیر دوست محمد نے اپنی وفات سے پانچ سال پہلے ملک اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ اور شیر علیخاں کو اپنا ولیعہد اور وارث مقرر کیا۔ اگرچہ شیر علی خاں سب سے چھوٹا بیٹا امیر دوست محمد خاں کا تھا مگر اسکی والدہ شاہی خاندان سے تھی اور دوسری بیویاں امیر دوست محمد کی رتبہ میں اس سے کمتر تھیں اسلئے اسی کو ولیعہد قرار دیا گیا افغانستان میں تخت حاصل کرنے کے لیئے والدہ کا شاہی خاندان سے ہونا بڑا ضروری سمجھا جاتا ہے جسکی زیادہ تفصیل آگے چلکر بیان کیجائیگی۔

امیر دوست محمد خاں جانتا تھا کہ میرے بیٹے بڑے بہادر اور جنگجو ہیں میری آنکھ کے بند ہونیکی دیر ہے کہ آپسمیں لڑ مرینگے اسلئے اسنے سوچ سمجھکر لایق اور بڑے بڑے بیٹوں کو مندرجہ ذیل علاقوں میں حاکم کر کے بھیجدیا۔

سردار افضل خاں کو ترکستان میں۔ سردار اعظم خاں کو خوست کورم میں سردار محمد امین خاں کو قندھار میں سردار فتح محمد خاں پسر کلاں اکبر خاں مرحوم کو قلات میں سردار ولی محمد خاں اور فیض محمد خاں کو کچھ علاقہ غزنی میں اور دوسرے چھوٹے بیٹوں کو بھی علے قدر مراتب کچھ کچھ علاقہ دیدیا۔

سلطان جان برادرزادہ و نیز داماد امیر دوست محمد سے کہ جسنے علی اکبر خاں کی ساتھ شریک ہوکر دوست محمد کی عدم موجودگی میں بہت کچھ مدد کی تھی کچھ اچھا سلوک نہوا۔ علی اکبر خاں نے سلطان جان سے نخپتہ وعدہ کیا تھا کہ امن اور کامیابی کے بعد تمہارا حق الخدمت بطرز احسن ادا کیا جاویگا۔ مگر امیر دوست محمد نے قید بے زنجیر سے آزاد ہوکر اُسکے احسان طاق نسیاں پر دہر دیئے۔ سلطان جان کو یہہ بات سخت ناگوار گذری اور دہ کشیدہ خاطر ہوکر ایران کو چلا گیا شاہ ایران نے اُسکے حال پر بہت کچھ نوازش اور مہربانی فرمائی اور چلتے ہوئے اُسے ہرات بخشدی۔ امیر دوست محمد نے جب یہ خبر سُنی تو بہت سٹ پٹایا۔ اور احمد علیخاں پسر کلاں امیر شیر علیخاں کو کابل میں چھوڑکر بمع شیر علیخاں اور دیگر سرکردگان کے ہرات پر فوجکشی کی۔ سلطان جان نے خوب مقابلہ کیا۔ مگر آخرکار قلعہ بند ہونا پڑا۔ امیر دوست محمد اور شیر علیخاں نے بہت زور لگائے کہ کسیطرح قلعہ سر ہو مگر نہو سکا اِس اثناء میں سلطان جان اور اُسکی بیوی دونوں قضاء الہی سے فوت ہوگئے۔ اور اُنکے بیٹے شاہ نواز امیر دوست محمد خاں نے قید کر لیا۔

اِس موقعہ پر امیر دوست محمد خاں کے اُس برتاؤ کا ذکر ضرور کرنا چاہئے جو اُسنے گورنمنٹ انگریزی سے ۵۷ء کے ہنگامہ محشر کے وقت مرعی رکھا تھا اِس سے کچھ عرصہ پیشتر جبکہ میجر بعدازاں سر ہربٹ ایڈورڈس پشاور میں کمشنر اور سر جان بعدازاں لارڈ لارنس پنجاب کے چیف کمشنر اور کلکتہ میں لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل تھے۔ ایڈورڈس صاحب نے امیر افغانستان سے دوستانہ عہدنامہ کرنیکی صلاح دی لارنس صاحب نے اِس تجویز کی اِس بنا پر سخت مخالفت کی کہ افغان امیر کو پہلے تو عہد کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہے اور جب اُسنے عہد کر لیا تو اُسکے عہد پر قایم رہنے کی ذرہ امید نہیں۔ لیکن گورنر جنرل نے ایڈورڈس صاحب کی رائے کی تائید کی۔ اور درہ خیبر کے سامنے بٹھکر امیر افغانستان اور انگریزی کمشنر کے مابین اِس مطلب کا

عہدنامہ لکھا گیا کہ دونوں سلطنتوں کے مابین "دائمی امن اور دوستی قائم رہے گی۔ اور
دونوں قومیں ایک دوسرے کے دوست کی دوست اور دشمن کی دشمن رہیں گی"
اس عہدنامہ نے ایک دوسرے سے زیادہ مضبوط عہدنامہ کا راستہ کھول دیا اور
لارڈ ڈلہوزی کے جانشین لارڈ کیننگ نے پشاور پہنچ کر ۲۶ جنوری ۱۸۵۷ء کو امیر
دوست محمد خاں سے ملاقات کر کے رشتہ اتحاد کو اور مضبوط کر دیا۔ کون جانتا تھا کہ
اس سے چار ماہ بعد میرٹھ اور دیگر مقامات میں ہندوستان کی فوج غدر کر دیگی مگر
یہ غدر ہو گیا اور امیر دوست محمد خاں اپنی بات پر قائم اور اپنے عہد پر مستقل رہا
اور اگر وہ اُس وقت اپنے عہد پر قائم نہ رہتا تو اِس وقت کون جان سکتا ہے کہ ہندوستان پر
کس کی حکومت ہوتی۔ ایک انگریز مصنف[1] اِس واقعہ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "اگر امیر
ایک مرتبہ علم اسلام بلند کر دیتا تو انگریز اپنے جہازوں کی طرف بھاگ جاتے۔ گو یہ
دوسرا امر ہے کہ کتنے وہاں تک سلامت پہنچتے" اُس وقت جب افغان سرداروں کو غدر
ہندوستان کا حال معلوم ہوا تو وہ غصہ سے بھرے ہوئے دربار میں پہنچتے اور اپنی
پگڑیاں امیر کے پاؤں میں پھینک کر کہتے "دیکھو دلی سے کیا خبر آئی ہے۔ دیکھئے
فرنگی کن مشکلات میں مبتلا ہیں۔ تو ہمیں کیوں نیچے جا کر پشاور واپس نہیں لینے دیتا"
مگر پیرمرد امیر بڑے استقلال کے ساتھ جواب دیتا کہ "میرا انگریزوں سے اتحاد ہے
اور خواہ کچھ ہو میں تادم مرگ اس پر قائم رہونگا" اور افغان امیر نے انگریزی حکام کے
خلاف بھی اپنے عہد کو پورا کیا۔ ورنہ اگر پشاور کو افغان لے لیتے تو پنجاب بھی انگریزوں
کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ اور اگر پنجاب نکل جاتا تو بنگال بھی باقی نہ رہتا۔ یہ خود لارڈ
لارنس کا قول ہے۔ جب دہلی میں انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور لاہور میں اس کی
خبر پہنچی تو ایک بہت بڑے سکھ سردار کو انگریزی افسروں نے بڑی تعریف کے
ساتھ بتلایا کہ دہلی فتح ہو گئی ہے۔ لیکن اُس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ بلکہ بے صبری سے

[1] میکملنس میگزین فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۹۔

امیر کبیر دوست محمد خان

دریافت کیا کہ پشاور کی کیا خبر ہے۔ جواب ملا کہ "بالکل خیریت اور امن ہے"۔
اور جب سکھ سردار سے پوچھا گیا کہ تم پشاور کی نسبت ہمیشہ کیوں اسقدر مضطرب
سے خبر پوچھا کرتے ہو؟ تو اُسنے تھوڑے سے تامل کے بعد اپنا رومال لیکر اپنا
سر سے لپٹنا شروع کیا اور کہا "دیکھو اگر پشاور چلا جاوے تو تمام پنجاب اسطرح
لپٹ جاویگا" مگر پشاور کو امیر دوست محمدؐ نے نہ لیا۔ اور انگریزوں کے شکر گذار
بنانے کے لیئے بہت بڑا سبب چھوڑ گیا۔

امیر دوست محمد خاں کا انتقال

امیر دوست محمد خاں بتاریخ ۹ جون ۱۸۶۳ء بمقام ہرات شاہنواز خاں کو
قید کرنیکے دو ہفتہ بعد جاں بحق تسلیم ہوا۔ امیر دوست محمدؐ ایک مستعد اور لایق حاکم
تھا۔ اسکی جوانمردی اور شجاعت سکے دینے اعلے قایل تھے اور اسکی سادگی اور
انصاف پسندی کو لوگ بہت پسند کرتے تھے۔ اگرچہ اُسنے ہوشمندی سے انگریزوں
کی دوستی کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ مگر حتی المقدور اُسنے اپنے ملک میں انکا قدم نہیں
آنے دیا۔ ایک انگریز جسنے اُسے کلکتہ میں ایام جلاوطنی میں دیکھا تھا بیان کرتا
ہے کہ اُسکی گفتگو نہایت شستہ تھی اور وہ خلاق اور اہلیت کا پتلا تھا اور
اُسکے اطوار ایسے تھے کہ انہیں دیکھکر خواہ مخواہ انسان کے دلمیں دوست محمدؐ
کی دوستی اور محبت پیدا ہو جاتی تھی۔

اہل افغانستان دوست محمد کو امیر کبیر کہا کرتے تھے۔ اور اسی نے پہلے پہل اپنے
لیئے امیر کا خطاب تجویز کیا تھا۔ بڑی تدبیر اور لیاقت سے اپنے خاندان کے لیئے
تخت افغانستان حاصل کیا۔ اور چھوڑ مرا۔

جس سال امیر دوست محمدؐ بمع اپنے فرزند ارجمند سردار فضل خاں کے ہندوستان
سے واپس آیا اُس سے بارہ ماہ بعد یہ مولود مسعود عبد الرحمٰن خاں فضل خاں
کے گھر میں تولد ہوا۔ مارچ ۱۸۵۲ء میں امیر دوست محمدؐ نے افضل خاں کو حاکم

بلخ سفر کر دیا۔ عبدالرحمن کی والدہ ماجدہ نواب صمند خاں کی دختر بلند اختر تھی جو نواح کابل کے کوہستانی خاندانوں سے ایک ممتاز شخص تھا جب امیر دوست محمد کا مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا تو امیر شیر علی خاں مسند حکومت پر جلوہ آرا ہوا۔ اعظم خاں اس وقت حاکم کورم تھا۔ امیر شیر علیخاں نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ایک معمولی شخص محمد رفیق خاں کو اپنا رفیق بنایا۔ اُسے خطاب سرداری عطا کیا اور قلمدان وزارت حوالہ کر دیا چنانچہ محمد رفیق والی کابل کا معتمد الیہ ہو گیا۔

سردار محمد رفیق کو امیر شیر علی خاں نے پشاور بھیجا کہ سرکار انگریزی سے مقررہ وظیفہ لے آوے۔ اُس وقت جیمس صاحب کمشنر پشاور تھا جب یہ سوال اُسکے کان تک پہنچا تو اُس نے ٹکا سا جواب دیا اور کہا کہ جبتک تمام بھائی امیر شیر علی خاں کی حکومت تسلیم نہ کر لیں گے یہ روپیہ نہیں مل سکتا۔ یہ جواب سنکر امیر شیر علیخاں کو ضرورت لاحق ہوئی کہ کسیطرح تمام افغانستان پر تسلط حاصل ہو۔ سب سے پہلے اُسکو افضل خاں کا خیال آیا جو اُسکا سب سے زبردست اور بارسوخ بھائی تھا اور جسکے پاس فوج بھی باقاعدہ تھی۔ اس وقت تک افضل خاں نے کسی طرح کا اظہار سرکشی نہیں کیا تھا۔ البتہ اعظم خاں غافل نہ تھا۔ جونہیں دوست محمد خاں کا تابوت سنگ مرمر کی قبر میں رکھا گیا وہ ہرات سے غائب ہو گیا اور اپنے علاقہ میں جا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ افضل خاں کے معاملہ میں ابتدا شیر علیخاں کیطرف سے ہوئی۔ محمد رفیق کے پشاور سے واپس آنے پر شیر علیخاں نے قندھار سے ترکستان پر فوجکشی کی۔ اُس وقت افضل خاں نے ایک معتبر شیر علیخاں کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ ہر چند کہ میں بڑا بیٹا اور مستحق تخت کابل ہوں مگر قبلہ گاہ جنت میں جو وہ مجھے نہیں بخش گئے ہیں اور میں لہو کا گھونٹ پی کر خاموش ہو رہا ہوں۔

اب تمہیں یہہ واجب نہیں ہے کہ اِس جاگیر پر جو والد نے مجھے دی ہے۔ دندان آز دراز کرو۔ امیر شیر علی نے سردار افضل خاں کے حسب پیغام کا کچھ جواب نہ دیا۔ جسپر افضل خاں خود سر ہو بیٹھا اور اعلان کر دیا کہ در اصل ملک کا جائز وارث میں ہوں۔ چنانچہ خطبہ بھی اُسی کے نام پر پڑھا جانا شروع ہو گیا۔ اِن ایام میں سر ولیم ڈنیس بہادر قائم مقام گورنر جنرل تھے اُنہوں نے شیر علی خاں کو دوست محمد کا جانشین تسلیم کر لیا تھا۔ امیر شیر علی خاں کو جو فتح اعظم خاں کے مقابلہ میں نصیب ہوئی تھی اُس سے اُسکا دماغ آسمان پر پہونچ گیا تھا۔ چنانچہ جون ۱۸۶۴ء میں دونوں سوتیلے بھائی ایک دوسرے کے مقابلہ میں میدان میں آئے عبدالرحمن خاں اُس وقت اپنے باپ کے ہمراہ نہ تھا۔ افضل خاں اُسے تخت پل میں جو مزار شریف سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے چھوڑ آیا تھا۔ جہاں یہہ روز و شب سیر و شکار میں مشغول رہتا تھا۔ مقام باجگہ پر جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو پہلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں پھر امیر شیر علیخاں نے صلح کا پیغام بھیجا اور بظاہر یقین دلایا کہ مجھے تمہارے علاقہ سے کچھ واسطہ نہیں ہے اور اپنے بھائی کو زیادہ یقین دلانے کے لیئے خاص مزار شریف (جو حضرت علی کرم کا روضہ مشہور ہے) قرآن شریف منگا کر علانیہ اُسپر قسم کھائی کہ میں سردار افضل خاں کی قدر و منزلت کرونگا۔ اُسکے ساتھ بدسلوکی سے پیش نہیں آؤنگا اور نہ اُسکے علاقہ سے کچھہ سروکار رکھونگا جس وقت شیر علیخاں نے ایسی قسم کھائی تو افضل خاں کو اِسپر اعتبار آگیا اور وہ فوراً شیر علیخاں کے پاس چلا آیا۔ شیر علیخاں نے اُس وقت سوچا کہ افضل خاں تو اب میرے اختیار میں ہے اب اُسکے بیٹے عبدالرحمن خاں کو بھی گرفتار کرنا چاہیئے۔ مگر جب عبدالرحمن خاں کو اِس واقعہ کی خبر ہوئی وہ فوراً جان بچا کر بخارا کیطرف بھاگ گیا۔ اور شاہ بخارا کے آپ جا کر پناہ لی ◆

امیر شیر علیخاں کا سردار افضل خاں کو قید کرنا

امیر شیر علی بھتیجے کے جان بچا کر بھاگ جانے سے بہت خفا ہوا اور حکم دیا کہ اسی وقت افضل خاں کو پابجولاں ہمارے روبرو لاؤ۔ ایک بارکزئی سردار وہاں موجود تھا۔ امیر شیر علی نے اسکو حکم دیا کہ تم اسیوقت جاؤ اور اسکو پابجولاں کرکے ہمارے سامنے لاؤ۔ اسنے تامل کیا۔ اسپر امیر کا غصہ اور بھی بھڑکا اور اس بارکزئی سردار کو بہت سرزنش کی۔ پھر ایک جرنیل کو کہا کہ تم جاؤ اور اسکو ہتھکڑی لگا کر ہمارے روبرو پیش کرو۔ جرنیل طوعاً و کرہاً وہاں سے روانہ ہوا۔ اور افضل خاں کے سامنے مؤدب استادہ ہوکر حکم حاکم سے مطلع کیا۔ افضل خاں نے سر جھکا لیا اور کہا مشیت ایزدی میں کسیکو یارا ہے۔ دم زدن نہیں ہے۔ پھر اپنی ریش کو ہاتھ سے پکڑا تین دفعہ اسپر تھوکا اور پھر پاؤں لمبا کردیا کہ لو اسمیں بیڑیاں ڈالدو۔

۱۸۶۲ء میں سردار افضل خاں قید ہوا۔ اور دوسرے روز امیر شیر علیخاں نے سردار اعظم خاں کی فوج کو شکست دی۔ اعظم خاں خود بھاگ کر ہندوستان میں چلا آیا۔ اور سرکار انگریزی نے اسکی خدمات زمانہ غدر کو یاد رکھکے ایک معقول پنشن مقرر کردی۔

امیر شیر علیخاں نے اپنے بھائی فیض محمد خاں برادر سردار ولی محمد خاں کو بلخ کا حاکم مقرر کرکے کابل کی راہ لی۔ اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ افضل خاں بھی پابزنجیر ہمراہ تھا۔ مگر شیر علیخاں کے اس فعل سے کوئی خوش نہ ہوا۔ عوام الناس اس سے نفرت کرنے لگے متشرع اور متقی افغان اسکی ملف وعدی سے سخت ناراض ہوئے۔ بہت لوگ کہتے تھے کہ اسنے جھوٹا قرآن اٹھایا ہے۔ اسکے سر پہ کوئی نہ کوئی عذاب نازل ہوگا۔ بی بی مرواریدزوجہ افضل خاں کو جو عبدالرحمن خاں کی سوتیلی والدہ تھی اپنے خاوند کے قید ہونیکا اسقدر قلق ہوا کہ اسنے مبلغ پچیس ہزار روپیہ اعظم خاں کے پاس ہندوستان کو بھیجا اور

پیغام دیا کہ اگر مرد ہے تو اس روپیہ کو کام میں لا اور اپنے بھائی کو قید دشمنان سے نجات دلوا۔ اور اگر حمیت یا غیرت تجھ میں نام کو نہیں ہے تو اس روپیہ کا سکلف کفن اپنے لیئے سلوا چھوڑنا۔ اعظم خاں نے اس روپیہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ مگر ۱۲۸۵ء تک چپکا بیٹھا ہوا تجاویز سوچا کیا۔

عبدالرحمن بخارا میں غافل نہ تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں اسکو راتوں نیند نہیں آتی تھی۔ اندنوں مظفرالدین حاکم بخارا تھا۔ یہ اُسی شخص کا بیٹا تھا جسے انگریز "بوچر" یعنے قصاب کہتے ہیں۔ کیونکہ اُسنے نہایت بیرحمی سے دو یورپینوں مسٹر کانولی اور مسٹر اسٹاڈہرٹ کو قتل کیا۔ اُن ایام میں ابھی روسیوں کے قدم بخارا میں نہیں آئے تھے اسلیئے حاکم بخارا ابھی صاحب اقتدار رہتا۔ مظفرالدین بڑا متعصب اور پکا مسلمان تھا اور ہمیشہ پابند شریعت رہتا تھا جس وقت اُسے یہ خبر ہوئی کہ شیر علیخاں نے قرآن شریف کا بھی پاس و لحاظ نہیں کیا تو بہت ناراض ہوا پھر اُسنے تمام علماء کو جمع کیا اور وہی قرآن اُنکے روبرو پیش کیا کہ جسپر امیر شیر علیخاں نے حلف دروغی کی تھی۔ علمائے دین نے شیر علی خاں کی اس حرکت کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا اور سوگند کھائی کہ ایسے شخص کو ضرور سزا ملنی چاہیئے غرض مولویوں نے شیر علی خاں کے برخلاف فتوے دیکر اُسے خارج از مذہب قرار دیا[1]۔

۱۲۸۶ء میں عبدالرحمن خاں توکل بخدا مظفرالدین شاہ بخارا کی حمایت اور پشت پناہی سے بارادہ تسخیر کابل بخارا سے روانہ ہوا امیر عبدالرحمن خاں نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ جب میں توکلاً علی اللہ بخارا سے روانہ ہوا تو اُسوقت میرے ساتھ صرف دو سو ہمراہی تھے میں شیر آباد کی راہ ہوتا ہوا آکشہ کے پاس ایک گاؤں فیض محمد کو اپنا معاون پایا اور جسطرف گیا لوگوں نے میری اطاعت قبول کی

[1] دراصل پولٹیکل حکمت عملیوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ مسلمان بادشاہوں سلاطین میں قرآن صرف دفع الوقتی کے لیئے اُٹھایا گیا ہے۔ ہندوستان میں ہمایون اور شیر شاہ سوری کا واقعہ اس کا شاہد ہے۔ ۱۲

اور میں بلا کسی قسم کی رکاوٹ کے بلخ میں چلا آیا۔ جہاں فیض محمد خاں نے زاد راہ اور کمک میں اسکے باپ کے وقت کی فوج دیکر اسے مزار شریف کیطرف روانہ کیا جہاں سے تاشکرغان حضرت سلطان خنجان وغیرہ مقامات ہندوکش سے گذر کر حدپنج شیر میں داخل ہوا۔

یوں امیر شیر علیخاں اپنے حقیقی بھائیوں امین خاں اور شریف خاں کے ساتھ مجنونی قندھار میں سرگرم پیکار تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے قرآن بیچ میں رکھکر قسم کھائی تھی کہ ہم شیر علی خاں کی بیخکنی میں کوئی وقیقہ اٹھا نہیں رکھینگے۔ جس وقت ان بھائیوں میں فتنہ وفساد کی آگ زوروں سے بھڑک رہی تھی۔ سر جان لارنس کشور ہند کے گورنر جنرل تھے۔ انہوں نے امیر شیر علیخاں کے خط کی جواب میں لکھا کہ ہم امید کرتے ہیں کہ قادر مطلق کوئی ایسے اسباب بہم پہنچا دیگا کہ جس سے بھائیوں میں صلح اور آشتی ہو جاویگی۔ مگر اب معاملہ دگرگون ہو چکا تھا اور مقدمہ صلح اور راضی نامہ کی حد سے گذر چکا تھا۔ ادہر سے عبدالرحمٰن خاں بخارا سے فوج لیکر بڑھا اور وہر سے شیر علی خاں نے کابلی فوج سے امین خاں اور شریف خاں کی قندہاری فوج کے سامنے پڑاجادیا۔ بغرض ۵ ا جون ۱۸۶۵ء کو موقعہ کجباز پر بڑی گھمسان کا رن پڑا اور چار گھنٹہ تک دوست دشمن میں کچھہ تمیز نہ ہوئی۔ آخر کار فتح امیر شیر علیخاں کے ہاتھ ہی رہا اور قندہاری لشکر نے دندان شکن شکست کھائی اگرچہ امیر شیر علیخاں فتحیاب ہوا مگر یہ فتح شکست سے بڑھکر اُسکے حق میں زبون ہوئی۔ کیونکہ جس وقت دونوں لشکروں کے جانباز جوش و خروش سے حق نمک ادا کر رہے تھے۔ امیر شیر علیخاں کو معلوم ہوا کہ لشکر حریف کا پلہ غالب ہی۔ امیر نے اپنے نور بصر محمد علیخاں کو جو اُسکا ولیعہد تھا روبرو بلایا اور کہا کہ بہتر ہے تم زنانہ کپڑے پہن لو۔ کاش تمہاری بدلے اینٹ پتھر پیدا ہوتے کہ اس وقت بیں اُن

پتھروں کی بوچھاڑ اِن دشمنوں پر کرکے اُنکا منہہ پھیر دیتا۔
محمد علی خاں کو باپ کا خط نہ تیر کیطرح لگا۔ باپ کو تو کچھ جواب دیا۔ مگر چند جان نثاروں کو ساتھہ لیکر قلب لشکر میں گھس گیا۔ اور دم زدن میں سینکڑوں کو خاک وخون میں ملا دیا۔ آخر لڑتا لڑتا وہاں جا پہونچا۔ اُس کا چچا امین خاں کھڑا تھا۔ امین خاں جو محمد علی کی دلاوری دیکھکر بار بار مرید کیطرح پیچ وتاب کہا رہا تھا بھتیجے کو اپنے قریب دیکھکر شہباز کیطرح جھپٹا اور تلوار سوت کر سامنے آکھڑا ہوا۔ محمد علی نے ادب بزرگی اور امین خاں نے پاس خوردی بالائے طاق رکھدیا۔ اور دونوں چوروں پے ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ امین خاں نے فوراً بھانپ لیا کہ حریف زبردست ہے اسلیئے جان بچانی فرض ہے۔ مگر پستول نکالا اور بلا سوچے سمجھے بھتیجے کے سر پر جھونک دیا۔ ایک تڑاقے کی آواز ہوئی اور محمد علی بیجان ہوکر زمین پر گر پڑا۔ محمد علی کے چند جان نثار جو پاس موجود تھے اپنے آقا کا یہ حال دیکھکر غمے کے مارے کرتے ہوئے قاتل پر جا پڑے اور دم زدن میں اُسکی بوٹی بوٹی بانٹ لی محمد علی مرنے کو تو مر گیا مگر دشمن کی فوج کا کام تمام کر گیا۔ اسکی جوانمردی دیکھکر دشمنوں کے جی چھوٹ گئے۔ پاؤں اُکھڑ گئے اور بیحواس ہوکر میدان سے بھاگے۔ اور امیر شیر علیخاں کی فتح ہوگئی۔ مگر جب اُسکو معلوم ہوا کہ محمد علیخاں اُسکا لایق اور جوان بیٹا قتل ہوگیا ہے تو اُسے سخت صدمہ ہوا۔ بے محابا بچوں کیطرح واویلا کرنے لگا اور تمام جہان اُسکی آنکھوں میں تیرہ وتار ہوگیا۔ اپنے پرائے سے وحشت ہونے لگی اور اُس نے یک قلم لوگوں سے ملنا جلنا ترک کردیا۔
شیر علی خاں کو محمد علی کے مرنے کا اسقدر صدمہ ہوا کہ اُسنے سرطان اور دیوانوں کیطرح ایک دن خودکشی کا ارادہ کر لیا اور خنجر لیکر اپنے حلق پر پھیرنے لگا تھا کہ

ایک سردار اُس وقت موجود تھا جسنے زبردستی خنجر اسکے ہاتھ سے چھین لیا۔ سردار ان امیر شیر علیخان ٹھہا بیٹھا ایسا گھبرایا اور سلطنت سی ایسا دل برگشتہ ہوا کہ اعیان سلطنت کو جمع کرکے کہنے لگا کہ اب میرا دل حکومت سی بیزار ہے میں چاہتا ہوں کہ یا تو مکہ معظمہ کیطرف ہجرت کرجاؤں یا علاقہ انگریزی یا مملکت روس میں جاکر زندگی کے باقی دن آرام سے گذاردں۔ امیر شیر علی اس ارادہ پر اسقدر مستعد تھا کہ سرداروں نے بڑی مشکل سے اُسکو قائل کیا اور اس ارادہ سے باز رکھا۔ ایک دن آدھی رات کے وقت امیر شیر علی اُٹھکر ایک تالاب میں جا گُسا اور جب اسکے خدام نے اُسے سر پیٹکر باہر نکالا۔ اور دریافت کیا کہ اس وقت تالاب میں حضور کیا تلاش کرتے تھے تو اُسنے جواب دیا کہ میں محمد علیخاں کی نعش ڈہونڈھنے گیا تھا۔ امیر شیر علی کی ان حرکتوں کا چاروں طرف لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ اور عوام الناس تو یہہ سمجھ بیٹھے کہ ہمارا امیر ضرور سودائی اور مجنون ہوگیا۔

ایک دوسری روایت اِس لڑائی کی نسبت جو ایک واقفکار شخص کی زبانی معلوم ہوتی ہے یہہ ہے کہ محمد علیخاں نے خود اپنے باپ امیر شیر علیخاں سے درخواست کی کہ مجھے اپنے چچا امین خاں سے لڑنے کی اجازت دیجیے۔ اُسے معلوم تھا کہ امین خاں فلاں غنڈ (چوٹی) پر مقیم ہے۔ محمد علی خاں اردل کے تھوڑے سے سپاہی لیکر شیر کے کھال کی وردی میں ملبوس اُس چوٹی پر چڑھ گیا۔ جب امین خاں کو معلوم ہوا کہ یہ مجھے گرفتار کرنے آیا ہے تو اُسکے ہمراہیوں نے محمد علیخاں پر باڑ مار دی۔ ادہر سے محمد علیخاں کے آدمیوں نے بھی بندوقیں سر کیں۔ اور چچا بھتیجے آن کی آن میں وہیں سرد ہوگئے جب دونوں لاشیں اُٹھاکر امیر شیر علیخاں کے پاس لائی گئیں تو اُسے سخت صدمہ ہوا۔ اُسنے سردار رفیق خاں اپنے وزیر کو خفا ہوکر کہا کہ مجھے تو انگریزوں کے لاکھہ روپیہ یا ہلو کا خوب حق ملگیا ہے اور فرط غم سے فرش پر لوٹ لوٹکر کہتا کجا محمد علیخاں کجا محمد امین خاں

بار بار کھٹکتا رہا۔ غرض امیر شیر علیخاں کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔
اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب امیر شیر علیخاں اپنے لایق اور ہونہار بیٹے کے غم والم میں دیوانہ ہو رہا تھا عبدالرحمن خاں بخارا سے علاقہ افغان ترکستان میں پہونچگیا۔ اور فیض محمد خاں نے اسکی اعانت کرنی شروع کی۔ ایک دوسرا بیان ہے کہ فیض محمد خاں نے ہی عبدالرحمن خاں کو تاکیدی خط لکھکر بخارا سے بلوایا تھا۔ دوسری طرف سردار رفیق خاں نے امیر شیر علی خاں سے ناراض ہوکر اعظم خاں کو خط لکھا کہ تم جلدی چلے آؤ ہم تمہیں کابل سپرد کردینگے اس واقعہ کے مفصل حالات مجھے ایک ایسے شخص کی زبان سے معلوم ہوئے ہیں کہ جو راولپنڈی سے سردار اعظم خاں کے ساتھ ہو لیا تھا اور کابل پہونچنے تک ہمراہ رہا۔ ٣٠ نومبر ١٨٦٥ء کو سردار اعظم خاں راولپنڈی سے روانہ ہوکر علاقہ یوسف زئی سے گذر کر اخون صاحب کی خدمت میں سوات پہنچا۔ اخون صاحب نے ایک خیمہ جو اسباب غنیمت سے انکے پاس تھا۔ قریب پانصد روپیہ نقد کے بطور زادراہ کے دیکر دعا کی کہ خدا کامیابی بخشے۔ وہاں سے روانہ ہوکر براہ باجور و دیر چترال سے گذر کر بدخشاں گئے۔ وہاں کے خان یعنی امیر بدخشاں نے اپنی لڑکی کا عقد سردار اعظم خاں سے کردیا۔ وہاں سے گذر کر علاقہ کوہ پنج شیر میں پہونچے۔ یہ خبر سنکر سردار فیض محمد خاں حاکم ترکستان نے سردار عبدالرحمن خاں کو بھی کسیقدر جمعیت دیکر پنج شیر کو روانہ کیا۔ کہ جہاں دونوں چچا بھتیجے اکٹھے ہوگئے۔ اس وقت سب کا خرچ ختم ہوگیا تھا۔ اس علاقہ میں بر مہہ خالی توت خشک کئے ملتے ہیں جو کثرت سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ سات روز فوج اور امیروں نے صرف یہی توت کھاکر گذارہ کیا۔ پھر بیوی سردار یدنے دو لاکھ روپیہ کابل سے انکے پاس بھیجا۔

سردار اعظم خاں راولپنڈی سے کابل کو روانہ ہوتا ہے۔

* اس علاقہ کے لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ توت قوت رجولیت کے لئے مفید ہیں۔ یہ پشتہ و پنبہ بسبب کثرت پیدا

روپیہ ہاتھ میں آگیا تو سب کی امید بندھ گئی۔ وہاں سے براہ درہ توتم گذر کر علاقہ جہرکار میں داخل ہوئے۔ وہاں سردار نور محمد خاں المعروف بہ مسکین پسر سردار سلطان محمد خاں طلائی[1] حاکم قندھار بیس ہزار روپیہ کی لنگی اور شال فوج کو انعام دینے کے لئے لیکر حاضر ہوا۔ اُس وقت حاکم کابل محمد شریف خاں برادر شیر علیخاں اور محمد ابراہیم خاں المعروف بہ چاڑہ[2] پسر امیر شیر علیخاں دونوں تھے۔ جب فوج کابل کو وہ روپیہ دیدیا گیا اور کسیقدر۔ اور روپیہ بیوی سرداریوں نے اپنی گرہ سے فوج میں تقسیم کیا تو فوج کابل ان سے مل گئی اور ۲۴ فروری ۱۸۶۶ء کو کابل پر انکا تسلط ہوگیا۔ اُس پر محمد ابراہیم خاں برہنہ پہنکر گھوڑے پر سوار ہو بھاگ گیا اور محمد شریف خاں بھی بھاگ گیا۔ اُس وقت کاروبار ریاست سردار اعظم خاں سردار محمد رفیق خاں سردار ولی محمد خاں سردار شمس الدین خاں اور سردار نور محمد خاں کیا کرتے تھے۔ اور کل فوج کے کمان سردار عبدالرحمن خاں کے متعلق تھے۔

اس واقعہ کو دیکھکر امیر شیر علی خواب خرگوش سے بیدار ہوا اگرچہ چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں۔ اب کیا ہو سکتا تھا پھر بھی اُسنے رہی سہی جمعیت کو اطراف غزنی سے فراہم کیا۔ اور عبدالرحمن اور اعظم خاں کی متحدہ طاقت کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوا۔ لیکن تھوڑی سی لڑائی کے بعد ۱۰ مئی ۱۸۶۶ء کو شکست فاش کھاکر بھاگ گیا۔ اور چالیس توپیں اور ہزاروں خیمے اور گھوڑے اعظم خاں اور عبدالرحمن خاں کے ہاتھ آئے۔ امیر شیر علیخاں قندھار سے آتے وقت افضل خاں و شہنواز خاں پسر سلطان جان دونوں قیدیوں کو بھی ہمراہ لایا تھا لیکن بھاگتے ہوئے جلدی میں انکو چھوڑ گیا تھا۔ قید سے نکالکر افضل خاں کو تو کابل میں لاکر امیر بنایا گیا اور سکہ اسکے نام پر ہوا۔ اور اعظم خاں اُسکا وزیر بنا۔

[1] مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں بالکل طلائی کوٹ پہنتا تھا۔ اسلئے اسنے یہ نام دیا تھا +

[2] پشتو میں چاڑہ گنگلے یا توتلے کو کہتے ہیں۔

امیر عبدالرحمٰن اس فتح کا حال یوں لکھتا ہے:۔ "خدا کے فضل و کرم سے شیر علی نے شکست کھائی اور میرا والد اور اسکے ہمراہی جو غزنی میں قید تھے میری فتح اور نصرت کی خبر سنکر قید سے باہر نکل آئے۔ میں اپنے والد بزرگوار کو ہمراہ لیکر کابل آیا۔ اور وہیں تخت پر بٹھا دیا۔ شیر علی ہزیمت کھا کر اور توپیں تباہی۔ گھوڑے وغیرہ کھو کر قندھار کیطرف بھاگ گیا تاکہ اپنی حالت کو درست کرے اور اپنے دامن عزت سے اس شکست کی بدنامی کے داغ کو دھوئے"

امیر افضل خاں کی تخت نشینی

۲۱ مئی ۱۸۶۶ء کو سردار افضل خاں نے امیر افضل خاں ہو کر تخت کابل پر جلوس فرمایا۔ رسوم تخت نشینی قلعہ بالاحصار میں عمل میں آئیں۔ تمام شہر میں رات کو روشنی ہوئی اور لوگوں نے جا بجا جشن کئے اور خوشیاں منائیں۔

باب دوم

ابتدائی حالات

وہیلر صاحب سابق اڈیٹر اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے جو امیر صاحب کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ انھیں اس بات سے شروع کیا ہے کہ امیر صاحب کے تذکرہ نگار کو ابتدا ہی میں ایک ایسی مشکل پیش آتی ہے کہ جس سے مفر نہیں کیونکہ اس عظیم الشان شخص کی تاریخ پیدائش اور مقام ولادت ٹھیک معلوم نہیں۔" ایک بیان کے مطابق تو یہ ۱۸۳۰ء میں تولد ہوا اور سکھوں کی پہلی لڑائی میں انگریزوں کے مقابلہ میں لڑائی بھی تھا۔ مگر یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ ایک روسی جو امیر عبدالرحمٰن خاں سے سمرقند میں واقف تھا بیان کرتا ہے کہ وہ ۱۸۴۴ء میں تولد ہوا۔ اور یہی بات زیادہ قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے۔ بیشک یہی امیر صاحب نے خود بھی کہا تھا اور کئی

سال بعد نے انگریز معالج کو بھی بالکل یہی اطلاع دی تھی"۔

امیر عبدالرحمن خاں کے زمانہ طفولیت کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے ہیں تحریری مصالح تو اسکے متعلق بالکل نہیں ملتا ہم بعض اُن لوگوں سے کہ جو بچپن میں امیر صاحب کے ساتھ ملکر کھیلے ہیں اور بعض وہ شخص کہ جنہیں امیر صاحب کی ملازمت اور مصاحبت کا شرف مدت تک حاصل رہا ہے جسقدر زبانی باتیں معلوم ہوئی ہیں انمیں سے دو ایک اختصار کے ساتھ قلمبند کیجاتی ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے پات چکنے ہوتے ہیں اور ہونہار بچے بچپن ہی میں اپنی طبائع کا میلان ظاہر کردیتے ہیں امیر عبدالرحمن نے بچپن ہی میں کئی باتوں میں اپنی آیندہ عظمت ارادہ کے استقلال اور نڈر پنے اور شہ مارنے والی ہمت کے ثبوت دیدیئے تھے مگر اس وقت کون ان باتوں سے یہ نتیجہ نکال سکتا تھا کہ امیر دوست محمد خاں نے جس سلطنت کو قایم کیا ہے اسے اسکے بیٹوں اور پوتوں میں اس کا خوش نصیب جانشین سردار افضل خاں کا کابل کی گلیوں میں آوارہ پھرنے والا لڑکا ہوگا جو اس زور و شور اور جلال و جبروت سے حکومت کریگا کہ محمود و نادر سے لیکر افغانستان کے کسی بادشاہ نے نہیں کی۔ اس زمانہ میں بھی افغانستان میں ایسی ہی تعلیم تھی جیسی کہ آجکل ہے لیکن آجکل کے شہزادگان کو یورپین تعلیم اور اطوار حاصل کرنے کے کئی موقعے حاصل ہیں جو امیر عبدالرحمن کے بچپن کے زمانہ میں نہیں تھے اسلئے امیر صاحب کی تعلیم بہت کم ہو سکتی تھی تاہم فن شہسواری اور نیزہ بازی میں انہوں نے استعداد بہم پہنچائی کہ جسکا ثبوت بعد کی زندگی میں ملتے ہیں کثرت سے دیکھ لیا۔

امیر صاحب کی عمر سولہ سترہ سال کی ہوگی کہ انہیں ایک عجیب شوق پیدا ہوا۔ ایک ٹوکری کو دونوں طرف سے ڈنڈوں سے باندہ کر چار آدمی کندہوں پر اٹھا لیتے اور نوجوان سردار عبدالرحمن بندوق لیکر اسمیں ٹانگیں پھیلا کر سوار ہو جاتے

اور یہاں بہت اکثر کابل کی گلیوں میں کتنے بار اکثر پرندگان [illegible] ہزار ہا
کرتے اس عجیب شکاری کی بندوق کا شکار ہوگئے۔ لوگ اور خصوصاً شاہی خاندان کے
لوگ ہنستے ہونگے کہ یہ لڑکا کیسا اُچھلتا ہے۔ مگر تعجب یہ نہیں سمجھتے ہونگے کہ یہی لڑکا تھوڑے عرصہ
کے بعد ایسے لڑکے سے ایسے ایسے کام بن پڑینگے کہ امیر دوست محمد کی نسل کا فخر سمجھا
جاویگا۔ اور ایشیا کے نہیں بلکہ یوروپ کے انیسویں صدی کے اس آخری حصہ کے مدبر اور
پولٹیکل دقیقہ فہم اسکی صائب رایوں اور پرمغز تجویزوں پر عش عش کر اُٹھینگے۔

چھٹپن سے ہی امیر عبدالرحمن کو خوشامد اور متابعت سے نفرت تھی۔ اور یہ کسی
اتالیق کی حکومت نہیں مانتے تھے انکی طبیعت میں ایک قدرتی شوخی تھی اور مثل سیماب
کے انکو ایک جگہ قرار نہ تھا جب سردار افضل خاں ترکستان کے گورنر تھے تو انکے مشیر و
ملازم عبدالرحمن کی خودسری کے باعث اکثر اس سے کشیدہ خاطر رہا کرتے تھے آخر
اُنہوں نے ایک دن موقع پاکر چغلی کھائی کہ آپکا بیٹا شراب بہت پیتا ہے۔ سردار افضلخاں
کو ان غلاموں کی بات پر اعتبار آگیا اور حرم سرا میں جاکر اہل خانہ یعنے والدہ
عبدالرحمن خاں سے کہا کہ مجھے معتبر آدمیوں سے خبر ملی ہے کہ تیرا بیٹا بدچلن ہوگیا
ہے۔ ہر روز شراب پیتا ہے۔ اور روز و شب نشہ میں سرشار رہتا ہے۔ امیر عبدالرحمن
خاں کی والدہ نے کہا شاید ایسا ہو مگر مجھے عبدالرحمن کی عادات و اطوار سے یہ امر بعید
معلوم ہوتا ہے۔ سردار افضل خاں نے کہا خیر میں آج اسکو بلاکر اس معاملہ کی تحقیقات
کرونگا۔ قریب پانچ بجے شام کے حکم دیا کہ عبدالرحمن خاں کو بلاؤ۔ افضل خاں اُس وقت
حرم سرائے[1] میں تھا۔ چنانچہ وہیں طلبی ہوئی۔

[1] افغان امیروں اور سرداروں کی بیبیاں چار ہی ہوتی ہیں مگر کنیزیں اور سُریتاں (کہ جن سے تلوار کے ذریعہ نکاح پڑھا جاتا ہے اور دولہا کی موجودگی ضروری نہیں ہوتی) بیسیوں ہوتی ہیں۔ اس لیئے حرم سرا بہت وسیع اور فراخ ہوتا ہے۔ م

جب عبدالرحمن حرم سرائے میں داخل ہوا تو جا بجا راستہ میں کنیزیں کھڑی ہوئیں
اور انہوں نے یکے بعد دیگرے الائچیاں عبدالرحمن کو دیں کہ اگر شراب پیتا ہے
تو انکی خوشبو شراب کی بدبو پر غالب آجائیگی اور سردار افضل خاں تمیز نہ کرسکیگا کہ وہ
اس وقت مخمور ہے مگر عبدالرحمن خاں جو شرابخواروں کی داستانی سے بالکل غافل تھا۔ پہلے تو
اسنے ایک دو سے الائچیاں لیکر کھا لیں مگر اسکو تعجب ہوا کہ سب خلاف معمول الائچیاں
کیوں لائے ہیں۔ پھر اسنے سبب دریافت کیا تو انہوں نے متفق ہوکر جواب دیا کہ
تمہارے والد کو تم پر مے نوشی کا شبہہ ہے شاید تمہارے منہ سے بدبو نہ معلوم
کرلے۔ عبدالرحمن خاں سب الائچیاں لیکر جیب میں ڈالتا ہوا باپ کے حضور میں
پہنچا اور سلام علیکم کرکے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سردار افضل خاں نے کہا عبدالرحمن
میرے قریب آکر بیٹھو اور منہ سے ہف کرو۔ عبدالرحمن خاں نے بلا تامل والد کے حکم
کی تعمیل کی۔ وہ پاک تھا۔ اسے کسی کا کیا باک تھا۔ اس لئے منہ سے کسی قسم کی بو نہ نکلی
تھوڑی دیر ٹھہر کر سردار افضل خاں نے کہا کہ عبدالرحمن یہیں آرام کرو گے یا جاؤ گے
نوجوان مگر آزاد مزاج سردار نے دلمیں سوچا کہ ایک خروار[۱] تو اسکی بیویاں ہیں
میں یہاں کہاں آرام کرسکونگا۔ چنانچہ اسنے بلند آواز سے کہا میں یہاں نہیں رہونگا۔
اسکے بعد اسکے باپ کے ملازموں نے اس پر ایک اور حملہ کیا۔ عبدالرحیم خونزادہ
نے جو ابتک زندہ ہے اور امیر صاحب نے آجکل اسکو میمنہ کا گورنر بنایا ہے۔ دیگر مصاحبان
سردار افضل خاں سے ملکر شکایتیں کرنی شروع کیں کہ عبدالرحمن خاں نے چرس پینی شروع
کی ہے۔ ہر روز پاؤ بھر پیتا ہے اور دیوانہ ہوگیا ہے اگر جلدی کوئی انتظام نہ کیا گیا
تو لوگوں کو نقصان پہنچائیگا۔ باپ نے بلا مزید تحقیقات کے بیٹے کو دیوانہ تصور کرکے
قید کردیا۔

---

[۱] ایک خروار مساوی ہے ۸۰ سیر کے اور ایک سیر مساوی ہے ۲ سیر انگریزی کے ۱۲

عبدالرحمن خاں کو قید میں چھ ماہ گذر گئے تھے۔ یہ زمانہ جو انکو قید کی زندگی کتنی شاق گذری تھی کبھی کبھی سخت گھبراتا تھا اور طیش میں آکر کپڑے پھاڑ ڈالا کرتا تھا۔ اسی اثناء میں بیوی مروارید[1] جو سردار افضل خاں کے حرم کی سردار تھی اور کابل میں رہتی تھی بلخ میں جا پہنچی۔

جب بی بی مروارید علاقہ ترکستان میں داخل ہو کر حرم سرائے میں پہونچی تو سب بیبیوں نے استقبال اور دست بوسی کے بعد بجائے خیریت کے گریبان چاک کر ڈالے اور رونے لگیں۔ بیوی مروارید حیران ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے اور وجہ گریہ و بکا دریافت کی۔ انہوں نے رو کر جواب دیا کہ صرف ایک چراغ اس اندھیرے گھر کا اجالا تھا۔ اسی کو دشمن گل کیا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمن کو چھ ماہ سے چغلخوروں اور بدخواہوں نے قید کرا رکھا ہے اور ہمیں بے اولاد کر دیا ہے۔ پہلے اسے قید سے نکلوا پھر خیر و عافیت دریافت کرو۔

عبدالرحمن کے والد بزرگوار بھی اپنی زبردست بیگم کی سفر سے آنے کی خبر پاکر حرم سرائے میں ملاقات کو آئے۔ جب سردار صاحب نے خیر و عافیت پوچھی تو بیوی

---

[1] بی بی مروارید تمغہ حشمت نشان ہیں جو اسکے باپ کی خوشدامن تھی اور پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی اب بھی آمدنی سے رہتی تھی۔ یہ بیوی امیر دوست محمد خاں کی حقیقی بھتیجی تھی اور اسکا امیر دوست محمد کی خدمت سے علیحدہ مواجب مقرر تھا۔ یہی بی بی مروارید ہے جسنے افضل خاں کے قید ہونے پر جیسا کہ میں پہلے باب میں لکھ چکا ہوں مبلغ پچیس ہزار روپیہ سردار اعظم خاں کے پاس ہندوستان میں بھیجا تھا۔ اسکی بطن سے صرف ایک بیٹی شاہ بو جان امیر صاحب کی چھوٹی بہن پیدا ہوئی جو چار پانچ سال گذرے ہیں امیر عبدالرحمن خاں نے کابل سے خارج کرکے ہندوستان کو بھیجدی تھی جہاں پہلے سے اسکا شوہر پناہ گزین ہے اور ایک سال کے بعد پھر منگوالی۔ اسکی وجہہ صرف یہ تھی کہ امیر صاحب کو شبہہ ہوا تھا کہ شہزادہ حبیب اللہ خاں اسکے مکان پر دو تین مرتبہ گیا تھا۔ سردار افضل خاں کی ان دو بیٹا بیٹی کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی۔ بہرحال بی بی مروارید افغانستان کی زبردست عورتوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

سردار ریستے بادیہ خشمناک ہوکر کہا کہ تمہارے وزیروں کی داڑہی میں پیشاب
کیا یہ تمنے کیا عزت کی ہے - سردار صاحب نے کہا کہ وہ واقعی دیوانہ ہے میں نے اسلیئے
اُسے قید کر رکھا ہے کہ کہیں کو مار نہ دے - بیوی مرواریدنے جو اپنے شوہر پر خوب
حاوی تہی حکم دیا کہ سردار عبد الرحمن کو فوراً رہا کر کے لاؤ - جب عبد الرحمن خاں
کو رہا کر کے حرم سرا کے دروازہ پر لائے تو اُسنے حرم سرا میں قدم رکہنے سے
انکار کیا اور کہا کہ میں دیوانہ ہوں مستی اور سودائی کا ہوں دشمنوں کے
سامنے کیا کام - جب عبد الرحمن کا جواب حرم سرا میں پہونچا تو بیوی مروارید نے
کہا دیکہو سردار تیرا بیٹا کیسا ہوشیار اور زیرک ہے - بھلا کبہی دیوانہ بہی ایسی باتیں
کرتا ہے - اُس وقت سردار افضل خاں کو یقین ہوا کہ میں غلطی پر ہوں - بیوی صاحبہ
نے فوراً خلعت فاخرہ عبد الرحمن کے لئے ارسال کیا - اور حمام سے فارغ ہوکر
عبد الرحمن خاں اپنی ماؤں کی خدمت میں سلام کے لیئے لائے گئے - بیویوں نے جس وقت
عبد الرحمن کی صورت دیکہی تو انہیں چاندسا چڑھ گیا - بلائیں لینے لگیں اور ہزارہا
روپیہ اِس نور بصر کے اوپر سے تصدق کر کے غربا کو تقسیم کیا -

عبد الرحمن کے دشمنوں نے جب دیکہا کہ دوسرا وار بہی خالی گیا تو وہ ایک اور
چال چلے - سردار افضل خاں کو سمجہانے لگے کہ چشم بد دور آپکا صاحبزادہ اب جوان ہوا
ہے - اُسکو بیکار نہیں رکہنا چاہیئے - کوئی خدمت اُسکے سپرد کرنی چاہیئے - افضل خاں
نے پوچہا کہ کیا خدمت سپرد کیجائے تو انہوں نے عبد الرحمن کی شجاعت دلاوری
اور شہسواری کی حد سے زیادہ تعریف کی اور کہا کہ اِس سے بہتر کوئی شخص باغیوں
کی سرکوبی کے لیئے نظر نہیں آتا - سردار افضل خاں پہر اپنے مصاحبوں کے بہرے
میں آگیا اور عبد الرحمن خاں کو جرنیل کا خطاب دیکر علاقہ قطغن کیطرف روانہ کیا
جہاں کی رعایا میں اندنوں شورش برپا تہی - عبد الرحمن خاں کے قطغن کیطرف

قطغن پر فوج کشی

شیخ الٰہی بخش خاں مرحوم

روانہ کرنے میں اُسکے دشمنوں کی یہہ غرض تہی کہ یا تو یہہ باغیوں کی لڑائی میں مارا جاویگا اور یا اوزبک اسے قید کرکے غلام بنا کر بیچ ڈالیں گے۔ مگر سچ ہے کہ ع خدا شرّے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد + خدا کے فضل و کرم سے عبدالرحمن مظفر و منصور واپس آیا۔ لاریب جب خدا مہربان ہو تو شوربختوں کی حسد سے مقبلوں کو کچھ نقصان نہیں پہونچ سکتا۔

جب باغیوں کا قرار واقعی قلع قمع کرکے عبدالرحمن خان واپس آیا تو باپ نے نہایت محبت سے گلے لگایا۔ زر سُرخ و سپید اُسکے سر پر سے نثار کیا اور کہا بیٹا مجھے خبر نہیں تہی کہ تو جیسے رستم ہے اور تمہاری شجاعت لوگوں کی آنکھ میں کانٹا ہوکر کھٹک رہی ہے۔ نوجوان سردار کی اس فتح کا چاروں طرف شہرہ ہوگیا اور اُسکے مخالف کے دلپر ایسا رُعب چھایا کہ پھر اُنکو مخالفت کا حوصلہ نہ پڑا۔ یہہ زمانہ تھا کہ جبکہ امیر شیر علیخاں نے مع دیگر سردار فضل خاں کو قید کر لیا اور کچھ مدت بعد عبدالرحمن خاں نے مردانہ وار اپنے باپ کو قید سے رہا کرکے سردار افضل خاں کو امیر افضل خاں بنایا تھا۔

باب سوم

انقلاب

دوسرا باب ایک جملہ معترضہ سمجھنا چاہیئے کہ جسمیں امیر صاحب کے بچپن کے چند متفرق حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اب میں پھر اصل سلسلہ واقعات کی جانب متوجہ ہوتا ہوں کہ جسمیں نوجوان عبدالرحمن نے شروع ہی سے کابل کی تاریخ بنانے میں بہت بڑا حصہ لینا شروع کر دیا تہا +

اگرچہ امیر افضلخاں اپنے بیٹے اور بھائی کی ہمت اور بہادری کی توقیر سمجھتا

والی کابل ہوگیا۔ مگر سر جان لارنس نے جواندنوں گورنر جنرل ہند تہے اُسکو بجائے امیر افغانستان کے صرف والی کابل لکھنے پر اکتفا کیا۔ وہ خط بجنسہ حسب ذیل ہے:-

"یہہ ہمارا فرض ہے کہ آپکو آگاہ کردیں کہ موجودہ صورت میں ہماری شہرت اور حمیت سے بعید ہے کہ ہم امیر شیر علیخاں سے بگاڑ پیدا کریں۔ وہ ابھی تک قندہار اور ہرات پر قابض ہے جو افغانستان کا بڑا حصہ ہے۔ مشفق من تمکو واضح ہو کہ ہماری گورنمنٹ کا تعلق اصلی والی افغانستان سے ہے۔ اگر خدا تمہیں توفیق دے اور تم تمام افغانستان کے مالک ہوکر انگریزوں کے خیر خواہ اور ہوا خواہ دوست بنے رہو تو ہم فوراً تمہیں اپنا دوست قبول کرلیں گے۔ مگر موجودہ حالت میں ہم امیر شیر علیخاں سے ارتباط اتحاد جو مدت سے قایم ہے توڑ نہیں سکتے اور اُسے اُس حصہ کا جائز والی تسلیم کرتے رہینگے جسپر کہ وہ حکمران رہیگا۔ صداقت نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم صاف صاف الفاظ تمہارے پاس لکھکر بھیجدیں"۔

امیر افضل خاں کی معزولی اور سردار اعظم خاں کے تسلط کا ...

ان دنوں میں اگرچہ امیر افضل خاں کابل کا حکمران تہا مگر دراصل وہ برائے نام امیر تہا۔ تمام سیاہ و سپید کا مالک سردار اعظم خاں تہا۔ جبسے افضل خاں نے اپنا وزیر مقرر ہوا تھا۔ اعظم خاں کو امیر افضل خاں نے اسقدر سر چڑہا یا ہوا تھا کہ اُسکے مشورہ کے بغیر کچھ کام نہ کرتا تہا۔ معمولی باتوں میں بہی اُسکی صلاح لے لیتا تہا یہانتک کہ خود امیر افضل خاں تو بالا حصار کے اندر ایک مکان میں مقیم تہا اور امیر دوست محمد کے اعلٰے درجہ کے مکانات اور محلات سردار اعظم خاں کے قبضہ میں تھے۔

سردار عبدالرحمن یہہ حال دیکھکر اندر ہی اندر کڑہتا تھا مگر اُسے کچھ نہ کہہ سکتا تہا۔ اُسنے ایک دو دفعہ والد بزرگوار کو سمجہانا چاہا مگر والد نے اُسکی طرف توجہ نہ کی۔ ناچار وہ خاموش ہورہا اور بطور ایک مہمان کے قلعہ بالا حصار

باغ میں رہنے لگا۔ کبھی کسی فوج کو دیکھہ لیا کرتا تھا۔ ورنہ روز و شب
باغ میں ہی رہتا تھا۔ جب سردار اعظم خاں نے کار و بار سلطنت
سنبھال لیا تو سردار افضل خاں شراب خوری اور آرام طلبی کے
ہاتھہ بک گیا۔ ترکی میں ایک مثل ہے کہ "شراب اعتدال سے پیو تاکہ تم
شیروں سے جنگ کرسکو ورنہ بے قدر نہ ہو کہ کتے آکر تمہاری آنکھیں نکال لیں"
مگر افضل خاں نے اِس مثل کی کچھہ پرواہ نہ کی اور ہر وقت نشہ میں چور رہنے لگا
یہ شعر گویا اُنکا تکیہ کلام ہوگیا تہا ؎

شراب کہنہ کہ روشن گر رواں من است
مصاحب من و پیر من و جوان من است

سردار افضل خاں یہانتک نشہ میں غین رہنے لگا کہ جب سہ پہر کے چار بجتے تہے تو
اُسکو سر و پا کی ہوش نہ رہتی تہی اور اِس قابل نہ رہتا تہا کہ حرم سرائے سے باہر
آسکے۔ امیر کا تو یہہ حال تہا اور وزیر نے سخت گیری ظلم جبر اور تعدی شروع
کر دی۔ ذرہ ذرہ سی بات پر لوگوں کا گہر بار لوٹنا اور مال و اسباب ضبط کرلینا
تو اُسکے بائیں ہاتھہ کا کرتب ہوگیا۔ لوگوں سے جبراً قرض لینا تہا اور اگر وہ حیلہ و
حجت کرتے تو انہیں ذلیل اور رسوا کرتا تہا۔

محمد رفیق کا مارا جانا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محمد رفیق خاں پر آپ ناراض ہوگئے۔ یہہ وہی شخص
ہے جو انگریزوں کا ہوا خواہ تھا اور انگریزوں کے پاس امیر شیر علیخاں
کی طرف سے رعیہ لینے پشاور گیا تھا۔ ناراض آپ اِس شبہ پر ہوگئے۔
کہ وہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور اُسی کی شرارت سے سر جان لارنس
نے مراسلہ میں بجائے "امیر افغانستان" کے "والی کابل" لکھکر سردار افضل خاں کی
سخت تحقیر کی ہے۔ اُس بیچارہ نے ہر چند واویلا کی کہ میں بیگناہ ہوں مگر کون

سنتا تھا۔ اگست ۱۸۶۶ء میں اعظم خاں نے محمد رفیق[1] کو پکڑ کر شارع عام میں
گلا گھونٹ کر مار دیا۔ مگر اسپر بھی صبر نہ کیا۔ اُسکا گھر بار بھی لوٹ لیا اور اُسکی
عورتوں کو ننگے سر بازاروں میں تشہیر کیا۔ پھر اُس مظلوم کی نعش کو کابل
کی موریوں میں پھینکا گیا۔ اعظم خاں نے صرف محمد رفیق ہی کا یہ حال نہیں کیا
بلکہ قریب ڈیڑھ سو کے معزز سرداروں کو قید کر دیئے۔ اور اُنمیں سے چند ہی زندہ قیدخانہ
سے برآمد ہوئے۔ اعظم خاں نے جفا و جور کا بازار گرم کیا ہوا تھا اور افضل خاں
نشئہ شراب خانہ خراب میں دنیا و مافیہا سے مدہوش تھا مگر شیر علیخان دن رات
اِس فکر میں تھا کہ کسی طرح پھر کابل کو فتح کرے۔ وہی شریف خاں جسنے بجبایز
پر سردار محمد علی متوفی کے ہاتھ سے شکست کھائی تھی۔ اب اپنی حرکت
پر پشیمان ہو کر شیر علی خاں سے آملا تھا۔ اِس وقت
بقول انگریز مورخان کے قندھار کے ساہوکاروں نے امیر

امیر شیر علیخان کا کابل پر بڑھنا

[1] محمد رفیق کے قتل کے دردناک واقعہ کو بھی میں ایک شخص کی زبانی لکھتا ہوں جو اِس بدنصیب
کے گلا گھونٹے جانے کے وقت پاس موجود تھا۔
سردار شاہنواز خاں پسر سلطان جان و سردار جلال الدین خاں پسر سردار اکبر خاں نے سردار اعظم خاں سے
شکایت کی تھی کہ محمد رفیق لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتا ہے چنانچہ ایک روز دس بجے صبح کے قریب
محمد رفیق خاں سردار اعظم خاں کے سلام کے لیئے دربار میں حاضر ہوا۔ یہ دربار امیر دوست محمد خاں کی
خوابگاہ میں لگا ہوا تھا۔ جائے سامنے رکھوا کر سردار اعظم خاں پاس سے اُٹھ گیا اور اتنے میں شہباز خاں
خواجی ہاتھ میں پھانسی کی رسی لیئے ہوئے داخل ہوا۔ محمد رفیق خاں نے دریافت کیا کہ یہ رسی
مجھکو پھانسی دینے کیلیئے لائے ہو۔ اُسنے کہا ہاں۔ تو رفیق خاں نے کہا کہ مجھکو غسل کر کے پاک ہو لینے
دو۔ مگر شہباز خاں نے گلے میں رسی ڈالدی اور دو آدمیوں نے دونوں طرف سے کھینچکر اُسکا
گلا گھونٹ دیا۔ ابھی جان نہیں نکلی تھی کہ سردار محمد اسمعیل خاں والد سردار محمد امین خاں نے یہ کہکر
ایک پیش قبض اُسکے پیٹ میں گھونپ دی کہ تمنے مجھے کابل تمندار کے رستہ میں کہا تھا کہ تمہارے باپ
کے منہ میں پیشاب کیا۔ اِس بیچارہ کا پیشاب پاخانہ اور انتڑیاں نکل پڑیں۔ اُسکی جائیداد ضبط کی
گئی۔ اور اُسکے مکان سے علاوہ دیگر مال و اسباب کے چار ہزار بندوق نکلی۔ لاش کو پاخانوں میں پھینک دیا گیا۔
اور ملاؤں نے غسل دیکر دفن کر دیا۔ (محبوب عالم)

شیر علیخاں کو ایک لاکھہ روپیہ[1] اس واسطے قرض دیا تھا کہ تم کابل پر چڑھائی کر کے قسمت آزمائی کرو۔ غرض امیر نے بڑی ہمت کر کے ایک ہزار سوار بہم پہونچائے اور ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء کو کابل کیطرف روانہ ہوا۔ ادہر سے سردار عبدالرحمن خاں اور وزیر اعظم خاں اُسکے مقابلہ کے لیئے بڑہے امیر شیر علی نے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا مگر شکست و فتح نصیبوں سے ہوتی ہے۔ ۱۲ جنوری ۱۸۶۶ء کو امیر شیر علیخاں کا لشکر ہزیمت کہا کر پسپا ہوا۔ اور وہ خود ہرات کیطرف بھاگ گیا اور فتحیابوں نے قندہار پر بھی قبضہ کر لیا اِس فتح کی نسبت امیر عبدالرحمن خاں نے ایک جگہہ یوں لکھا ہے: "خدا ہمارے طرف تھا اِسلیئے امیر شیر علی بہر شکست یاب ہوا اور میری فوج نے ۱۸۶۶ء کے موسم خزاں میں قندہار پر قبضہ کر لیا"

اِسکے بعد ۲۵ فروری ۱۸۶۶ء کو سر جان لارنس نے ایک اور خط امیر افضلخاں کے نام لکھا جسکا مضمون مفصلہ ذیل ہے۔ سر جان نے لکھا:-

افغانستان کے دو امیر

"شفیق من ہمنے اپنے پہلے خط میں آپکو لکھا تھا کہ ہم اُسکے دوست ہیں "جو واقعی والی افغانستان ہو۔ مگر جب تک امیر شیر علی ہرات پر قابض "ہے اور ہماری دوستی پر کمر بستہ ہے ہم اُس سے بگاڑ نہیں سکتے۔ لیکن اِسی "اصول پر ہم آپکو بھی امیر کابل و قندہار تسلیم کرنے پر مستعد ہیں اور اِسی "حیثیت میں ہم سرکار انگلشیہ کی خیر خواہی کا تمہاری نسبت اظہار کرتے ہیں"

اِس خط میں سر جان لارنس نے جیسا کہ پہلے خط میں تھا سردار افضل خاں کو والی کابل نہیں لکھا تھا بلکہ امیر کابل و قندہار لکھا تھا جس خطاب کی اعظم خاں کو سخت تمنا تھی

[1] یہ بات میری سمجھہ میں نہیں آسکتی کہ جبکہ تخمیناً لاکھہ کا محاصل کا علاقہ فرح اور قندہار اور ہرات و تعلقات وغیرہ اِسکے قبضہ میں تہے پہر اسکو ایک لاکھہ قرضہ کی کیا ضرورت تہی۔ لاکھہ دو نہ صورت میں کچھہ حقیقت نہیں رکہتا

لکھتے ہیں کہ ایک دن عبدالرحمن خاں نے اپنے والد اور چچا کو لکھا کہ انگریز دوستی کے پکے ہوتے ہیں تم خط و کتابت کر کے اُن سے سلسلہ یگانگت قائم کرو۔ اس پر اعظم خاں نے تند ہو کر جواب دیا کہ راولپنڈی میں مجھے انگریزوں نے بہت تنگ رکھا تھا وہ کم ظرف ہیں ایسے لوگوں سے دوستی روا نہیں ہے۔ افضل خاں خود تو صمٌ بکمٌ تھا مگر اُسنے اپنے بھائی کی تائید کی۔ اور عبدالرحمن خاں سے سوائے خاموشی کے اور کچھہ بن نہ آیا۔

فیض محمد خاں سے جسنے ۱۸۶۵ء میں عبدالرحمن خاں کی بخارا سے آتے ہوئے مدد کی تھی عبدالرحمن نے یہہ وعدہ کیا تھا کہ اگر کابل مجھے ملا تو ترکستان تمہارا ہے۔ اب کابل لینے کے بعد اعظم خاں نے فیض محمد خاں کو لکھا کہ تمہاری ماتحت ہو مالیہ ہمیں بھیجا کرو تمکو تنخواہ دیجاویگی۔ اُسنے جواب دیا کہ مجھہ سے عبدالرحمن خاں نے اُس گھڑی وقت میں عہد کیا تھا کہ ترکستان تمہیں دونگا یعنی بخارا سے اُسے بلا کر تمہارے پاس بھیجو۔ جب یہ پیغام کابل میں پہنچا تو اعظم خاں نے ولی محمد خاں برادر فیض محمد خاں کو قید کر لیا اور عبدالرحمن خاں سے کہا کہ تم فیض محمد خاں پر چڑھائی کرو عبدالرحمن خاں کو اپنا عہد یاد آ گیا اور کہا کہ میں خود اُس پر لشکر کشی نہیں کرتا۔ اگر وہ کابل پر چڑھ آیا تو اُس سے لڑونگا وزیر اعظم خاں یا اُسکا بیٹا سردار جان اُسکے مقابل میں جائیں۔ اِس اثنا میں فیض محمد خاں امیر شیر علی سے جا ملا جو شاہ ایران سے اور روسیوں سے امداد طلب کر رہا تھا۔ اِن دنوں کثرت مے نوشی سے امیر افضل خاں بستر مرگ پر لیٹا ہوا تھا عبدالرحمن خاں اُسکے پاس گیا اور کہا کہ آپ مجھے اپنا ولیعہد مقرر فرمائیں مگر کثرت مے نوشی سے افضل خاں کے حواس بجا نہ تھے۔ اُسنے یہی جواب دیا کہ اعظم خاں قندھار میں ہے اُسکے آنیکے بغیر کچھہ نہیں ہو سکتا۔ اِس واقع کے ایک دن بعد اعظم خاں نے نہایت وحشیانہ طور پر عبدالرحمن خاں کو لکھا کہ میں جانتا ہوں تمہارا باپ بیمار ہے لیکن وہ حالت نزع میں ہے اور

اعظم خاں کے باقی کارنامے

تم مردے کو نہیں چلا سکوگے کیوں نہیں غنیم کی سرکوبی کے واسطے آتے۔ ناچار عبدالرحمٰن باپ کو بیمار چھوڑ کر دشمن کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ اس واقعہ کی نسبت امیر عبدالرحمٰن خاں یوں تحریر کرتا ہے۔ "ناچار باپ کو بیمار چھوڑ کر میں دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اور میرا مقابلہ امیر شیر علی اور فیض محمد کی فوج سے درہ پنجسر پر ہوا۔ لڑائی تمام رات ہوتی رہی علے الصبح فیض محمد ہماری توپوں کا نشانہ ہوگیا اور شیر علی ہرات کو بھاگ گیا" امیر عبدالرحمٰن نے بلخ پہنچکر اسپر قبضہ کرلیا اور سب جگہہ اپنا تسلط بٹھایا۔ یہ لڑائی ۱۳ ستمبر ۱۸۶۸ء کو ہوئی اور شروع اکتوبر میں عبدالرحمٰن خاں کابل لوٹ آیا۔ اعظم خاں قندھار سے پہلے ہی کابل آچکا تھا اور اُسنے کہا کہ اب مردہ میں جان ڈالنا ناممکن ہے۔ واقعی افضلخاں کی بیماری کثرت مے نوشی سے حد علاج سے گذر چکی تھی چنانچہ عبدالرحمٰن کے کابل پہنچنے سے تین دن بعد وہ جان بحق تسلیم ہوا۔ امیر افضل خاں نے سوا سال تک کابل میں حکومت کی اور جب اُسنے وفات پائی تو اُسکی عمر ۵۶ چھپن سال کی تھی۔ ہر چند کہ مدت حکومت بہت قلیل ہے۔ لیکن تاریخ میں افضل خاں افغانستان کا دوسرا امیر شمار ہوتا ہے۔ امیر افضل خاں کی وفات کے بعد سردار عبدالرحمٰن خاں کو امید تھی کہ لوگ مجھے امیر بنائینگے۔ کیونکہ امیر مرحوم کا میں ہی بیٹا اور جانشین ہوں مگر اُسکے چچا اعظم خاں کا رسوخ زبردست تھا اور بڑے سردار بھی اُسکی طرف تھے۔ اُسنے عبدالرحمٰن کو بلا کر کہا کہ تمہاری دال سردار اعظم خاں کے مقابلہ میں نہیں گلنے کی۔ بہتر ہے کہ تم دعوائے تخت نشینی سے دست بردار ہوجاؤ۔ ایک دوسرا بیان ہے کہ اعظم خاں نے علیحدہ ہو کر عبدالرحمٰن سے کہا کہ مجھے کچھہ عذر نہیں تم تخت و تاج سنبھالو۔ لیکن عبدالرحمٰن نے دانائی سے یہ عطیہ نامنظور کیا۔

عبدالرحمٰن خاں کا شیر علیخاں اور فیض محمد سے مقابلہ

سردار افضل خاں کا انتقال

۵۶ بقول دیگر اڑتالیس سال افضل خاں کی اور ڈیڑھ اعظم خاں کی کل ملاکر چار سال ہوئی ۱۲

اُسنے خود اعظم خاں کو دربار عام میں تخت پر بٹھایا اور شمشیر امارت اُسکی کمر پر
باندھی اور اپنے لیئے منصب سپہ سالاری پسند کیا۱؎۔ ایک تیسرا بیان جو مجھے زبانی
ملا ہے یہہ ہے کہ سردار عبدالرحمن خاں نے اپنے باپ کی دستار عصا اور تلوار سردار
اعظم کو اپنے ہاتہہ سے سپرد کرکے کہا کہ تم میرے باپ کی ہیں اور میں تمکو اپنے باپ
کی بجائے سمجھتا ہوں اور میں خود اپنے باپ کی ریاست میں بلخ کو چلا جاتا ہوں۔
جب افضل خاں کا چالیسواں ہو چکا تو عبدالرحمن خاں کے دل میں یہ
سمائی کہ شیر علیخاں کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ یہ عزم کرکے
وہ پہر ہندوکش سے گذرا جب شیر علیخاں کو اُسکے آنے کی خبر ہوئی تو وہ ہرات
کو چلا گیا۔ اور عبدالرحمن اقچہ اور میمنہ پر حملہ آور ہوا۔ اور اول الذکر جگہہ کے
دو سرداروں کو زندہ دفن کر دیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں اُسکی دہشت
بیٹھ جائے۔ میمنہ میں اُسے خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی۔ وہاں کے حاکم
نے قلعہ بند ہو کر شرائط منظور کر لیں اور عبدالرحمن کے ہاتہہ بہت سا روپیہ
اور ایک جہانگیر کے وقت کی توپ آئی جو اُس وقت ایک قابل قدر تحفہ
سمجھی جاتی تہی۔ وہاں سے عبدالرحمن تختہ پل کو چلا گیا۔

امیر عبدالرحمن خاں نے اپنی توزک میں لکھا ہے کہ جب میں تختہ پل میں
تہا تو میرے پاس ایلچی بخارا سے آئے۔ ظاہرا تو وہ ماتم پرسی کو آئے مگر دراصل
اُنکا مطلب یہہ تہا کہ مجہہ سے روسیوں کے مقابلہ کے لیئے بارہ ہزار سوار لیویں
مگر میں نے اُنکی بات کو نہ مانا اور کہا کہ میرا ارادہ روسیوں سے دوستی قائم رکہنے کا

۱؎ البتہ عبدالرحمن خاں نے ایک انگوٹھی چاندی کی اپنے باپ کی اپنے پاس رکھلی اور وہ
ابتک امیر عبدالرحمن خاں کے پاس ہے جسکو وہ اپنے مہر کے ساتھہ پاکٹ میں رکہتے ہیں۔ اور
اسمیں بہت چہوٹا سا نگینہ لگا ہوا ہے جسپر افضل خاں کا نام کندہ ہے۔ امیر صاحب
کہا کرتے ہیں کہ باپ کی جائداد سے مجہے فقط یہ چیز ملی تہی۔ ۱۲

ہے۔ لیکن دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ عبد الرحمن نے حاکم بخارا سے مدد کا اقرار کیا
مگر ساتھ ہی اسکے یہہ بھی کہا کہ جب تک میمنہ فتح نہ ہولے میں مدد نہیں دیسکتا
سردار عبد الرحمن خاں تو میمنہ کے بکھیڑے میں گرفتار رہا۔ ادہر امیر شیر علیخاں
کو موقع ملگیا۔ اُسنے اپنے لایق بیٹے سردار یعقوب خاں کو قندہار فتح کرنیکے لیئے
روانہ کیا۔ کابل میں اعظم خاں سے لوگ خوش نہ تہے رعایا اسکی سخت گیری اور
ظلم کے باعث اُس سے نفرت کرتے تھے۔ امیر شیر علیخاں تو کابل لینے کی فکر میں
شب و روز غلطاں پیچاں تہا اور اعظم خاں ایک شخص مسمی رومی سید سے
جو قسطنطنیہ کا باشندہ تھا اور جسے لوگ روس کا جاسوس سمجھتے تھے مشوروں میں
مشغول تہا جب شیر علیخاں ہرات سے نوجکشی کرکے غزنی میں داخل ہوگیا تو
اُسکی آنکھ کھلی اور کابل سے غزنی کو روانہ ہوا۔ اور ساتھ ہی عبد الرحمن خاں کو
لکھا کہ محمد اسمعیل پسر امین خاں کو ہماری کمک کو بھیجو اور خود بھی جلد پہنچو۔
محمد اسمعیل جب آیا تو کابل کو خالی دیکھکر وہیں اکڑ بیٹھا اور غزنی کو نہ
گیا۔ عبد الرحمن خاں تختہ پل سے روانہ ہوا اور بامیان سے گزرکر غزنی کیطرف
آیا۔ جنرل نصیر خاں کو جو اعظم خاں کی کل فوج کا کمانڈر تھا حکم دیا گیا کہ وہ آگے
کی قلعبندی کرکے فوج پھیلادی۔ مگر اُس بھکڑ نے شراب پیکر توپوں کے گھوڑے
آٹھ کوس آگے بھیجدیئے اور خود رات بھر افغانی عیش و عشرت میں مشغول رہا
طلوع آفتاب کے وقت عبد الرحمن خاں اوس مورچہ پر پہنچا جہاں جان محمد خاں قلمرزخا
اور پروانہ خاں وغیرہ موجود تہے۔ عبد الرحمن نے دریافت کیا کہ تمنے توپیں کہاں
لگائیں۔ نصیر خاں نے کہا کہیں نہیں۔ اب جہاں چاہو لگاو۔ عبد الرحمن خاں نے
کہا گھوڑے کہاں ہیں۔ لوگوں نے بتلایا وہ تو آٹھ کوس آگے بھیجدیئے گئے ہیں
اُسنے کہا دشمن سرپر آگیا اب کیا کیا جاوے۔ سلطنت چلی جاویگی۔ نصیر خاں

لے کہا[1] جیسی سلطنت ایسی تیسی میں مجھے کیا - یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دشمن کیطرف سے سرور خاں شاہ غاسی کا باپ پانچ سو سوار سمیت سر پر آپہنچا اور یہ سب اپنی اپنی جان لیکر تتر بتر ہو گئے۔

کابل امیر شیر علیخاں کے قبضہ میں۔

جب امیر شیر علیخاں کابل آیا تو اسمٰعیل خاں نے فوراً کابل اُسکے حوالہ کر دیا۔ اور ۸ ستمبر ۱۸۶۸ء کو امیر شیر علیخاں نقارہ فتح و ظفر بجاتے کابل میں داخل ہو گیا۔ سر جان لارنس نے فوراً تہنیت نامہ ارسال کیا اور لکھا کہ یہ فتح جو تمہیں نصیب ہوئی ہے محض تمہاری شجاعت - لیاقت اور استقلال کا نتیجہ ہے علاوہ اس تہنیت نامہ کے گورنر جنرل نے چھ لاکھ روپیہ نقد اور تین ہزار پانچسو بندوقیں امیر شیر علیخاں کو ارسال کیں۔

سردار اعظم خاں مشہد کو اور سردار عبد الرحمن خاں بخارا کو بھاگ گئے۔

اس شکست کے بعد اعظم خاں خستہ و خراب ہوتا ہوا مشہد مقدس کو چلا گیا اور وہیں بیکسی اور گمنامی کی حالت میں اُسنے قضا کی - مگر عبد الرحمن خاں جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور بیحد سختی اوٹھاتا ہوا بے سر و سامانی کی حالت میں وزیرستان[2] میں جا پہنچا وہاں سے اُسنے انگریزوں سے پناہ مانگی - اُن دنوں لارڈ میو گورنر جنرل تھے - یہاں سے یہہ جواب گیا کہ اگر تم ہندوستان میں آتے ہو تو بیشک آؤ مگر شرط یہہ ہے کہ پھر تمہیں حدود ہندوستان سے باہر جانیکی اجازت نہ ہوگی - اس شرط کو عبد الرحمن خاں نے منظور نہ کیا اور بخارا کیطرف چلا گیا۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ سردار اعظم خاں شکست کھا کر مشہد کیطرف چلا گیا اور وہیں گمنامی کی حالت میں اُسنے قضا کی - ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ بیچارہ مشہد

[1] سنا گیا ہے کہ یہی نصیر خاں اب تک امیر عبد الرحمن خاں صاحب کی خدمت میں ہے [illegible] کے کل انتظام کا منتظم ہے - امیر صاحب اسکی عزت کرتے ہیں کیونکہ یہ فنون جنگ میں انکا استاد مشہور ہے ۱۲

[2] یہ بیان بھی بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ غزنی سے وزیرستان اتنی دور ہے کہ وہاں تک ایسی بے سر و سامانی اور دشمن کی سلطنت کے بیچ میں سے ہو کر پہنچنا مشکل ہے ۱۲ -

بھی پہنچنے نہیں پایا جبکہ شاہ ہرو وتک ہی گیا تہا کہ ۶-اکتوبر ۱۸۶۹ء کو بے سروسامانی کی حالت میں جان دی ۔ سر جان لارنس کا قول ہے کہ اگرچہ اعظم خان کا چلچلن افضل خان سے بہتر تہا مگر وہ حکومت کرنا قابل تہا ۔ اوسمیں نبرد آزمائی کی لیاقت اور قابلیت نہ تہی ۔

باب چہارم

جلاوطنی

غزنی کے میدان نے جب سردار عبدالرحمن اور سردار اعظم خاں کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا تو جان بچانے کی گہبراہٹ میں جدہر کسیکا منہ آیا چلدیا۔ امیر عبدالرحمن خان نے ہزیمت غزنی کے بعد کی سرگذشت کابل ہیں لوٹکر اسطرح تبلائی تہی جو گو زبانی میرے پاس پہنچی ہے۔ مگر چونکہ واقعات قرین قیاس ہیں۔ اور راویؔ معتبر آدمی معلوم ہوتا ہے جو مدت تک امیر صاحب کی مصاحبت میں رہا ہے۔ اِسلیئے بجنسہ اِس کیفیت کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔

ؔ اِس شخص کا نام شیخ محمد حسن خان جدید الاسلام ہے جو دراصل باشندہ ضلع راولپنڈی کا ایک سکہ تہا۔ اسکو امیر عبدالرحمن خان نے اپنی زبان سے کلمہ پڑہا کر مسلمان کیا اور اُسکی بیوی اور دو بیٹیوں کو امیر صاحب کے حرم سرا نے کلمہ پڑہا کر مسلمان بنایا۔ امیر صاحب اِس شخص پر بے حد مہربان تہے کیونکہ اِسکے باپ نے کئی سال امیر صاحب کے باپ کی خدمت میں بسر کئے۔ اور یہ شخص خود بہی چار سال جلاوطنی سے پہلے اور چودہ سال سلطنت کابل اختیار کرنیکے بعد آنکی خدمت میں رہا۔ دربار میں اسکو معزز رتبہ ملا ہوا تہا اور امیر صاحب اسکو برادر دینی کہا کرتے تہے۔ کہ ایک مرتبہ نواب افضل خان سابق سفیر انگریزی متعینہ کابل حال ڈپٹی کمشنر گجرات سے اسنے قلعہ ہاشم خاں کے پاس گہوڑی سے اُترکر مصافحہ کیا۔ یہ خبر جیسا کہ اور ہر ایک خبر کابل کے امیر صاحب کے پاس پہنچ جاتی ہے انہیں پہنچ گئی اور انہوں نے اسکا مال اسباب ضبط کرکے معہ زن و بچہ ہندوستان کو بہجدیا۔ مگر کئی سال بعد اب شیخ محمد حسن کا صرف قصور معاف کیا ہے ۔

امیر صاحب لکھتے ہیں:-

جب غنیم کی فوج مقام غزنی میں ہمارے سر پر پہونچ گئی تو میں بھاگا۔ اُس وقت
میرے ساتھ صرف جان محمد خاں (غلام بچہ) تھا جسکی عمر شائد بارہ تیرہ سال کی تھی
اُس وقت ایسی کھلبلی پڑ گئی کہ ہم رستہ بھول کر بے آب و علف جنگلوں میں
بھٹکنے لگے۔ اِس طرح ہم خراب ہوتے ہوتے بیس کوس پر چلے گئے۔ وہاں پروانہ خاں
(غلام جو نائب سالار کابل رہچکا ہے) اور اب مرگیا ہے۔ اور فرامرز خاں بھی
(جو سپہ سالار ہرات رہچکا ہے اور اب مرگیا ہے) ہم سے آملے۔ دوسرے دن جب
کوچ کیا تو قربان علی خاں چاہ والا اور اور تیس ٣٠ چالیس سوار بھی آپہونچے
مینے اُن سے دریافت کیا کہ چچا اعظم خاں کا کیا حال ہے اور وہ کدہر گیا ہے۔
اُنہوں نے کہا کہ وہ مشہد کیطرف بھاگا ہے اور آپکی بخارا کیطرف جانیکی خبر
تھی کہ ہم پوچھتے پوچھتے آپسے آملے ہیں۔ اسیطرح پانچ چھ روز میں دو سو آدمی
کے قریب میرے ہمراہ ہوگئے مگر خرچ کی بڑی تنگی تھی۔ کسی کسی کے گھوڑے کی
گردن میں جو پوزی میں سونے چاندی کا عراق تھا وہ بیچا گیا اور جان محمد
کی خورجی میں پانسو طلا رکھا تھا۔ اسی طرح قطع منازل و طے مراحل کرتے ہم ایک
گاؤں میں پہونچے۔ اُس گاؤں کا مالک جو قوم کا ازبک تھا مجھے آملا۔ اور اُسنے
میری اور میرے کل سواروں کی دعوت کی۔ میرا حال دیکھکر بہت رویا اور
پوچھنے لگا کہ اب کدہر کا ارادہ ہے۔ مینے کہا ارادہ تو ہمارا آگے کا ہے آگے جدھر ہم
قسمت لیجائے۔ پھر مینے کہا کہ تمہاری بڑی شفقت ہوگی اگر کسی طرح مجھے سرحد
بخارا میں پہنچا دو۔ اُسنے رحم کھاکر ایک ہزار روپیہ گھر سے لاکر مجھے دیا اور
کہا کہ اگر تم بادشاہ ہوگئے تو مجھے ادا کر دینا ورنہ مینے تمہیں بخشا۔ پھر اُسنے کہا
کہ بخارا یہاں سے بیس روز کی راہ ہے۔ زادراہ ساتھ لیلو۔ راہ میں آزوقہ نہیں

غزنی سے بخارا تک مصائب سفر

ملیگا۔ مینے اپنے واسطے مغز بادام قریب دس سیر انگریزی کے ایک خورجین میں ساتھ بند ہوا لیئے۔ اور توکل بر خدا اُس ملک کے ہمراہ ہو لیا۔ راہ میں ہمکو کیسے ایسے جنگل اور ریگستان ملے کہ کابل میں کبھی اُنکا نام بھی نہ سُنا تھا۔ ان ریگستانوں میں گھوڑے بمشکل جان بر ہوتے تھے۔ کسی کسی روز تو روٹی پک جاتی تھی اور کسی کسی روز آہو شکار کرکے کباب بناکر کھا لیا کرتے تھے۔ کیونکہ آہو اُدھر بہت تھے۔ میں کوئی نصف پاؤ بادام کے مغز پانی میں بھگو کر چھلکا اوتار کر کھا لیتا۔ اور کباب آہو بھی کھاتا تھا۔ روٹی بہت کم کھاتا تھا۔ آخر اس قسم کی مصیبتیں جھیلتے ایک ماہ کے بعد سرحد بخارا میں پہونچے۔ اور یہاں ہمیں سب کچھ دستیاب ہونے لگا۔ بخارا میں پہنچکر مینے شاہ بخارا سے ملاقات کی۔ اُسنے مجھے ایک نفیس سرا میں فروکش کیا اور مجھے کہا کہ تمہارے ساتھ کچھ کام ہی ہے۔ ابھی آگے نہ جاؤ بلکہ ایک ماہ یہاں ٹھہرو۔ پھر ایک دن شہر سے باہر مجھے تنہا طلب کیا کہ تمسے باتیں کرنی ہیں مجھے رات کو ایک مخبر نے خبر دی تھی کہ شاہ بخارا کا ارادہ تمہیں امیر شیر علیخاں کے حوالہ کردینے کا ہے۔ کیونکہ اسکا بیٹا تورا خاں باپ سے منحرف ہوکر سرحد کابل میں چلا گیا ہے۔ اور آجکل ایبٹ آباد علاقہ ضلع ہزارہ میں موجود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں بھیجکر اپنے بیٹے کو منگالے۔ اپنا انتظام کرلو ورنہ شیر علی خاں تمہیں زندہ نہیں رکھیگا۔ وہ پھر پہلا اپنے بیٹے کو مار ڈالے گا۔ جسوقت امیر تمہیں بلائے تمنے تنہا نہ جانا۔ مینے اس بات کو گوش ہوش سے سُنا اور صبح میں بمعہ اپنے تمام سواروں کے جو قریب بیس کو مسلح جوان تھے امیر بخارا کے پاس گیا۔ جو شہر سے ایک منزل باہر خیمہ زن تھا۔ مینے خیمہ کے قریب تک اپنی آدمیوں کو لیجاکر سمجھا دیا کہ اگر مجھپر کسی نے ہاتھ ڈالا تو تمنے بھی یہیں مار کر ڈھیری ہوجانا۔ اور اگر ممکن ہوسکے تو مجھے

امیر بخارا سے مخلصی

چھوڑ الینا۔ امیر بخارا نے خیمہ سے باہر نظر ڈالی تو میرے سوار اور پیادے دیکھ لینے چاہئے کے بعد کہا کہ آپنے جو مجھ سے گفتگو کرنی تھی اب کیجیے۔ کیونکہ میں اب بخارا سے سمرقند کیطرف جاتا ہوں۔ امیر بخارا نے دیکھا کہ مینے حلیمہ نہیں کھایا اور میرے ہمراہی دلیر افغان ہیں جو قیامت برپا کر دینگے۔ اسلئے کہا برو خدا حافظ۔ میں وہاں سے روانہ ہو کر سبز شہر کو گیا سبز شہر میں پہنچکر اُس بابک کو کہ جسنے یہانتک ہمارا ساتھ دیا تھا رخصت کیا۔ اُس پیر مرد نے جاتے وقت مجھے دعا دی اور رخصت ہو گیا پھر میں سمرقند کو گیا۔ اور روسی گورنر سے ملاقات کی۔ اُسنے میری بے سروسامانی دیکھکر ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ رفتہ رفتہ میرے پاس چار ہزار کے قریب افغانوں کی جمعیت ہوگئی اور گذارہ مشکل ہونے لگا[۱]۔ اعظم خاں کا بیٹا سرور خاں محمد عیسیٰ خاں حاکم ترکستان۔ عزیز خاں شوہر بو جان (امیر صاحب کا بہنوئی) دنصیر خاں جرنیل بھی منجملہ اوروں کے میرے پاس پہنچگئے تھے آخر کار آدمیوں نے صلاح کی کہ ہمیں سخت مشقت کرکے شکم پُری کریں۔ کچھ تو وہیں کام کرنے لگے۔ کچھ شاہ بخارا کے پاس جاکر ملازم ہو گئے۔ چند سال وہاں گذری تھے کہ پھر قاضی قادر خاں نے مجھے وہاں سے نکلوا دیا۔ اور بہانہ یہ کیا کہ امیر شیر علیخاں آتا ہے۔ وہاں سے میں تاشقند میں گیا۔ وہاں چند روز ٹھہرا تھا کہ شاہ روس کا بھتیجا مع اپنی بیوی کے اُس علاقہ میں سیر کے لئے آیا۔ وہ میرے مکان میں مع اپنی بیگم کے میری ملاقات کو پہنچا۔ اسکی بیگم کو

روسی وظیفہ

[۱] ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ اسوقت گذارہ کی تنگی جاکر اعلیٰ حضرت صاحب کی جان محمد خاں خزانچی مرحوم اور پسر انہ خاں مرحوم کو جو دونوں غلام بچے تھے تاشقند میں فروخت کر دیا تھا اور بعد میں بھی وظیفہ پانیکے بعد انکی حالت اچھی ہوگئی تو انہیں واپس خرید لیا چنانچہ ایسی ہی جان نثاریوں کے صلہ میں کابل میں آکر امیر صاحب ان شخصوں کو دو دو تنخواہیں یعنی ایک عوض خدمت حال کی اور دوسری عوض خدمت سابقہ دیتے رہے ۱۲

مینے اپنے حرم سرائے میں بھیجا۔ میری بیگم جہاندار شاہ اوزبک کی لڑکی تھی جسکی
ایک کنیز کے بطن سے شہزادگان حبیب اللہ خاں و نصراللہ خاں پیدا ہوئے۔
میری بیگم نے روسی بیگم کی بہت خاطر و تواضع کی اور ان لوگوں کی سفارش
سے میرے وظیفہ میں تین ہزار روپیہ کا اضافہ ہوگیا۔ اسمیں سے میں ان لوگوں
کو بھی روپیہ دیا کرتا تھا جو افغانستان سے میرے پاس آگئے تھے پھر جب
اعظم خاں جاں بحق تسلیم ہوا تو اسکے بعض آدمی بھی بھاگ بھاگتے میرے
پاس پہونچگئے اور مجھے انکا بھی گذارہ کرنا پڑا۔ میں شکار میں اپنا وقت
گذارتا تھا اور جب موسم شکار کا نہ ہوتا تھا تو اپنی کوٹھی کے گرد کے باغ کو
ٹھیک کرایا کرتا تھا میں کرسی پر بیٹھ جاتا تھا اور آموبیل کو کہتا تھا کہ اسطرح
پانی دو اسطرح کاٹو اس طرح چھانٹو۔ بعض اوقات اپنے ہاتھ سے بھی مٹی درست
کیا کرتا تھا؛

"انہیں ایام میں وہی نصیرخاں جرنیل پانسو آدمیوں کا خط لیکر آپہونچا
کہ تم کابل کو لوٹ آؤ۔ لیکن مینے دیکھا کہ وہ سب ایک ہی دستخط کے لکھے ہوئے
ہیں۔ اسلیئے مینے اسپر اعتبار نہ کیا۔ آخر وہ بعد ایک سال کے خفا ہو کر چلاگیا۔ اور
امیر بخارا کے پاس ملازم ہوگیا"

یہ حالات تو امیر صاحب کے اپنی زبان سے بیان کیئے گئے منسوب ہوتے ہیں
اب میں اسبارہ میں ایک یورپین مورخ کی تحریر کو درج کرتا ہوں جو خالی از لطف
نہیں ہے۔ اور اسمیں سے زیادہ تر ایام جلاوطنی کے حالات کی صراحت
ہوتی ہے جس وقت امیر شیر علیخاں نے دوبارہ مسند کابل پر جلوس فرمایا تو
اپنے مصاحبوں سے کہا کہ میں ایک چوبی پیالہ ہوں اور عبدالرحمن ایک کاسہ
چینی ہے۔ میں چاہے سو بار زمین پر گروں مجھے کچھ آسیب نہیں پہونچیگا

اور وہ اگر ایکبار بھی زمین پر گرا تو ریزہ ریزہ ہو جائیگا۔ واقعی عبدالرحمن
کی حالت اُس وقت ایسی ردّی ہوگئی تھی کہ پھر اُسکے سرسبز ہونے کی کسکو امید
نہ تھی جسوقت وہ غزنی سے جان بچا کر بھاگا تو بہت سے مصائب اُٹھا کر خیوا
میں پہونچا۔ ان ایام خیوا کا حاکم سید محمد رحیم خاں تھا جو ۱۸۶۹ء میں خودمختار
تھا۔ یہہ وہ شخص ہے جسپر روسیوں نے الزام لگایا تھا کہ اسنے کنوئیں خراب
کر دیئے ہیں اور اُنمیں زہر ڈلوا دیا ہے۔ خیوا سے عبدالرحمن خاں بخارا کو گیا۔
امیر بخارا اُس وقت وہی مظفر الدین تھا لیکن اُسکی نیت میں فرق آگیا تھا
اور اس وقت وہ امیر شیر علیخاں کا معاون ہوگیا تھا۔ اسلیئے دسمبر ۱۸۶۹ء میں
عبدالرحمن خاں نے ایک خط جرنیل کافمین کے نام علاقہ روس میں بھیجا اُس
خط کا مضمون یہہ تھا۔

روس سے استمداد

"آپکو معلوم ہے کہ ہمارا ملک اب انگریزوں کی حفاظت میں ہے اسلیئے میں
اپنی امیدوں کا ملجائے وماوائے آپکو سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ آپکی سلطنت
اسقدر وسیع کہ اگر جرمنی۔ فرانس اور انگلستان کو باہم ملا یا جاوے تو بھی اُسکے
برابر نہیں ہو سکتیں جب میں مشہد میں تھا تو مینے سنا تھا کہ ایران بھی روس کا
تابع فرمان ہے۔ اسلیئے میں اسقدر دور و دراز جگہ سے اس واسطے آیا ہوں
کہ آپکا ظل عاطفت میسر ہو۔"

اس خط کا جواب بقول روسی مصنف ٹرنٹیف کے حسب ذیل مضمون کا
جرنیل کافمین کیطرف سے وصول ہوا۔

"موجودہ والی افغانستان کو انگریزوں نے جو ہمارے دوست ہیں
امیر افغانستان تسلیم کر لیا ہے اور تا وقتیکہ شیر علی سرحد بخارا پر شورش برپا کرے
ہم اُسے سلطنت روس کا دشمن تصور نہیں کر سکتے"

اِن خطوں کے بعد زبانی پیغام و سلام ہوتے رہے۔ آخر کار فروری ۱۸۷۰ء میں سردار عبدالرحمن خاں دو سو ہمراہیوں کے ساتھ جنمیں اُسکا چچا زاد بھائی اسحاق خاں بھی تھا سمرقند کو چلا گیا اور وہاں سے روسی ترکستان کے دارالخلافہ تاشقند میں روسی گورنر جنرل کی ملاقات کو گیا۔ ہنگام ملاقات عبدالرحمن خاں نے روسیوں کو کہا کہ آپ مجھے سات ضرب توپیں اور تین ہزار بندوقیں دیں تاکہ میں فوج بھرتی کرکے امیر شیر علیخاں پر حملہ کروں اور زور اس بات پر دیا کہ شیر علیخاں روسیوں کا ہرگز دوست نہیں ہے۔ اِسلیئے اُسکا کچھ لحاظ نہیں ہونا چاہیئے لیکن روسیوں نے اُسکی بات نہ مانی اور صرف اٹھارہ ہزار روبل جو ایک سے سکہ ہے اور اٹھارہ سو پونڈ کے قریب ہوتا ہے سالانہ وظیفہ مقرر کردیا۔ اِس رقم میں بعد ازاں اضافہ کردیا گیا تھا چنانچہ ۱۸۷۳ء میں عبدالرحمن کو مبلغ پچیس ہزار روبل یعنی دو ہزار پانچسو پچیس پونڈ دیئے گئے ۱۸۷۴ء میں چوبیس ہزار تین سو روبل یعنی دو ہزار چار سو ستر پونڈ اور ۱۸۷۸ء میں دو ہزار پانچسو پونڈ دیئے گئے۔

روسی وظیفہ میں اضافہ

۱۸۷۰ء مارچ ۱۸۷۰ء کو روسیوں نے امیر شیر علیخاں کے نام مفصلہ ذیل خط لکھا۔
"آپکو شاید معلوم ہوا ہوگا کہ آپکا بھتیجا ہمارے پاس تاشقند میں آکر مقیم ہوا ہے اور ہم نے اُسکے ساتھ مروت اور اخلاص سے برتاؤ کیا ہے لیکن یہ خط ہم آپکی خاطر اس لیئے لکھتے ہیں کہ آپکو کسی قسم کی بدگمانی نہ ہونی چاہیئے۔ ہماری سلطنت اور آپکے ملک میں فاصلہ بہت ہے۔ درمیان میں بخارا حائل ہے اسلیئے آپسے ہماری کبھی لڑائی مشتبہ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ہمارے دل میں آپکی طرف سے کچھ کدورت ہے۔ ہمکو آپسمیں صلح ہی رکھنی چاہیئے۔ ہم نے عبدالرحمن کو اِسلیئے پناہ دی ہے کہ ہمارے مذہب میں مہمان نوازی واجب ہے اور مصیبت زدہ کو ضرور پناہ دینی چاہیئے۔ اِس سے زیادہ اُسکو ہم سے کسی قسم کی توقع

نہیں رکھنی چاہیئے۔"

کفایت شعاری [illegible]

مسٹر سکلر سیاح امریکہ بیان کرتا ہے کہ "میں نے ۱۸۷۳ء میں عبدالرحمن خاں کو علاقہ روس میں دیکھا تھا۔ اُس وقت وہ نہایت کفایت شعاری سے زندگی بسر کرتا تھا اور بمشکل پانسو پونڈ سالانہ صرف کرتا تھا۔"

۱۸۷۶ء یا ۱۸۷۷ء میں پروفیسر اوج فلوی اور اُسکی بیوی کی ملاقات امیر عبدالرحمن خاں سے سمرقند میں ہوئی۔ یہ پروفیسر فرانس کا باشندہ تھا۔ پروفیسر مذکور کی بیوی بیان کرتی ہے کہ عبدالرحمن خاں قابل رحم حالت میں اوقات بسری کرتا تھا اور اُسنے دو معمولی تلواریں ہمارے پاس بڑی گراں قیمت کو فروخت کیں۔

اور وظیفہ [illegible] کی آرزو

جنرل سکوبلیف بیان کرتا ہے کہ ۱۸۷۸ء کے موسم بہار میں عبدالرحمن خاں نے مجھے کہا کہ تم میری سفارش جنرل باموف گورنر زرفشاں کے پاس کرو کہ مجھے شیر علیخاں کے مقابلہ میں مدد دی جاوے اور میرا وظیفہ چھ ہزار پونڈ کر دیا جاوے تاکہ میں جی کھول کر شیر علیخاں کے ساتھ نبرد آزمائی کروں۔ اور ایک دفعہ دل کی حسرت نکال لوں۔ جنرل موصوف نے کہا بہت بہتر میں سفارش کرونگا۔ مگر مجھے امید نہیں کہ کچھ فائدہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور عبدالرحمن خاں خون جگر پیکر خاموش ہو رہا۔ بیچارہ اُس وقت گردش زمانہ کا شکار ہو رہا تھا۔ خاموش نہ ہوتا تو اور کیا کرتا۔ وہ ہی مثل "قہر درویش بر جان درویش" کی اسپر صادق آتی ہے۔

لہ اسی زمانہ کی ایک خبر یہ بھی امیر صاحب سے منسوب کیجاتی ہے کہ جس وقت میں سلطنت ٹرکی روم و روس میں جنگ جاری تھی گورنر جنرل روس نے عبدالرحمن خاں کو کہا کہ اگر تم فوج ہمراہ لیکر ترکوں پر حملہ کرو تو ہم بہت سی فوج ہمراہ کر دیتے ہیں۔ عبدالرحمن خاں نے جواب دیا کہ ترکوں پر جو مسلمان اور میرے ہم مذہب ہیں میں ہرگز فوج کشی نہیں کرونگا انکے علاوہ اور جس عیسائی سلطنت آسٹریا جرمنی۔ فرانس انگلینڈ وغیرہ سے کہدیں لڑنے کو آمادہ ہوں۔ ۱۲

عبد الرحمٰن خاں کا بھائی اسحاق خاں اسکے پاس ہی رہتا تھا۔ مگر اسکا دماغ بہت کمزور تھا اور عقل بہت کم تھی۔ سادہ لوح سا آدمی تھا۔ اور سمرقند کی گلیوں میں لڑکے اسکے پیچھے تالیاں بجایا کرتے تھے اور "سادہ لوح خان" کہتے تھے۔

کابل لینے کا کبھی نہ بھولا

اگرچہ عبد الرحمٰن خاں روسیوں کا وظیفہ خوار تھا مگر ابھی تک اسکی امیدیں خاک میں نہیں ملگئیں تھیں اور وہ حتی المقدور کابل لینے کے لیئے ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ ۱۸۷۵ء میں اسکا ایک معتمد کابل میں شیر علیخاں کے ہاتھ آگیا۔ شیر علیخاں نے اسکو طرح طرح کا عذاب دیا۔ آخر کار اُسنے اقبال کر دیا اور کہا کہ عبد الرحمٰن کی چند افغان سرداروں سے خط و کتابت ہے۔ اور مجھے اُسنے ایک خط عظیم الدین کے نام دیا ہے۔ عبد الرحمٰن کے خط کا مضمون جو اس شخص کے پاس سے برآمد ہوا تھا یہہ ہے:۔

"چونکہ مجھے اطلاع ہوئی ہے کہ تم کو مجھ سے محبت اور دوستی ہے اسلیئے میں یہ خط تمہارے نام بھیجتا ہوں۔ اگر تم دین اسلام کی اشاعت چاہتے ہو تو بہادر بنو اور علانیہ اپنے دوستوں کو لیکر مجھ سے آملو۔ دنیا چند روزہ ہے اور ہمیشہ ایک طرح پر نہیں رہتی۔ شیر علیخاں تو انگریزوں کا ہمنوا رہے اور عنقریب تمہیں اور مسلمانوں کو خاک سیاہ کر دیگا۔ اگر اس وقت کوشش نہ کروگے تو پیچھے خدا کو کیا مُنہ دکھاؤگے۔ تمہیں چاہیئے کہ جوش و خروش سے کوشش کرو تاکہ دنیا اور عاقبت دونوں سنور جائیں۔ شیر علی کی ملازمت میں تمہیں کچھ حصول نہیں ہوگا۔ اگر تم چند دن کے لیئے میری خدمت کرو تو دنیا میں مرتبہ اعلےٰ پاؤگے اور عاقبت میں خلد بریں تمہیں ملیگا۔"

یہہ خط دیکھکر شیر علی نے فوراً ایک خط معرفت نائب عالم خاں حاکم بلخ روسی گورنر جنرل کے نام تحریر کیا۔ اس خط کا مضمون یہہ ہے:۔

"اگرچہ سردار عبد الرحمٰن ہماری قلمرو سے دور ہے مگر وہ اس بات کے درپے ہے کہ

امیر شیر علیخاں کی خفگی۔

تمہاری ہماری دوستی میں فرق آئے اور ہماری سلطنت کے امن میں خلل عظیم واقع ہو۔ اُسنے ایک خط نہایت نامناسب الفاظ میں ہمارے سردار عظیم الدین خاں کے نام لکھا جو ہم بجنسہ آپکے لاحظہ کے لیئے ابلاغ کرتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم اس بات کا قرار واقعی انتظام کروگے تاکہ آئندہ عبدالرحمٰن ایسے خطوط نہ لکھنے پاوے تو جانبین میں سلسلۂ اتحاد قائم رہے اور دونوں سلطنتوں کے امن میں خلل واقع نہ ہوئے۔

حاکم بلخ نے روسیوں کو یہہ بھی صلاح دی کہ آپ عبدالرحمٰن کو یورپ بھیجدیں تاکہ تمام فتنہ وشر مٹ جاوے۔ پہلے تو روسیوں کی یہہ صلاح ہوئی کہ اوسے یورپ کو بھیجدیں لیکن بعد میں یہہ صلاح ملتوی ہوگئی اور عبدالرحمٰن سمرقند میں مقیم رہا۔ بہرحال روسی وزیر اعظم نے جنوری ۱۸۷۰ء میں لارڈ آگسٹس لافٹس کو اطلاع دی کہ ہمنے عبدالرحمٰن خان کو قرار واقعی فہمایش کردی ہے کہ شیر علی کے برخلاف آئندہ کسی قسم کی سازش نہ کرے اور اگر ہماری بات اُسے منظور نہیں ہے تو سمرقند سے رخصت ہوجائے اور اب اگر اُسنے اِس حکم امتناعی کی عدولی کی تو فوراً یہاں سے نکالدیا جاویگا۔ غرض عبدالرحمٰن خاں نے صبر وشکر کرکے دس سال جلاوطنی میں کانٹوں پر لوٹ کر گذارے۔ جس وقت وہ پہلے سمرقند میں گیا اُس وقت اُسکی عمر چھبیس سال کی تہی اور وہ خدا کی درگاہ سے کسی وقت ناامید نہ ہوتا تہا۔ تعجب کی بات ہے کہ وسط ایشیا میں جتنے نامور شخص ہوئے ہیں اُنہوں نے کم وبیش اسی عمر میں عروج پکڑنا شروع کیا ہے۔ مثلاً نادرشاہ چالیس سال کی عمر تک محض قزاق تہا۔ سلطان بابر چالیس برس کی عمر میں دربدر بہٹکتا پہرتا تہا۔ امیر تیمور چھتیس سال کی عمر میں دشمنوں کے نرغہ میں تھا۔ چنگیز خاں نے چوالیس سال کی عمر میں عروج پکڑنا شروع کیا۔

تہوڑی دیر کے لیئے ہم امیر عبدالرحمٰن خاں کو اسکی روسی جلاوطنی کے آخری زمانہ میں

امیر شیر علی خان کی ملاقات وائسرائے ہند سے بمقام انبالہ

امیر شیر علیخاں کا انبالہ میں وائسرائے سے ملنا

چہوڑکر امیر شیر علیخاں کیطرف متوجہ ہوتا ہوں۔ سنہ ۱۸۶۹ع میں امیر شیر علیخاں گورنر
جنرل کی ملاقات کے لیئے انبالہ میں پہونچا کہ جہاں وائسرائے سے ملاقات کرکے واپس آ
گیا۔ سردار اسمعیلخاں کو معہ دیگر دو برادران صالح خاں وغیرہ کے لاہور بہیجا اور بیٹا
فتح محمد خاں پسر وزیر اکبر خاں کو حاکم ہرات کرکے بہیجدیا اور سردار جلال الدین خاں
جو دس ہزار طلا بیگ شندایوں میں فوج جمع کرکے ہرات پر بلوہ کرنیکو گیا تھا۔ اور
وہاں سے شکست کہاکر راولپنڈی آگیا تہا وہ بہی ہندوستان میں پناہ گزین
ہوگیا۔ امیر شیر علیخاں اپنے ولیعہد عبد اللہ خاں کو انبالہ ہمراہ لایا تہا۔ امیر سے سردار
یعقوب خاں کو ناراضگی پیدا ہوئی وہ چار ہزار سوار کے ہمراہ کابل سے بہاگ کر قندہار
کو چلا گیا۔ اور وہاں جب کسی نے نہ گہسنے دیا تو ہرات گیا۔ ہرات پر لڑائی ہوئی

سردار یعقوب خاں کا باغی ہو کر ہرات پر قابض ہونا

جہاں سردار فتح محمد خاں برادر سردار جلال الدین خاں پسر وزیر علی اکبر خاں اور
اُسکا بیٹا دونوں مارے گئے۔ سردار یعقوب خاں حاکم ہرات ہوگیا۔ امیر شیر علیخاں نے
عصمت اللہ خاں غلزئی و میر آخور احمد خاں کو ہرات بہیجکر یعقوب خاں سے قسم وفاداری
حاصل کی۔ مگر جب وہ کابل آیا تو امیر شیر علیخاں نے اُسے قید کرلیا۔ قاضی قادر خاں
ساکن پشاور جو کسی مقدمہ میں انگریزی عملداری میں سزا پانے لگا تہا بہاگ کر کابل پہنچا
اور امیر شیر علیخاں کا وزیر جا بنا۔ جب امیر کچہہ رائے دریافت کرتا تو وہ روس سے
دوستی کی صلاح دیتا اور انگریزوں کی نسبت کہتا کہ بڑے بیوفا ہیں۔ آخر روس
سے دوستی پیدا ہوگئی۔ اسی اثنا میں عبد اللہ جان ولیعہد مرگیا تو روس کا ایک
جرنیل ماتم پرسی کو آیا اور انگریزوں کا سفیر بہی گیا جو علی مسجد سے واپس بہیجا گیا
کیونکہ فیض محمد خاں غلزئی جو سردار جلال الدین خاں کا خسر ہے اور آجکل
سوات میں رہتا ہے اُسنے حکم امیر سے انہیں آگے نہ گذرنے دیا۔ اسی اثنا میں امیر

۱؎ سردار حسین خاں کی اقامت آجکل گوجرانوالہ میں ہے اور بڑے قابل ہوشمند اور نیک نیت شریف ہیں جو افغانستان
کا اچھا نمونہ ہیں۔

شیر علیخاں کو ایسی پریشانی لاحق ہوئی کہ اپنے بیٹے سردار یعقوب خاں کو حاکم کابل کر کے خود ترکستان کو بھاگ گیا۔ جہاں پہنچکر اسنے نمائندوں کو سمرقند روس کیطرف بھیجا کہ میں خود گفتگو کرنے کو سمرقند آتا ہوں اگر مجھے مدد دو تو انگریزوں سے جنگ کیجاوے۔ وہاں سے روس نے سردار عبدالرحمن خاں کو نکالکر تاشقند میں بھیجدیا۔ اسکے اثنا میں امیر شیر علیخاں مزار شریف میں فوت ہوگیا۔ اس سمرقند سے نکالے جانے کے عوض میں جب امیر عبدالرحمن خاں راولپنڈی کے دربار میں آئے تھے تو انہوں نے سب بارک زئیوں کو پشاور اور راولپنڈی سے نکلوا دیا تھا۔ چنانچہ سنا ہے کہ اب بھی جب کبھی امیر صاحب اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں "ما کر رفتیم" بر گرفتیم

امیر شیر علیخاں کا انگریزوں سے بگاڑ اور سمرقند کو جانا

پہلے تو جب سنہ ۱۸۷۱ء میں سردار یعقوب خاں کی اپنے باپ امیر شیر علیخاں سے ان بن ہوگئی تو عبدالرحمن خاں نے اس کھلبلی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ پھر جب امیر شیر علیخاں اور سرکار انگریزی کے تعلقات بگڑ گئے تو امیر عبدالرحمن کا کام ہی بن گیا۔ امیر عبدالرحمن کی جلاوطنی میں مفصلہ ذیل مشہور واقعات پیش آئے کہ جن سے کم و بیش اسکو فائدہ پہونچا۔

سنہ ۱۸۷۰ء میں روسیوں نے بحیرہ خضر کے کنارہ پر سر اٹھایا اور ترکمانوں کو زیر کیا سنہ ۱۸۷۲ء میں روسیوں نے امیر یعقوب بیگ حاکم کاشغر سے عہدنامہ کیا اور مشرقی ترکستان کو خود مختار تسلیم کیا۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں روسیوں اور انگریزوں نے افغانستان کی شمالی حد بندی کی۔ پھر اسی سال روسیوں نے خیوا پر قبضہ کر لیا۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں روسیوں نے الحاق خوقند یا فرغانہ کیا۔ سنہ ۱۸۷۷ء میں امیر یعقوب بیگ کو زہر دیدیا گیا۔ اور اسکا ملک چین کے تصرف میں آیا۔ سنہ ۱۸۷۸ء میں روسیوں اور انگریزوں کے درمیان چالچی سی ہونے لگی۔ مگر عہدنامہ برلن سے یہ فتنہ فرو ہوا۔ فروری سنہ ۱۸۷۹ء میں امیر شیر علیخاں فوت ہوگیا۔

باب ۔ ۱

مراجعت

جس وقت امیر شیر علیخاں کی وفات کی خبر ۱۸۷۹ء میں سردار عبدالرحمٰن خاں کو پہنچی تو اُسنے کابل جانیکے لیئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن روسیوں نے اُسکی امیدوں پر آب سرد ڈالدیا اور یہہ خشک جواب دیا کہ تم مختار ہو جہاں مرضی ہو چلے جاؤ۔ لیکن پھر دوبارہ تمکو یہاں پناہ نہیں ملیگی۔ اگر تمہیں کامیابی نہ ہوئی تو پھر یہاں نہ آنا۔ اس جواب سے سردار عبدالرحمٰن خاں کا دل شکستہ ہوگیا۔ اور وہ روسی علاقہ ہی میں مقیم رہا۔ اُدھر امیر یعقوب خاں پسر شیر علیخاں انگریزوں سے نہایت محبت سے پیش آرہا تھا اور سفارت انگریزی کے استقبال کے لیئے تیاریاں کر رہا تھا۔ سینٹ پیٹرسبرگ میں یہہ افواہ تھی کہ وزیر اعظم انگلستان لارڈ بیکنزفیلڈ کی پالیسی کو بہت کامیابی ہوئی ہے۔ اور افغانستان کو با علاقہ انگریزی سمجھنا چاہیئے مگر یہہ افواہ نری افواہ ہی نکلی۔ ۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو افغانوں نے نہایت سفاکی کے ساتھ انگریزی سفیر سر لوئس کیگنری اور اُسکے ہمراہیوں کو تہ تیغ کیا[1]۔ اور تمام مال و اسباب

---

[1] سر لوئس کیگنری انگریزی سفیر کہ جسکے ہمراہ ایک یورپین ڈاکٹر ایک اسسٹنٹ اور کچھہ سپاہی رسالہ گارڈ کے تھے۔ قلعہ بالا حصار میں مقیم تھا۔ کچھہ عرصہ کے بعد ایک پلٹن چند دنوں کی تنخواہ لینے آئی جسکا ایک کرنیل شیعہ تھا۔ یعقوب خاں نے کہا ایک ماہ کی تنخواہ دیجاویگی۔ اُنہوں نے دو ماہ کی مانگی۔ یعقوب خاں نے فوج کو بالا حصار کو بھیجا کہ سفیر انگریزی سے مانگو۔ جب فوج قلعہ کو گئی۔ تو سفارت نے ڈر کر بندوقیں چلائیں جس سے تمام بلوہ ہو کر لوگ جمع ہوگئے اور بار بار کے حملوں سے گو بہت سے پٹھان کام آئے مگر سفارت کا ایک آدمی زندہ نہ بچا۔ اس پر سرکار انگریزیہ نے برافروختہ ہو کر کابل سے جنگ شروع کی۔ امیر محمد یعقوب خاں نے کہا کہ میں بے قصور ہوں فوج بگڑ گئی تھی۔ مگر انگریزوں نے اُسے قید کر کے ہندوستان کو بھیجدیا۔ اور صدہا آدمی پھانسی دیئے گئے قلعہ بالا حصار اوڑا دیا گیا۔ فوج انگریزی شیرپور میں جو امیر شیر علیخاں نے چھاونی بنائی تھی جا کر مقیم ہوگئی۔ سلطنت حکومت انگریزی تیس کوس کابل سے آگے نہ بڑھی۔ کوہستان میدان وردک ہندوکش وغیرہ مقامات اُنسے باغی رہے اور چہرکا ۔ سے آگے اُنکی حکومت کی رسائی نہ

سمرقند سے روانہ ہوا تو اُسکے ساتھ صرف ایک سو ہمراہی تھے جلاوطنوں نے راہ راست اختیار نہ کیا بلکہ اور اُلٹا حصار اور قطغان کی رستہ کابل کو روانہ ہوئی ۱۸۸۰ء میں انگریزوں کو خبر پہنچی کہ عبدالرحمن خان دریا عبور کر کے علاقہ غوربند پر قابض ہو گیا ہی اور سلطان مراد خان حاکم قندز اُس سے ملگیا ہے رفتہ رفتہ تمام سردار عبدالرحمن کے جھنڈے کے تلے جمع ہونے لگے۔ بدخشاں کے تمام امیر بجز شہزادہ حسن کے اُسکی حمایت پر کھڑے ہو گئے اور ترکستان کا حاکم غلام حیدر خان بخارا کیطرف فرار ہو گیا۔

گورنمنٹ انگریزی نے امیر عبدالرحمن خان کو سلطنت پیش کرنا چاہی ۔ ۔

۱۴ مارچ ۱۸۸۰ء کو لارڈ لٹن گورنر جنرل ہند نے وزیر ہند کو انگلستان میں تار دیا کہ عبدالرحمن خان کو جو جائز وارث امیر دوست محمد خان کا ہے والی کابل بنانا چاہئے اور اُس سے بہتر کوئی شخص حکومت کابل کے لائق نظر نہیں آتا۔ اسکے بعد وائسرائے نے چاہا کہ ایک ڈیپوٹیشن سرداروں کا عبدالرحمن کے پاس جائے اور اُسکو کہے کہ آ کر تخت سنبھالو۔ لارڈ لٹن کا یہہ منشا تھا کہ جنوبی افغانستان میں ایک شخص بارکزئی کو جسکا نام شیر علی تھا حاکم بنانا چاہئے یعنی کابل اور بلخ کی حکومت عبدالرحمن کو ملے اور قندھار اور ہرات کے بارکزئی سردار شیر علی کو۔ مگر یہہ ارادہ پورا نہ ہوا چنانچہ یکم اپریل ۱۸۸۰ء کو سر لیپل گریفن نے ایک خط بدین مضمون عبدالرحمن کے پاس بھیجا

"اب یہہ ہر ایک کو معلوم ہو گیا ہے کہ آپ افغانستان میں تشریف لے آئے ہیں اسلئے خفیہ قاصد کے ہاتھ یہہ خط آپکو بھیجا جاتا ہے تاکہ آپ ہمیں اپنے مافی الضمیر اور ارادہ سے آگاہ کریں"

یہہ قاصد ۲۱ اپریل کو واپس آیا اور کہنے لگا کہ امیر عبدالرحمن میرے ساتھ نہایت مہربانی اور گرمجوشی سے پیش آیا ہے اور چار دن تک اُسنے بڑے تکلف سے میری مہمانی کی ہے مگر اُسنے یہہ جواب دیا ہے کہ میں بارہ سال تک روسیوں کا مہمان رہا ہوں اور اُنکا نمک کھایا ہے۔ اسلئے میں ہرگز ایسی شرائط نہیں کرونگا جس سے میں

نمکحرام سمجہا جاؤں اور لوگ مجھے بدنام کریں اور ناشکرا سمجہیں۔ البتہ میری یہہ تمنا ہے کہ میں دونوں طاقتوں سے صلح اور آشتی رکھوں۔ لیکن زیادہ تر انگریزوں سے میل جول رکھونگا۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ انگریز مجھے ایران کیطرح خودمختار بنا کر مدد کرینگے۔ اُس قاصد نے یہہ بہی کہا کہ عبدالرحمن خاں مقام چہرکار یا چاریکار پر پانچسو آدمیوں کی جمعیت سے شریک مشورہ ہونے کو تیار ہے۔

۳۰- اپریل کو سر لیپل گریفن نے ایک خط عبدالرحمن کیطرف تاکیدی لکھا ہے کہ جلدی آکر کابل پہنچو۔ سر لیپل گریفن کے ۱۶ اپریل کے خط کے جواب میں ۱۶ مئی کو امیر صاحب نے یہہ خط بھیجا۔

"مُشفق من مجھے انگریزوں سے بڑی امیدیں تہیں اور اب بہی ہیں اور میں خوش ہوں کہ میری امیدیں بر آئی ہیں لیکن تم افغانوں کی طبیعت سے واقف نہیں ہو۔ یہ ایک آدمی کی بات بہت کم مانتے ہیں۔ تاوقتیکہ اُنکو یقین نہ ہو جائے کہ میں انکے بہلے کی کہتا ہوں میں خدا کے فضل سے اس بات کا امیدوار ہوں کہ یہ لوگ ملکر آپکی خدمت کریں۔ اگرچہ گورنمنٹ انگلشیہ انکی خدمت کی محتاج نہیں ہے تاہم یہہ دنیا ایسی ہے کہ اسمیں بڑھوں چھوٹوں کی ضرورت پڑسکتی ہے"۔

امیر صاحب نے ظاہرا کس تاں سلطنت کو قبول کیا۔

اسکے بعد عبدالرحمن خاں نے سر لیپل گریفن کو لکھا کہ فیصلہ مفصلہ ذیل امور پر اپنے سرداروں کے ساتھ بحث کرنا ہے اور جب آپکا جواب انکی نسبت ہمیں پہونچ جائیگا اُس وقت ہم کابل کیطرف روانہ ہونگے اور وہ امور یہہ ہیں۔

---

۱ امیر صاحب نے اس خط کے بہت مدت بعد اپنے حالات زندگی بیان کرنے میں بتایا ہے کہ مندرجہ بالا امر کے لیے میرے پاس سردار محمد ابراہیم خاں۔ نواب محمد افضل خاں اور ڈاکٹر عبدالرحمن کشمیری لائے تھے جب میں پنجشیر سے گذر کر چہرکار پہنچا جو کابل سے قریب بست کروہ کے تو قریب تین لاکھ عازیوں نے آگے بڑھکر مجھے سلام کیا اور خدا کا شکر کرکے کہا کہ شکر ہے تو ہمارا سردار پیدا ہوگیا ہے ورنہ ہم بلا سر کے کیا کرسکتے تہے۔ اور سب نے میرے حق میں دعائے خیر کی اور انگریزوں سے لڑنے کا وعدہ کیا۔ میں نے انکو سمجہایا کہ جنگ کرنیکی حاجت نہیں جبکہ انگریزوں نے خود مجھے طلب کیا ہے کہ کابل میرے سپرد کردینگے۔ ۱۲

(۱) کیا قندھار میری قلمرو میں شامل ہوگا۔ یا اس سے باہر اور میری قلمرو کے حدود کیا ہونگے۔

(۲) کونسا یورپین سفیر یا کسقدر انگریزی فوج افغانستان میں رہیگی؟

(۳) انگریز کونسے دشمن کو پسپا کرنا چاہتے ہیں؟

(۴) کون سے فوائد انگریز مجھے اور میرے اہل وطن کو پہنچانے چاہتے ہیں؟

یہہ سوال اس قسم کے تھے کہ انسے لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوئے کوئی تو یہہ کہتا تھا کہ عبدالرحمن دم دلاسے دے رہا ہے۔ کوئی یہہ کہتا تھا کہ وہ اپنے اہل وطن کو انگریزوں کیطرف سے منغض اور برگشتہ کر رہا ہے کوئی کہتا تھا کہ وہ محمد جان سے خط و کتابت کر رہا ہے جو انگریزوں کا دشمن ہے۔ اور سا انگریزوں پہ حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے بعض جاہلوں نے جنرل رابرٹس کو الزام دینے شروع کیئے کہ انہوں نے ناحق امیر یعقوب خاں[1] کو نظربند کر کے ہندوستان روانہ کیا۔ اب عبدالرحمن تخت ہوگیا ہے۔ اگر یعقوب خاں وہاں رہتا تو

[1] امیر شیر علیخاں کی چار بیویاں تھیں جن سے انہیں حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔
پہلی بیوی کے سردار محمد علیخاں اور سردار محمد ابراہیم خاں (کہ جسکو چاڑا یعنی گونگا کہتے تھی) پیدا ہوئے دوسری بیوی سے سردار محمد یعقوب خاں سردار محمد ایوب خاں تولد ہوئے تیسری بیوی کے سردار عبداللہ خاں ولیعہد تہا تولد ہوا۔ اور چوتھی بیوی سے سردار عبدالرحمن خاں پیدا ہوا۔
سابق امیر محمد یعقوب خاں صاحب جو ڈیرہ دون میں مقیم ہیں سرکار انگریزی کیطرف سے پانچہزار روپیہ ماہوار وظیفہ پاتے ہیں اور ملازموں کی تنخواہ اسکے علاوہ ہے اور سردار محمد ایوب خاں صاحب جو راولپنڈی میں مقیم ہیں انہیں پنتالیس ہزار روپیہ ماہوار گورنمنٹ ہند کی طرف سے اپنے اور اپنے مصاحبین و ملازمین کے لیئے ملتا ہے۔ جو سردار صاحب کی دلاوری اور میدان مصاف میں جوہر دکھلانے کا نتیجہ ہے سردار محمد ابراہیم خانصاحب حسن ابدال میں مقیم ہیں اور انہیں دو ہزار روپیہ ماہوار سرکار کی طرف سے ملتا ہے اسکے علاوہ انہیں چار ہزار روپیہ امیر عبدالرحمن خاں صاحب عطا فرماتے ہیں۔ سردار محمد ہاشم خاں خلف سردار محمد شریف خاں حقیقی برادر زادہ امیر شیر علیخاں جو اب کراچی میں مقیم ہیں ایک شجاع خوش طبع اور سخی سردار ہیں۔ انکے بھائی سردار محمد یعقوب خاں سردار محمد طاہر خاں سردار محمد اسحاق خاں سردار محمد شریف خاں بھی انکے ہمراہ ہیں انہیں علاوہ وظائف ملازمین کے سات ہزار روپیہ ماہوار سرکار انگریزی سے ملتا ہے۔ محبوب عالم

عبدالرحمن کو اسقدر جسارت نہ ہوتی۔

اِس اثنا میں مارکوئیس آف رپن گورنر جنرل کشور ہند مقرر ہوئے یہہ آزاد خیالات کے آدمی تھے اور جنگ و جدل کو پسند نہیں کرتے تھے اسواسطے اُنہوں نے یہہ چاہا کہ جہانتک ہوسکے کابل میں جلد امن ہوجانا چاہئیے۔ مگر امیر عبدالرحمن خان جو پایدار دست آیندہ پر کاربند تہا وہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے کارروائی کرتا تہا۔ اور حتی المقدور تعجیل سے کوسوں بہاگتا تہا۔ آخرکار اُسکی تاخیر سے تنگ آکر سر لیپل گریفن اور سر ڈونلڈ سٹیوارٹ دونوں عبدالرحمن کی صداقت پر شبہہ کرنے لگے۔ اور وزیر جنگ مارکیس نے جنرل مذکور کے پاس یہہ رائے ظاہر کی کہ عبدالرحمن ہمکو دہوکے دے رہا ہے اُسکے قول و فعل پر اعتبار کرنا سخت غلطی ہے۔ آخر امیر نے سب کو حیران کردیا اور ۲۰ جولائی ۱۸۸۰ء کو ہندوکش عبور کرکے علاقہ کوہستان میں آگیا اور انگریزوں نے فوراً دربار منعقد کرکے تین سرکردہ کان جرنیل کرنل غلام محمد امین خان اور ریذیڈنٹ صاحب کی موجودگی میں عبدالرحمن خان کو امیر کابل تسلیم کرلیا۔ سر لیپل گریفن نے جو اس وقت سپیچ کی اُسکا مطلب یہہ ہے۔

آخرکار عبدالرحمن خان امیر کابل تسلیم ہوگئے

"صورت موقعات ایسی ہے کہ سردار عبدالرحمن نے سرکار انگلشیہ کی امیدوں اور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی خواہشوں کو اسطرح پورا کیا ہے کہ ہم علانیہ عبدالرحمن خان کو جو امیر کبیر دوست محمد خان کا پوتا ہے امیر کابل تسلیم کرتے ہیں گورنمنٹ انگلشیہ کو یہہ بات تہوڑی اطمینان بخش نہیں ہے کہ سرداران افغانستان نے بارکزئی خاندان کے ایسے سردار کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا ہے جو مشہور بہادر۔ دانا اور تجربہ کار شخص ہے اُسکے ارادے ہماری دوستی پر مبنی ہیں اور جبتک اُسکے خیالات ایسے پاکیزہ رہینگے سرکار انگلشیہ ہمیشہ اُسکی معاون اور مددگار رہیگی۔ اور ہمیں امید ہے کہ وہ اُن سرداروں سے کہ جنہوں نے ہماری خدمت کی ہے اچھی طرح سے پیش

آئینگے۔ جنرل مکگریگر اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہی اور مسٹر ہنسمین اسکی تائید کرتا ہے کہ جملہ سردار جو اُس وقت موجود تھے کبیدہ خاطر نظر آتے تھے۔ اور کسی کے چہرہ سے خوشی کے آثار نمودار نہ تھے۔ جب سرلیپل گریفن تقریر کر چکے تو کسی نے ہاں یا ناں کی گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ فکر کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چاہتے اُنکے دل میں اُس وقت کچھ ہی گذرتی ہو بہر نہج سرلیپل گریفن نے اِس رسم کو پورا کیا اور دوسرے دن مسجد میں خطبہ امیر عبدالرحمن خاں کے نام پر پڑھا گیا۔

میوند کا حادثہ

اِس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد میوند کے حادثہ کی خبر آئی اور سر فریڈرک رابرٹس جو اب لارڈ رابرٹس ہیں قندھار میں باغیوں کی سرکوبی کے لیئے فوج لیکر روانہ ہوئے اور ۳۰ جولائی کو پولیٹیکل ایجنٹ اور امیر عبدالرحمن کے درمیان ایک کانفرنس ہوئی۔ امیر عبدالرحمن خاں دربار کے خیمہ میں پا پیادہ آیا تھا۔ ایک شخص اسکے سر پر ایک بڑا بھاری سُرخ چھاتا لگائے ہوئے تھا۔ اور ایک پیادہ پیچھے پیچھے سفید گھوڑا لیئے آتا تھا جسکا سازوسامان نہایت بیش قیمت تھا۔ مسٹر ہنسمین بیان کرتا ہے کہ امیر عبدالرحمن صورت سے نہ تو جوان اور نہ بوڑھا معلوم ہوتا تھا۔ اُسکے اعضا بڑے لمبے اور مضبوط تھے مگر کسی طرح غیر موزون یا جسیم نہ تھے۔ اسکے چہرہ سے ایسے آثار نمودار تھے کہ گویا وہ زمانہ کی سختی اور نرمی دونوں سے واقف ہی۔ مگر بحالت مجموعی وہ خوش خلق اور خوش مزاج معلوم ہوتا تھا۔ اُسنے اُس وقت نیلگون رنگ کا فراک کوٹ پہنا ہوا تہا۔ پاؤں میں اس قسم کے بوٹ تھے جو عموماً سواری کے وقت کام آتے ہیں اور سر پر استرخانی کلاہ تھی۔ اِس وقت سوائے شمشیر کے اور کوئی ہتھیار اُسکے پاس موجود نہ تہا۔

ہنگام گفتگو امیر عبدالرحمن نے میوند کے حادثہ کی نسبت افسوس اظہار کیا۔ اور کہا مجھے آجکل روپیہ کی بہت ضرورت ہی سرکار انگریزی کو چاہیئے کہ میری امداد فیاضی سے کرے

تاکہ میری ضرورتیں رفع ہو جائیں مگر وہ ہی حالت نہ ہو جو اُس شخص کی ہوئی تھی کہ جو کچھ کپڑا لیکر ایک درزی کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے ایک کوٹ بنا دو۔ مگر درزی نے کہا کہ صرف کوٹ ہی یا پاجامہ بھی؟ اُس شخص نے کہا ہاں پاجامہ بھی۔ پھر درزی نے پوچھا۔ اسکٹ بھی؟ اُس شخص نے کہا نہیں چہ بہتر؟ پھر درزی نے پوچھا کتنے ہاتھ ایک قمیض بھی؟ اُس شخص نے کہا سبحان اللہ قمیض ہو جائے تو پھر کیا چاہیئے! آخر درزی نے سب چیزیں اُسی کپڑے میں سے تیار کر دیں۔ مگر اُس شخص کے کام کی ایک بھی نہ تھی۔ سب ایسی چھوٹی تھیں کہ اُسکے بدن پر ٹھیک نہیں آسکتی تھیں۔ میری مثال اُس درزی کی طرح ہے میں آپکے سب احکام بجالانیکو تیار ہوں مگر مجھے اسقدر وسعت حاصل ہونی چاہیئے کہ سب کو خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے سکوں۔ پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تمسے شرمندہ ہونا پڑے اور جو کام کئے جائیں وہ اُن سلے ہوئے کپڑوں کیطرح تمہاری پسند نہ آئیں۔

امیر عبدالرحمن نے اِس رقم پر صرف روپیہ ہی نہیں مانگا بلکہ یہ بھی کہا کہ مجھے نواب گورنر جنرل ہند کیطرف سے ایک نوشتہ بھی ملنا چاہیئے جو اپنے سرداروں کو دکھاؤں تاکہ انہیں میری بات کا یقین آجائے۔

چند دن کے بعد امیر عبدالرحمن کی اِس خواہش کی پوری تعمیل ہوگئی۔ اور ایک مراسلہ حضور گورنر جنرل کیطرف سے اُنکے پاس پہونچ گیا جسمیں امیر عبدالرحمن کو والی کابل تسلیم کیا گیا تھا اور اُنسے وعدہ کیا گیا تھا کہ چونکہ سوائے انگریزوں کے اور کوئی تمہارا معاون نہیں ہے۔ اسلیئے وہ وقت پر تمہاری امداد کو تیار ہیں اور وہ فی الحال تمہارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے صرف ایک مسلمان ایجنٹ کابل میں سرکار انگلشیہ کیطرف سے متعین رہیگا۔

اسکے بعد یکم اگست سنہ ۱۸۸۰ء کو ایک دربار منعقد ہوا۔ اور چند دن اُسکے

حسن طلب

بعد انگریز وہاں سے ہندوستان کی طرف رخصت ہو کر چلے گئے انگریزوں نے
چھ لاکھ پچیس ہزار روپیہ نقد امیر صاحب کو دیا اور ماہ ستمبر میں مبلغ پانچ لاکھ نقد دیئے
قطع نظر اسکے نہیں معلوم کہ آپ ہی دیگئیں۔

انگریزوں کی مراجعت کابل سے

انگریزوں کے رخصت ہونیکے بعد امیر صاحب بالاحصار میں داخل ہوئے منجموں نے انکو
تاکید کردی تھی کہ یکشنبہ کے دن کابل میں داخل ہونا اور ایک انگوٹھی نیلم کی جسپر عبد الرحمن
۱۲۹۷ھ ہجری کے الفاظ کندہ ہوں تمہیں پہننا چنانچہ وسیل صاحب نے لکھا ہے کہ امیر
صاحب نے ایسا ہی کیا۔

ایک مرتبہ امیر صاحب نے اپنی مراجعت کے حالات اپنے دربار میں بیان کئے تھے جو
حسب ذیل ہیں:

امیر صاحب کے غلاموں سے معاودت کی کیفیت

پہلے کچھ عرصہ تک مجھے خبر نہ ہوئی کہ امیر شیر علیخان برباد ہو گیا ہے مگر جب مجھے خبر
ہوئی تو میں نے روسیوں سے درخواست کی کہ مجھے رخصت دو میں اپنے وطن کو جاتا ہوں گو روسی
جنرل نے مجھے صلاح دی کہ تم ہندوکش سے اس پار نہ جانا فرنگیوں نے غازیوں کو جوش
دلا رکھا ہے وہ تمہاری جان کے دشمن ہیں غرض میں وہاں سے رخصت ہو کر صرف
ایک سو کے قریب آدمیوں کے ہمراہ عجیب بے سر و سامانی کی حالت میں وطن کو روانہ ہوا میرے
ہمراہ خیمہ و خرگاہ کچھ نہ تھے اور عجیب طرح کی بیکسی ہماری حالت سے نمودار تھی سبز شہر
کے قریب ایک منزل پر اس مقام کے حاکم نے مجھے اطلاع دی کہ امیر بخارا آپکے آنے کے
منتظر ہیں انہوں نے تم لوگوں کے لیئے شہائی وغیرہ طیار کرائی ہے اور تمہیں دو چار روز
مہمان رکھکر رخصت کرینگے جب ہم سبز شہر کے اندر جانے لگے تو معلوم ہوا کہ دروازہ
شہر پناہ کا اندر سے بند ہے ہم تھوڑی دیر انتظار کر کے شہر پناہ کے ساتھ ساتھ
نصف میل تک چلے گئے اتنے میں اس فصیل پر سے بیس پچیس آدمیوں نے مجھے
آوازیں دیں یہ وہی میرے ہمراہی تھے جنہوں نے امیر بخارا کی ملازمت اختیار

کرلی تھی میںنے پوچھا دروازہ کیوں نہیں کھولتے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ امیر بخارا نے
تو تمہاری دعوت کے لیئے بڑی تیاریاں کی تہیں لیکن تمہارے خالو جان محمد خان
اور تمہارے جرنیل نصیر محمد خاں نے اُسکو ڈرا دیا کہ اگر تم شہر میں آئے تو تمام افغان
جو اِس وقت بخارا میں ہیں ملازمت چھوڑ کر تمہارے ساتھ ہو لیں گے اِسلیئے اُسنے
دروازہ بند کرا دیا ہے۔ لیکن صبر کرو جس وقت دروازہ کھلا ہم اُسیوقت تمہاری
خدمت میں حاضر ہو جائینگے۔ غرض ہم شہر سے چار کوس کے فاصلہ پر ایک میدان
میں آ پڑے جہاں گہوڑوں کے لیئے تو بہت گہاس تھی لیکن ہمارے لیئے کوئی خوردنی
شئے دستیاب نہ ہو سکتی تھی۔ لاچار ہم سب گرسنہ سو گئے۔ دوسرے روز کوچ کرکے ایک
روز بستی میں جا قیام کیا جب وہاں سے آگے بڑہے تو راہ میں ایک جگہ دنبوں کا
گلہ نظر آیا بعض آدمیوں نے مجھے ڈرایا کہ امیر بخارا کا لشکر ہمارے تعاقب میں آ رہا
ہے ہم بھی تیار ہو گئے کہ بہاگ کر مرنے سے مار کر مرنا اچھا ہے۔ لیکن جب وہ قریب آئے
تو ہمیں سخت ہنسی آئی میںنے اُس وقت سمجھا کہ ترکستان کا راہ اچھا نہیں بدخشاں کو
جانا چاہیے جب سرحد بدخشاں میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ امیر شیر علیخان مرحوم کا
حکم تھا کہ وہاں میرا کوئی نام نہ لے اور نہ میں اس سرحد میں قدم دہرنے پاؤں۔
وہاں کے لوگ مجھے مطلق نہیں پہچان سکتے تھے مگر میری جمعیت دیکھکر لڑنے پر آمادہ
ہو گئے میںنے اپنے سواروں کو سمجھایا کہ جنگ کرنا اچھا نہیں پھر میں تن تنہا مخالف
لوگوں کو سمجھانیکے لیئے آگے بڑہا۔ جب میںنے علیک سلیک کے بعد جنگ کی وجہ پوچھی
تو انہوں نے جواب دیا کہ امیر شیر علیخان کا حکم گورنر ترکستان کیطرف پہنچا ہے کہ عبدالرحمن
کو گذرنے نہ دو کہیں تمہارے ملک پر قبضہ نہ کرے میںنے انکو سمجھایا کہ شیر علیخان تو
مرگیا ہے اور اُسکے بیٹے قید ہوکر چلے گئے ہیں مگر گورنر ترکستان تمہیں دہوکا دیتا
ہے۔ اگر عبدالرحمن خاں بادشاہ ہو جائے تو تمہیں کیا عذر ہے۔ اِسپر اُنہیں

خطرے کے وقت اوسان

امیر محمد یعقوب خاں

اطمینان ہو گیا اور میرے ہمراہ میرے لشکر میں چلے آئے۔ میرے آدمیوں نے ادب سے مجھے سلام کیا اور وہ حیران ہو گئے جب مینے کہا کہ عبدالرحمن میں ہی ناچیز ہوں تو انہوں نے آفرین کی اور کہا کہ شاباش تمہاری جوانمردی پر کہ تم تن تنہا ہمارے ہجوم میں چلے گئے تھے۔ اسکے بعد انمیں سے ایک نے آگے بڑھکر کہا تم مجھے پہچانو میں اعظم خاں کا خسر ہوں اور دوسرے نے کہا میں اسکا خسر پورہ ہوں۔ اچھا ہوا ہم نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ تم ہمارے قریبی رشتہ دار ہو پھر والد اعظم خاں کے حالات دریافت کیئے مینے انکے وفات کی خبر بیان کی اور انکے آدمی جو وہاں سے لوٹ کر آئے تھے پیش کیئے۔ پھر انہوں نے مجھے شہر میں ڈیرہ کرا دیا اور سرکاری مکانات مجھے تفویض کیئے گئے اور تمام علاقہ بدخشاں میں سوار بھیجدیئے کہ اب ہمارا سردار آگیا ہے جہاں جہاں شیر علی کے آدمی ہیں وہ نکالدیئے جائیں یا آکر سلام کریں پھر لوگوں نے نذریں اور تاتاک دینی شروع کیں۔ اور قریب ایک لاکھ روپیہ کے نقد۔ دو ہزار گھوڑے اور ہزار ہا دنبے جمع ہو گئے۔ دو ماہ تک ہم وہاں ہی مقیم رہے اور تمام بدخشاں پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔ جب قطغن میں خبر پہنچی تو میر مراد بیگ ایک لاکھ روپیہ نقد۔ بارہ کنیزیں اور چالیس گھوڑے بطور تاتاک (نذرانہ) کے لایا۔ بیٹے عبداللہ خاں علیزئی کو جسکو کہ اب خطاب سرداری دیا ہے میر مراد بیگ کے ہمراہ قطغن کو بھیجا کہ شیر علیخاں کے آدمی نکالکر اسکو وہاں کا حاکم بنادو۔ اور اپنا انتظام کرلو۔ سردار اسحاق خاں اور سرور خاں ہم سے سبز شہر سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ مینے انکو ترکستان کیطرف روانہ کیا اور میں بدخشاں کو آیا کہ یہاں کے لوگ اچھے ہیں اور ادہر شیر علیخاں کی زیادہ فوج بھی نہیں کابل بھی ادہر سے نزدیک ہے جب دریائے آموں سے گذر سرور خاں اور اسحاق خاں ترکستان میں داخل ہوئے۔ تو انہوں نے گورنر ترکستان سے جو دروک تو مسے تہا کہا کہ

بدخشاں میں آؤ بھگت

سردار اسحاق خاں ترکستان کو بھیجا گیا

تم رعایا ہو اور اعظم خاں کے بیٹے شاہی خاندان سے ہیں۔ تم امیر شیر علیخاں کے ملازم
ہو۔ مگر وہ خود مر گیا اور اسکے بیٹے قید ہوگئے ہیں۔ اب بحکم شرع ہمیں حکومت اس
ملک کی پہنچتی ہے۔ تم ہمیں اپنے بادشاہ تسلیم کرکے گو رنبے ہو۔ اُسنے اسپر سرور خاں
کو قتل کردیا۔ یہہ خبر سنکر افسران فوج ترکستان سخت برافروختہ ہوئے کیونکہ وہ امیر افضلخاں
والد عبدالرحمن خاں کے قدیم نوکر تھے۔ وہ اپنے جرنیل سرور کے مارنے پر آمادہ ہوئے سرور
ایک سو آدمی کی اردل سمیت بخارا کو بھاگ گیا۔ اور فوج نے اسحاق خاں کی اطاعت
منظور کرکے اُسے ترکستان کا حاکم تسلیم کیا۔

باب ششم

حکومت کابل

ڈاکٹر طیبا ٹیوسی ایس آئی کمشنر حفظان صحت پنجاب کی تحریر کے بموجب معلوم ہوتا ہے
کہ انگریزوں کے کابل سے چلے آنے کے بعد امیر عبدالرحمن خاں نے تمام خبروں کا راستہ
ہندوستان کیطرف مسدود کردیا۔ اور امیر شیر علیخاں کے ہواخواہوں کو یا تو مروا دیا
یا چُن چن کر نکلوا دیا۔ ایک دوسرے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ تمام عمارات شاہی جو
امیر شیر علیخاں کے وقت استعمال میں آتی تھیں یا تو گرائی گئیں یا دفتر کے کاموں
کے سپرد کی گئیں۔ یہانتک کہ امیر شیر علیخاں کے دربارگاہ کو اصطبل بنا دیا گیا۔ اسکے
بعد امیر صاحب نے اپنے عیال و اطفال کو کابل میں بلوایا۔ ۲۲ نومبر ۱۸۸۱ء کو امیر صاحب
نے عتیق اللہ خاں کی دختر بلند اختر بی بی حلیمہ سے شادی کی جو اسوقت حرم سرائے شاہی
کی ملکہ اور سلطانہ کے نام سے مشہور رہیں۔ اس بیگم سے امیر صاحب نے عجیب طرح سی شادی
کی۔ کسیکو خبر تک نہ تھی کہ ایسی شادی ہونیوالی ہے اور دفعتاً امیر صاحب کابل سے غائب

سلطانہ سے شادی

ہو گئے- اور دو دن تک غائب رہے- لوگوں میں یہ افواہ اڑ گئی کہ امیر عبدالرحمن خاں کو کسی نے قتل کر دیا ہے- مگر بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ اپنی دلہن کے مکان پر تشریف رکھتے ہیں *

اس شادی کے بعد امیر صاحب عیش و عشرت میں نہیں پڑ گئے- بلکہ بدستور امور سلطنت میں نہایت گرمجوشی سے مشغول رہے امیر صاحب کو مسند پر بیٹھکر کہا نا ہضم نہیں ہوتا تھا- انکا تسلط شمال کوہ ہندوکش میں اچھی طرح جم چکا تھا مگر میمنہ کا اوزبک سردار ابھی تک باغی تھا- میمنہ رقبہ میں ہرات کے ۱/۳ حصہ کے برابر ہے- مگر اسکے گرد بڑی مضبوط دیوار اور خندق ہے- میمنہ کے فتح کرنے میں امیر صاحب کو بہت دقت پیش آئی اور بڑی دشواری کے بعد یہ جگہہ ۱۸۸۴ء میں فتح ہوئی جب سردار ایوب خاں قندھار پر بلوے کر رہا تھا تو امیر صاحب نے چند روز کابل میں ٹھکر اور حکومت کابل پروانہ خاں کو سپرد کر کے فوراً قندھار کا قصد کیا- وہاں پہنچکر ایک ہی لڑائی ہوئی جسمیں سردار ایوب خاں کو شکست ہو گئی اور کل فوج اور سردار امیر صاحب سے آملے- ایک قندھاری مولوی نے فتوے دیا تھا کہ امیر چونکہ انگریزوں کا دوست ہی اس غدار ہے- امیر صاحب نے اسکو اپنے ہاتھ سے قتل کیا- اور اسکے بیٹے کو کابل میں ہمراہ لے آئے جو ابتک جوان ہے اور دو ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ پاتا ہے *

قندھار سے سردار ایوب خاں بھاگ کر ہرات کو گیا تو وہاں کے لوگوں نے شہر کا دروازہ بند کر لیا- اور امیر صاحب کی حکومت منظور کی- ایوب خاں بھاگ کر ایران کو چلا گیا اور وہاں سے ہندوستان میں لا کر راولپنڈی میں مع بہت سے ہمراہیوں کے رکھا گیا جو سرکار انگریزی سے وظیفہ پاتا ہے *

۱۸۸۳ء میں امیر صاحب نے شغنان و سروشان کی طرف توجہ مبذول کی ان ملکوں کا حاکم میر شاہ یوسف علی تھا جو اپنے آپ کو شاہ غموش کی ...

بتا تا ہا کہ جسنے بنجارا سے آکر ساتویں صدی میں یہاں کے باشندوں کو دین اسلام کی تلقین کی تہی۔ کہتے ہیں کہ جب سکندر ذو القرنین بغداد فتح کرنیکے ارادہ سے اِدہر آیا تو ایک زبردست ساحر نے اُسے مسحور کرکے طلسم بند کر دیا مدت کے بعد سکندر کی دختر کو جو پری تہی یہہ حال معلوم ہوا اور ربلبن لشکر وہاں آئی ساحر کو قتل کیا اور سکندر کو آزادی دی۔ اِس قسم کی روایتیں اور کہانیاں یہاں کے باشندوں میں بہت مشہور رہیں۔ سرہنری رالنسن بیان کرتے ہیں کہ سکندر کی معشوقہ روشناک یہیں کی رہنے والی تہی۔ غرض یہاں کی عورتیں نہایت حسین اور مہ جبین ہوتی ہیں اور خوقند کے خان یہاں سی خراج میں عورتیں ہی لیا کرتے تھے۔ کپتان وڈ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اُنکے روبرو دراوبیگ والی قندز کو پندرہ دوشیزہ کنیزیں بطور خراج کے دیگئی تہیں شاہ یوسف علی کی نسبت بیان کیا جاتا ہی کہ وہ بڑا شقی القلب اور سنگدل شخص تہا اُسنے اپنی سوتیلی والدہ کو مشاک میں بند کرواکے دریا میں ڈلوا دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اُسے سنگسار کردو۔ یہاں غلاموں کی تجارت بہت ہوتی ہتی اور اگر کوئی بدبخت اُس کو ناراض کرتا تھا تو فوراً غلام بناکر بیچ ڈالا جاتا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں ڈاکٹر البرٹ ریگل روسی سیاح شغنان میں آیا اور شاہ یوسف علی نے اُسکی مہمانداری کی۔ امیر صاحب کو اِس بات سی سخت طیش آیا کہ کیوں روسی ڈاکٹر یہاں گھسنے پایا اور ماہ ستمبر ۱۸۸۳ء میں شاہ یوسف علی کو کابل بلاکر قید کرلیا۔ اور ایک افغان ساکن قندہار کو وہاں کا حاکم بناکر بھیجدیا۔ یہہ وہی شخص تھا جسنے ایک دوسرے روسی سیاح مسٹر ایوانوف کو وہاں آنیکی اجازت نہ دی تہی۔ امیر صاحب کے شغنان پر قابض ہونے سے روسی بہت اُچھلے کودے۔ اُنہوں نے اِس بات پر زور دیا کہ شغنان اور روشان علاقہ روس یعنی فرغانہ سے ملحق ہیں اور انکا خودمختار

روشان شغنان کا حقیقت

رہنا واجب ہے۔ اس بات پر بہت دیر تک خط و کتابت ہوتی رہی اور دنگے بھی دخل دیتے رہے۔ مگر آخر کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اور دونوں مقام امیر صاحب کے ہی تحت میں اب ہے۔ اور اگر نظر انصاف سے دیکھا جاوے تو امیر صاحب کی حکومت وہاں کے لوگوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے کیونکہ اُنہوں نے بردہ فروشی کو بالکل بند کر دیا ہے۔ ۱۸۹۱ء میں امیر صاحب نے اپنے جرنیل غلام حیدر خان کو کافرستان کیطرف قدم بڑھانے کو کہا مگر انگریزوں نے ۱۸۹۳ء میں منع کر دیا کہ آپ مداخلت نہ کریں لیکن ۱۸۹۳ء کے سر مارٹیمر ڈیورینڈ کے مشن کے قرارداد کے مطابق کہ جسکا زیادہ ذکر آگے چلکر آئیگا۔ امیر صاحب نے اسی جنرل کو دوبارہ ۱۸۹۵ء میں کافرستان کی مہم سر کرنیکو بھیجا اور کافرستان کو فتح کر کے قلمروئے افغانستان میں شامل کر لیا۔ جب سے امیر عبدالرحمن خان والی کابل ہوئے ہیں ہمیشہ سرکار انگلشیہ انہیں روپے سے مدد دیتی رہی ہے۔ چنانچہ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جون ۱۸۸۱ء تک مفصلہ ذیل رقوم امیر صاحب کو دیگئیں:-

رقم جو کابل میں ماہ اگست ۱۸۸۰ء میں دیگئی۔ مبلغ چھ لاکھ پینسٹھ ہزار روپیہ ۶۶۵۰۰۰

رقم جو لنڈی کوتل میں ستمبر ۱۸۸۰ء // - مبلغ پانچ لاکھ روپیہ۔

رقم جو پشاور میں اکتوبر ۱۸۸۰ء // - مبلغ سات لاکھ روپیہ

رقم جو پشاور میں جنوری ۱۸۸۱ء میں دیگئی - مبلغ ایک لاکھ روپیہ

رقم جو فروری ۱۸۸۱ء میں پشاور بھیجی گئی - مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو قندھار میں امیر صاحب کے گماشتہ کو اپریل ۱۸۸۱ء میں دیگئی مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو پشاور میں جون ۱۸۸۱ء میں دیگئی۔ مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو قندھار میں اپریل مئی اور جون ۱۸۸۱ء میں دیگئی - مبلغ ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ

میزان - چھتیس لاکھ پندرہ ہزار روپیہ

کہ آپ اس روپیہ کو بطرز مناسب استعمال میں لائیں گے۔"

امیر صاحب نے ۱۱ جولائی ۱۸۸۳ء کو مفصلہ ذیل جواب اس مراسلہ کا دیا:۔

"میں نے یہہ خوشخبری افغانوں کو سنادی ہے۔ اور وہ سنکر نہایت بشاش ہوئے ہیں اور کہتے ہیں
کہ افغان بہت سال سے مصیبت جھیل رہے تھے۔ ہماری شکر کا مستحق ہے کہ یہہ نیک نیت گورنمنٹ
اسکے حال پر مہربان ہوئی ہے۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو افغان کبھی اس دوستی سے منحرف نہیں
ہونگے۔ اور جبتک میرے دم میں دم ہے میں بجز اس عظیم الشان سلطنت کے اور
کسی کی دوستی کا دم نہیں بھرونگا۔ میں حق سے دعا مانگتا ہوں کہ اس عالیشان سلطنت
کی شان و شوکت میں ترقی ہو۔"

لارڈ رپن کے زمانہ میں امیر صاحب کا ارادہ تھا کہ ہندوستان میں آئیں اور لاٹ صاحب سے
ملاقات کریں۔ مگر ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ یہ ارادہ پورا نہ ہوا۔ آخر کار لارڈ ڈفرن
بہادر کے زمانہ میں یہہ ضروری معلوم ہوا کہ امیر صاحب سے دو بدو گفتگو کیجاوے۔ بعض
مدبران ملک کا یہہ خیال تھا کہ ہم امیر کو ہر سال زر کثیر دیتے ہیں اور ہتھیار اور دیگر آلات
حرب بھی بھیجتے ہیں مگر اجتک ہمیں یقین نہیں ہے کہ امیر ہماری دوستی پر قایم ہے۔
امیر کے حرکات اور سکنات ایسے ہیں کہ جن سے دوستی ظاہر نہیں ہوتی۔ بڑا ثبوت اس بات
کا یہہ ہے کہ امیر نے ان لوگوں سے نہایت سختی سے برتاؤ کیا ہے جو ہمارے مدد اور دوست تھے
ان باتوں کا فیصلہ کرنیکے لیئے لارڈ ڈفرن نے مناسب سمجھا کہ ضرور امیر صاحب سے بالمشافہ
گفتگو ہونی چاہیئے۔ چنانچہ امیر صاحب کو لاٹ صاحب نے اپنے ارادہ سے اطلاع دی اور
امیر صاحب نے ہندوستان میں آنا فوراً منظور کر لیا۔ شہر راولپنڈی مقام دربار کے
لیئے تجویز کیا گیا۔ اور بڑی دھوم دھام سے تیاریاں شروع ہوئیں۔ کہتے ہیں کہ اگرچہ
شان و شوکت میں یہہ دربار دہلی کے دربار سے دوسرے درجہ پر تھا مگر اسکی بھی رونق
قابل دید تھی۔ صرف حرج یہ ہوا کہ بارش نے زور ڈالدیا۔ مینہ موسلا دھار برسنے لگا۔

اور اِس شدّت سے برسا کہ گویا اُس روز برس کر پھر نہ برسیگا۔ اِس لیے محل بارش نے چاندماری اور لشکر کے ریویو کا لطف خراب کر دیا۔ لیڈی ڈفرن نے اپنے خطوط میں اِس دربار کا تذکرہ اِس طرح پر کیا ہے۔ امیر جو ایک خوبصورت تناور آدمی ہی شوخ نارنجی رنگ کا پیراہن پہنے ہوئے تہا۔ اُسکے پاؤں میں گھٹنوں تک روسی بوٹ تھے۔ اور اُسکے رسالے کے سوار اُسکے جلو میں تہے۔ امیر اپنے جلاّد کو بھی ہمراہ لایا تہا جسنے سُرخ مخمل کا جامہ پہنا ہوا تھا۔ اور اُسکی کمر میں ایک کلہاڑی اور ایک پہانسی کی رسّی تہی۔ پہر اِس خط میں لیڈی صاحبہ لکہتی ہیں۔ "امیر کی خصلت میں تم سے بیان کرتی ہوں۔ کل صبح وہ تین گھنٹے تک گلدستہ تیار کرتا رہا۔ اور چالیس گلدستہ تیار کیئے۔ اور پہر کہا کہ ہر روز ہمیں گملے بھیجے جایا کریں اور یہہ وہ شخص ہی کہ جب اپنے ملک میں ہوتا ہے تو لوگوں کے سر کاٹتا ہی اور اُنکو پہانسی پر چڑہاتا ہے۔"

امیر صاحب کا دربار راولپنڈی میں آنا

۴- اپریل ۱۸۸۵ء کو لارڈ ڈفرن نے امیر عبد الرحمٰن کی دعوت کی اور لاٹ صاحب موصوف نے امیر صاحب کی صحت کا جام نوش کیا۔ اُس وقت سب حیران رہگئے۔ جبکہ امیر صاحب کھڑے ہوگئے اور ایک اسپیچ دی۔ جسمیں اُنہوں نے انگلستان اور افغانستان کی دوستی کا اظہار کیا۔ انگریزی فوج کی تعریف کی اور امید ظاہر کی کہ افغانستان بہی ہندوستان کی طرح جسکے ساتھ اُسکی بہبودی وابستہ ہی ایک دن سرسبز اور شاداب ہو جائیگا۔

۱۰- اپریل ۱۸۸۵ء کو یہہ عظیم الشان دربار منعقد ہوا۔ اِس دربار کی رونق کا کیا کہنا۔ چاروں طرف سنہری روپہلی وردیاں آنکھوں کو چندھیاتی تہیں اور دربار کا خیمہ ایک بقعۂ نور نظر آتا تہا۔ اِس دربار میں علاوہ وائسرائے بہادر لارڈ ڈفرن کے امیر عبد الرحمٰن خان۔ ڈیوک آف کناٹ سر فریڈرک رابرٹس کمانڈر انچیف ہند۔ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب۔ لفٹنٹ گورنر صاحب ممالک مغربی و شمالی اور ریاست
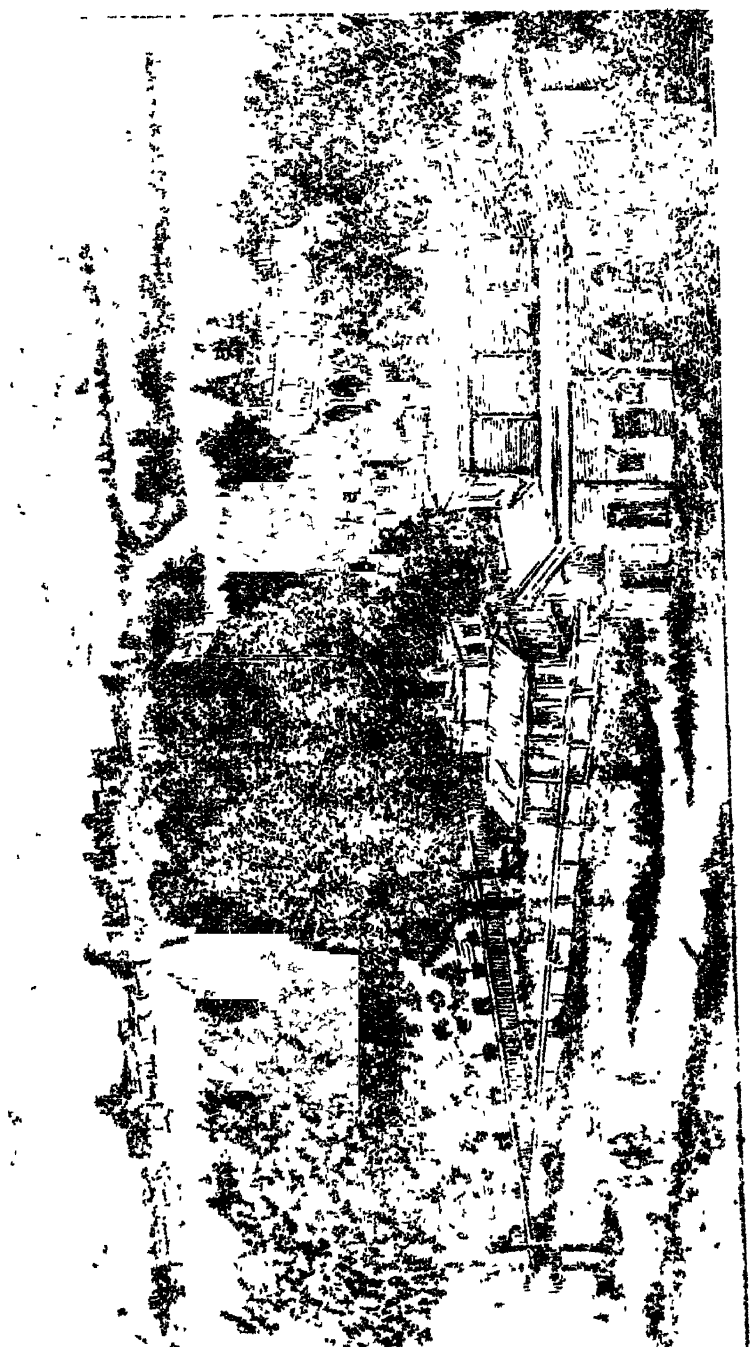
راجگان پنجاب موجود تھے۔ مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے اُس وقت جو نگین دستار زیب سر کی ہوئی تھی اُسمیں یاقوت اور الماس کی لڑیاں لٹک رہی تھیں نواب صاحب بھاولپور کے سر پر جو تاج تھا اسمیں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے اور مہاراجہ صاحب نابھہ تو اُس وقت صلیبی لڑائیوں کا ایک نائٹ معلوم ہوتا تھا۔ جب تحفہ تحائف پیش ہو چکے تو امیر صاحب نے درخواست کی کہ مجھے چند الفاظ کہنے کی اجازت دیجاوے۔ وائسرائے نے منظور کیا اور امیر صاحب نے فارسی میں مفصلہ ذیل تقریر کی:۔

"میں اُس نوازش اور توجہ کا نہایت مشکور ہوں جو وائسرائے اور ملکہ معظمہ نے میرے حال پر کی ہے اور اِس نوازش کے عوض میں میں اپنی فوج اور لوگوں کے ساتھ خدمت سرکار دولتمدار بجا لانے کو تیار ہوں اور چونکہ سرکار نے وعدہ کیا ہے کہ اگر کوئی غنیم افغانستان پر چڑھ آیا تو اُسکے دفع کرنے میں مدد کریگی اسلئے ہمارا بھی فرض ہے کہ استقلال کے ساتھ ہمیشہ سرکار عالی وقار کے ساتھ وفاداری کریں"۔

جسوقت امیر صاحب تقریر کر رہے تھے تو عجیب لطف ہوا۔ منجملہ اُن تحائف کے جو امیر صاحب کو دیئے گئے تھے۔ ایک کل کی انگریزی بولنے والی چڑیا بھی تھی جو خود بخود اس وقت بولنے لگ پڑی۔ مگر اُسکی سُریلی آواز نے امیر صاحب کی فصاحت میں خلل اندازی نہیں کی بلکہ اُسکی رونق کو دوبالا کر دیا۔ غرض امیر صاحب کی تقریر پر خوب تالیاں پیٹی گئیں اور سب نے اظہار دوستی پر ادنے اعلے خوش ہوگئے۔

راولپنڈی میں امیر صاحب نے اعلے درجہ کی لیاقت اور سنجیدگی ظاہر کی بلکہ ایک دفعہ جبکہ ایک جلسہ میں لاٹ صاحب نے دوربین جانا چاہا اور پوچھا کہ آپکی اسمیں کیا رائے ہے۔ امیر صاحب نے جواب دیا کہ یہ مناسب خیال نہیں ہے۔ مگر لاٹ

ڈفرن بھی مزاج امیر کے بڑے رمز شناسی میں استاد تھے انہوں نے بھی اپنا مطلب نکال
ہی لیا اور امیر کو ہاتھ پر ڈال کر سب معاملات کا تصفیہ خاطر خواہ کر لیا۔

پنجدہ پر روسیوں کی شورش کی خبر

ابھی امیر صاحب راولپنڈی میں ہی تھے کہ پنجدہ پر روسیوں کی شورش کی خبر
آئی اور ایک روز یہ معلوم ہوا کہ روسیوں کے ہاتھ سے افغان فوج ہار گئی ہے ایک
سناٹا ہو گیا۔ ۲۸ جنوری ۱۸۸۶ء کو لارڈ ڈفرن نے کونسل واضع آئین و قوانین کے ایک جلسے
میں بیان کیا کہ اگر امیر صاحب راولپنڈی میں نہ ہوتے اور اگر امیر صاحب جیسا
بیدار مغز امیر کابل پر حکمران نہ ہوتا تو روسیوں کے ساتھ ہماری بڑی سخت
لڑائی ہوتی اور ہزاروں بندگان خدا کا خون ناحق پانی کی طرح بہ جاتا۔ ۱۴ تاریخ اپریل
کو امیر صاحب کابل کی طرف واپس ہوئے کہتے ہیں کہ چلتے ہوئے انہوں نے خواہش
ظاہر کی کہ ہمیں ملکہ معظمہ خطاب عطا کرے۔ چنانچہ وائسرائے نے لنڈن میں اس معاملہ کا
سلسلہ ہلایا اور گرینڈ کمانڈر آف دی سٹار آف انڈیا کا عالی رتبہ خطاب لیکے امیر صاحب
کابل کو سدھارے۔

افغانستان کی حالت روسیوں اور انگریزوں کے درمیان

پنجاب کمیشن کے مسٹر تھاربرن صاحب کا بیان ہے کہ امیر صاحب نے روسیوں اور انگریزوں
کو اور اپنے تئیں اپنی حالت کو اس طرح پر بیان کیا ہے۔ "ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بگلا
تالاب میں تیر رہا تھا۔ ایک کنارہ پر بہت سے بھیڑیئے اسکی طرف گھور رہے تھے۔ اور
دوسرے کنارہ پر ایک بڑھی شیرنی بیٹھی ہوئی تھی۔ شیرنی نے اسپر حملہ کر کے اسکے جسم
پر آنکھیں لگا لیئے بیچارہ بگلا نہایت پریشان ہو کر دوسرے کنارہ کی طرف دوڑا اسکے جونہیں
وہ نزدیک گیا بھیڑیئے نے آنکھیں نکال کر اسکی طرف جھپٹے اور قریب تھا کہ اسکی
بوٹی بوٹی بانٹ لیں مگر وہ بگلا دوڑ کر گہرے پانی میں چلا گیا سو وہاں ان سے کچھ نہ
نہ پہنچا۔ وہاں اسنے یہ خیال کیا کہ اگر تالاب سوکھ گیا تو شیر نے تو شاید ہی مگر بھیڑیئے
مجھے نوچ کر کھا جائیں گے۔ درصل امیر صاحب حکیم لقمان کی طرح تمثیل بہت اچھا دیتے

تیار کرتے ہیں اور صرف تیار ہی نہیں کرتے بلکہ ان سے کام بھی لیتی ہیں۔

جب امیر صاحب ہندوستان سے رخصت ہوئے تو بعض ولایتی اخبارات نے خوب گپے تیز اوڑانے شروع کیئے اور ایک اخبار نے تو یہ بھی لکھ دیا کہ امیر صاحب نے لارڈ ڈفرن سے کہا کہ سنا ہے کہ انگلستان کی عورتیں نہایت مہ جبین ہیں انکے دانت مثل انار کے ہیں اور انکی چھاتیاں سیب سے قند سے بہتر ہیں کیوں نہیں آپ میرا رشتہ ملک کے خاندان میں کرا دیتے اسکے جواب میں لاٹ صاحب نے کہا کہ ہمارے ملک میں عورتیں خود مختار ہوتی ہیں اور وہ جس سے چاہیں شادی کر سکتی ہیں۔ مردوں کا کچھ اختیار اسمیں نہیں ہے۔ اس قسم کی لغویات بہت مدت تک اخباروں میں چھپتی رہیں۔ جن کو باور کرنا سراسر حماقت ہے۔ اور عجب نہیں کہ اسی قسم کے اخبارات کی گپیں اور بیہودہ باتوں کو سن سن کر امیر عبدالرحمن صاحب ہندوستان کے اخبارات سے بہت بدظن ہوگئے ہوں کہ جو امر خود انکی ایک تحریر سے ظاہر ہے اور جسکو بجنسہ اگلے صفحہ پر انکے دستخط سے نقل کرتا ہوں۔

اخبارات کی گپیں

اس میں امیر صاحب اخبار نویسوں کی بکواس کو کتوں کے عف عف سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور درحقیقت اس بارے میں اخبارات کی نسبت حق بجانب ہیں۔ اور علاوہ اسکے افغانستان کی حالت بھی مقتضی اس امر کی ہے کہ امیر صاحب اخبار نویسی کو جرأت نہ دلائیں جبکہ روس اور روم جیسے ممالک میں جو یورپ میں واقع ہیں آجتک اخبارات کو آزادی نصیب نہیں ہوئی تو افغانستان جو ان سے ہزارہا سال پیچھے ہے کیسے اخبارات کی قدر کر سکتا ہے کیونکہ خود مختار بادشاہوں کی حالت اور انکے کاموں کو اخبارات کی نکتہ چینی سے صدمہ پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور پھر افغانستان کہ جہاں کہ مصلحتاً امیر صاحب کو ریل تک بنانے کی اجازت نہیں دیتے وہاں اخبارات کی نسبت جو کچھ وہ کہیں سچا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مشیر نے امیر صاحب سے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ انگریزوں
کیطرف زیادہ متوجہ اور روسیوں سے کبیدہ خاطر ہیں ہمارے لیئے جیسے انگریز ہیں
ویسے ہی روسی ہیں۔ امیر صاحب نے جواب دیا کہ انگریزی گورنمنٹ سے ہمیں ہر طرح فائدہ
ہی فائدہ ہے اور روسیوں سے ہمیں ڈرنا چاہیئے۔ وجہ اسکی یہہ ہے کہ روسیوں کا

سلہ امیر صاحب کی جس تقریر کا یہہ خلاصہ ہے اسکو اپریل ۱۸۹۳ء میں بمبئی گزٹ نے بجنسہٖ چھاپا
تھا یہاں اسکا ترجمہ نقل کر دینا نامناسب ہوگا۔
امیر صاحب نے ایک لمبی گفتگو کے درمیان کہا کہ اگر اب روسی ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کریں
تو انکو ضرور ہندوستان کو جانے کے لیئے افغانستان کے درمیان سے ہی گذرنا پڑیگا۔ بیشک
درصورت اتحاد ابتدا میں روسی یہہ کہیں گے کہ افغانستان کے ملک سے ہمیں کچھ واسطہ نہیں ہم اسکو
لینا نہیں چاہتے ہم صرف انگریزوں کے ساتھ لڑنے کے لیئے اسملک سے گذرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی
یہہ بھی کہدینگے کہ ملک افغانستان کی فوج اور سامان جنگ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے وہ اپنے دوست
انگریزوں کو بلا تامل دیدے۔ اس صورت میں اول تو انکی حفاظت کی فکر ہوگی کیونکہ اگر ہم اپنی طرف
سے کچھ بھی چھیڑ چھاڑ نہ کریں لیکن اکثر افغان اپنے مذہب کے مخالف لوگوں کو بہت برا جانتے ہیں
تو اونہیں انکی حفاظت کی ضرورت پیش آویگی۔ افغان لوگ خواہ باعذر ہتھیار رکھدیں خواہ
نہ رکھیں اگر بالفرض وہ ہتھیار رکھدیں تو وہ مثل عورتوں کے ہوجاوینگے۔ اور جب انکی بہادری
اور دلیری بالکل معدوم ہوجاویگی تو روس کا مطلب پورا ہوجاویگا اور اگر افغان ہتھیار دینے
میں عذر کریں تو ظاہر ہے کہ اگرچہ روس انکے ساتھ لڑیگا تو نہیں کیونکہ وہ تو صرف انگریزوں
کے ساتھ جنگ کرینگے واسطے افغانستان سے گذرنا ہی چاہتا ہے۔ لیکن اس صورت میں یہہ دلیل پیش
کریگا کہ بہت اچھا اگر افغان اپنے ہتھیار نہیں دیتے اور اگر وہ ہمارے دوست ہیں تو بس یہی وقت
انکی دوستی کی آزمایش کا ہے انکے قوم کے تمام جوانمرد بہادر ہمارے ساتھ ہندوستان پر چڑھائی کریں
اور اپنی دوستی کی داد دیں اس وقت افغانوں ہر ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوگا اور ہزاروں آدمیوں
کی فوجیں ہر ایک فرقہ کی ایک ایک مقام سے جمع ہوکر روسی فوج کے آگے آگے روانہ ہوجاینگی
اور اچھی طرح سے روسیوں کو مدد دینے میں مصروف ہونگی جبکہ اس صورت میں انگریزوں کی اور
دیکھو صفحہ [illegible]

وانت ہندوستان بہیجے اور وہ [illegible] کی جیسا چہتی اور جائیں مانگتے ہیں
کہ جسطرح ہوسکے یہہ ملک اُنکے قبضہ میں آجائے مگر تاوقتیکہ وہ افغانستان کے درمیان سے
نہ گذریں وہ ہندوستان کو کسی طرح نہیں لے سکتے۔ پس وہ یہہ حکمت عملی کرنا چاہتے ہیں

> افغانستان کیحق میں روس کی دوستی بہتر ہے یا انگریزوں کی؟

بندوق کے وہی نشانہ ہونگے اور انگریزوں کی گولہ باری سے اُنکی ہزارہا جانیں ضائع
ہوجائینگی اور اگر وہ شکست کہاکر لڑنے سے منہ موڑیں گے تو روسی بلا تامل اُنکو مار دینگے
پس پہلا ثمرہ روس کے ساتھ دوستی کرنے کا ہمکو یہہ ملیگا جو بیان کیا گیا۔ دوم اگر وہ
خود بہی اپنی فوج کی حفاظت اور امن کی غرض سے افغانوں سے ہتہیار نہ لیں تو پہر اُنکے لیئے ضرور
ہوگا کہ ہر ایک شہر و قلعہ میں اپنی تہوڑی تہوڑی فوج چہوڑ جاویں۔ کیونکہ افغان بہی حریص
ہونگے جب یہہ صورت ہوگی تو اُنکو اُس فوج اور جملہ آدم فوج اور سکک وغیرہ کے لیئے سامان
کی نہایت ضرورت ہوگی۔ اُس وقت اگر افغان روسیوں کو خوراک وغیرہ اشیا نہ دیں تو وہ اُنکو
ضرور دشمن سمجہیں گے اور ہرگز دوست خیال نہیں کرینگے۔ جب روسی اُنکے ملک میں داخل ہوگئے
تو پہر انگریزوں سے دشمنی ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ اُس وقت یہی سمجہا جائیگا کہ افغان لوگ روسیوں
کو خود لائے اور اُنکی رہنمائی کی۔ اِس صورت میں سامان رسد رسانی بہی ضرور مہیا کرنا پڑے گا۔
جس سے تہوڑے ہی عرصہ میں کابل کے اندر اناج کا تخم باقی نہیں رہیگا۔ اور اگر کچہہ ہوگا بہی تو وہ
سب روسیوں کے ہاتہہ میں ہوگا۔ لوگ بہوک کے مارے شہر چہوڑ کر بہاگ جاوینگے۔ افغانوں کے
ویران اور برباد ہوجانے سے روسیوں کی مطلب براری نہایت آسانی سے ہوجاویگی۔ سوم
اگر خدانخواستہ روسی شہر کابل میں داخل بہی ہوگئے تو ملک کے زن و مرد پر اُنکا دست تصرف
ضرور پڑے گا۔ اور جہاں کہیں روسیوں کا کیمپ ہوگا وہاں زنا بیشبہ ہوگا۔ افغان لوگ
ایسے غیرتمند ہیں کہ اگر وہ اپنی ہمقوم عورت کو غیر مرد کے ساتہہ گفتگو کرتے دیکہہ لیں گے تو بلا
تامل اُسی وقت اُنکو قتل کر دینگے۔ اگرچہ عیسائی مذہب میں اِسکی کچہہ پروا نہیں کیونکہ اُنکی بیبیاں
مردوں پر حاکم ہیں اور وہ مرد غیر کے ساتہہ جب اُنکی خواہش ہو بلا خوف باتیں کر سکتی ہیں۔
پٹہان لوگ اپنی عورت تو بجائے خود رہی اگر کوئی غیر شخص مذہب اسلام کے خلاف کوئی امر کرتے
ہوئے اُنکو نظر آجاوے تو وہ اُسیوقت اُسکو جان سے مار دیتے ہیں۔ اگر روسی اُنکے حاکم ہوتے
تو کسی واقعہ پر بازپرس کرینگے کہ ہمارے سپاہی کو کس نے مار دیا تو بعد تحقیقات (دیکہو صفحہ ۹)

کہ پہلے تو ہمیں کہینگے کہ ہمارا افغانستان سے کچھ تنازع نہیں ہمیں صرف رستہ دیدو تاکہ ہم گذر کر ہندوستان پر حملہ کریں۔ پھر وہ یہ کہیں گے کہ ہماری طمینان کے لیئے افغان ہتھیار ڈالدیں کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر پیچھے سے حملہ آور نہ ہوں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر افغانوں نے

حاکم جواب دیگا کہ یہاں خدا کے نافرمان کو قتل کرنا جرم نہیں سمجھتے جب نوبت یہاں تک پہونچی تو دوستی دشمنی سے مبدل ہو جاویگی اور ہنگامہ برپا ہو جاویگا پس بدیں صورت پٹھانوں کی دوستی روسیوں کے ساتھ رہنی جنکا مقصد ہندوستان کا فتح کرنا ہے بہت محال اور ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ روس کا عندیہ ہماری رعایا اور فوج کو برباد کرنیکا ہے جس وقت ملک تباہ ہوگیا تو خواہ وہ دوست ہو خواہ وہ دشمن سب بیکار محض ہے۔ امیر شیر علیخاں بڑا ناعاقبت اندیش تھا جسنے اس رستہ پر چلکر خود کو اور اپنی رعیت کو مصیبت میں ڈال لیا تھا۔

افغان صدق دل سے برٹش گورنمنٹ کے دوست ہیں کیونکہ انگریزوں کا روسیوں پر حملہ کرنیکا ہرگز ارادہ نہیں۔ روسیوں کو افغان لوگ اپنا دشمن برباد کنندہ خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہندوستان کو فتح کرنیکا خیال نہیں چھوڑتے۔ اگر روسی کہیں کہ ہم ہندوستان کو افغانستان کے یا فارس کے رستہ سے جاوینگے بلکہ افغانستان کے ساتھ انکا کچھ سروکار نہیں۔ مگر پھر بھی خیال رہے کہ روسیوں کی یہ حرکت بھی افغانستان کیلئے بہر صورت مضر ہے مفید نہیں ہے جبتک برٹش افغانوں کی محافظ اور دوست ہے ہم روسیوں کے بُرے ارادہ سے بچ نہیں سکتے روسی کسطرح پٹھانوں کے ساتھ موافق ہو سکتے ہیں جبکہ وہ انکا ملک چھوڑکر فارس کے رستہ سے انکے دوست پر حملہ کرنیکے لیئے جاتے ہیں روسی خواہ کچھ بھی اس معاملہ میں کہیں وہ سب پٹھانوں کیلئے دھوکا اور فریب ہے۔ پٹھانوں کو چاہیئے کہ وہ روسیوں کو اپنی سرحد کے پاس سے ہوکر فارس میں داخل ہونے سے روکیں کیونکہ وہ ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور انکا مطلب صرف یہ ہے کہ سرحد پر قبضہ کرلیں اور پھر افغانستان میں سے گذر کر ہندوستان میں جانیکے لیئے صاف اور سیدھی سڑک نکال لیں یہہ تو صاف ظاہر ہے کہ جب اُنہوں نے افغانستان پر بھی حملہ کیا تو پھر ممکن ہے کہ وہ پٹھانوں کو امن اور چین سے بیٹھنے دینگے سیطرح بہتر ہے کہ آج ہی پٹھانکے ساتھ ملکر انکی حرکات کو روکا جاوے تاکہ وہ کل ہم پر قابو پاکر ہمکو برباد نہ کردیں۔ دیکھو تو جب یعقوب خاں جانتا تھا کہ اسکی رعایا عیسائیوں کو لپنے ملک میں

(دیکھو صفحہ ۸۰)

چپکے سے روسیوں کی بات مان لی تو اُن جیسا نامرد اور بزدل کوئی نہیں۔ وہ
عورتوں سے بدتر ہوگئے اور باپ دادا کے نام کو بٹہ لگا دیا اور روسیوں کے دل
کی مراد بر آئی لیکن اگر افغان یہہ کہیں گے کہ ہم ہتھیار نہیں حوالہ کرتے۔ تو روسی کہیں گے

ہم کہنا پسند نہیں کرتی۔ تو وہ کیوں انگریزی رزیڈنٹ کو اپنے ساتھ لیگیا۔ اُسنے کیوں نہیں
انگریزوں سے مسلمان رزیڈنٹ مانگا اور سفت میں انگریزی رزیڈنٹ کو قتل کروا دیا
جس سے دونوں قوموں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک گئی آخرکار خود آگ میں جا
پھنسا۔ یہہ بیوقوفی اُسنے اپنے باپ کی میراث میں پائی تھی۔ اُسنے جو کچھ کیا وہ اُسکی رعایا کے لیئے
جسکو وہ بیمدد چھوڑ گیا تھا ذرا بھی مفید اور کارآمد نہ تھا۔ اُسکی رعایا کو خود جنگ کا خیال
آیا اور وہ بغاوت کرکے لڑی اگرچہ اُسکے سر پر کوئی لایق افسر اور سربراہ نہ تھا۔ پھر بھی
رعایا نے خود ہی جس کسی نے اُسکی کمان لینی چاہی مثلاً فقیر غازی نے اُسی کو اپنا کمان افسر
منظور کر لیا جب یہہ شخص میرے پاس آیا اور میں نے اُسکا حسب نسب دریافت کیا تو یہ ہرات
کے ایک بڑی کمینہ خاندان کا نکلا جب ایسے آدمی انگریزوں کی فوج کے مقابلہ پر آئی تو جو کچھ نتیجہ
نکلا وہ سب کو معلوم ہے۔ ہزارہا آدمی قتل ہوئے۔ کابل۔ غزنی۔ قندہار کے درمیان بغاوت
کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اگر اُس وقت میں خود درمیان آکر انگریزوں کے ساتھ دوستی پیدا کرکے
اپنے لوگوں کو بہتری کا راستہ نہ دکھلاتا تو یہہ آگ کبھی فرو نہ ہوتی۔ اب میں پنجدیہ کے
ہنگامہ اور جنرل لمسڈن کی خودرائی کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر جنرل موصوف فوجکی مدد منظور
کرتا تو میں اُسکو کابل سے بھیجنی چاہتا تھا۔ روسی کبھی اُسپر حملہ نہ کرسکتے اور اگر وہ حملہ بھی کرتے
تو کامیاب ہوتے اور پنجدیہ ہاتھ سے نہ جاتا اور جمشیدی وغیرہ فرقے جنمیں ہزارہا
جنگی آدمی ہیں روسیوں کے ساتھ ملجانیکی ترغیب میں نہ آجاتے جب ہماری فوج نے
دیکھا کہ روسی غالب آگئے تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ باغیوں نے جاکر روسیوں سے کہدیا کہ ملک
خالی ہے تم آجاؤ تو روسی اسیوقت حوصلہ کے ساتھ آگئے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ افغانوں
کی فوج کو جنرل لمسڈن کی بیوقوفانہ رائے کے باعث زک اُٹھانی پڑی۔ جنرل کو کچھ
سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ روسیوں کی دوستی افغانوں کے لیئے کسیطرح مفید نہیں۔ جبتک
وہ ہندوستان پر حملہ کرنیکا ارادہ نہ چھوڑدیں اُنپر کیا منحصر ہے جو فتح افغانستان

اچھا اگر تم ہمارے دوست ہو تو ہمکو اس جنگ میں مدد دو چنانچہ وہ ہر قوم سے ہمارے جوان اور ہونہار آدمی چن کر انگریزوں کے مقابلہ میں لیجائیں گے انگریز بھی ایسا تر نوالہ نہیں ہیں کہ انہیں کوئی بہ آسانی نگل جائے۔ اس وقت روسیوں کا کچھ نہیں

[illegible]

بیں گذرے اور پٹھانوں پر آفت لاوے وہ اصلی سخت دشمن ہے مثلاً اگر روس والے اگر چینیوں کے ساتھ لڑنے کے واسطے افغانستان میں ہو گذریں یا چینی افغانستان کے رستے سے ہندوستان پر جاویں جسطرح یہ سب اسکے دشمن ہیں اسی طرح انگریز بھی اگر افغانستان سے ہوکر روسیوں پر حملہ کرنیکی خاطر ترکستان کو جاویں تو وہ بھی اسکے دشمن ہیں پس اس صورت میں کچھ فرق نہیں خواہ عیسائی ہوں یا روسی سب ایک سے ہمارے دشمن ہیں حقیقت میں اس سے بڑھکر پٹھانوں کا کوئی دشمن نہیں جو انکو پائمال کرکے انکے ملک سے گذرنا چاہے جب یہہ صورت ہے تو دانشمند اور ہوشیار افغانوں کو مناسب ہے کہ کبھی روسیوں کی دوستی کا دم نہ بھریں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ افغان لوگ نادان ہیں وہ اپنے فائدہ کو نہیں سمجھتے وہ سراسر غلطی پر ہے افغان اپنے فائدہ کے سوچنے سمجھنے کیلئے پوری پوری قابلیت اور لیاقت رکھتے ہیں کیونکہ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو یہہ کب ہوسکتا تھا کہ وہ مجھکو بلاتے اور انگریزوں کے تسلط پانیکے موقع پر میری سعی کو کام میں لاتے میں انکے ملک میں گیا اور انکی افسری کی اور انکو بتا دیا کہ انکے واسطے کونسی بات بہتر اور فائدہ مند ہے اور آئندہ انکا فائدہ انگریزوں کے ساتھ مخالفت رکھنے میں نہیں بلکہ موافقت اور موالفت رکھنے میں ہے انہوں نے خود بھی انگریزوں کی دوستی میں بہت سے مفاد دیکھے ہیں اور ابھی آئندہ دیکھیں گے جنرل المسٹن اپنے اعلے عہدہ کیلئے ہوشیار اور دانا تھا لیکن جو اس بڑے کام کی لیاقت نہیں رکھتا تھا جو اسکو سپرد کیا گیا تھا۔ فی الحقیقت وہ لوگ بہت ہی کم عقل ناقص الفہم ہوتے ہیں جو معاملات کی نزاکت کو قیاسی جانتے ہیں اور دشمنوں کو دوست سمجھ لیتے ہیں۔ اگر روسیوں کو یقین ہو کہ وہ افغانوں اور انکے دوستوں کو مار سکتے ہیں تو وہ کبھی کسی طرح تامل اور دریغ نہ کریں۔ ہمیں بھروسا کی قسمت ہے کہ ہم کبھی آسانی سے مغلوب نہیں ہونگے اور دوسرے حکومت کو ہرگز نہیں مانیں گے اسنے وقت جب میں نے قندھار کو فتح کیا اور جب میرے پاس

جائیگا۔ ہمارے جوان ناحق نشانۂ تیر قضا ہونگے۔ اگر یہ بیچارے آگے بڑھیں گے تو
انگریز انکی خبر لیں گے اور اگر پس پا ہونگے تو روسیوں کے ہاتھ سے جیتے نہ بچیں گے
وہی معاملہ ہوگا کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ اسکے علاوہ اور سخت قباحت یہ
ہوگی کہ ہر دیہ اور ہر قریہ میں روسی سپاہی موجود ہونگے اور انکے اخراجات کیلئے
تمام پیداوار ملک کافی ہوگی۔ ان باتوں کے علاوہ ایک اور بھی سخت مصیبت ہوگی۔
ہماری شریعت کے مطابق عورت کو ہمیشہ اپنے خاوند کی اطاعت اور وفاداری لازم
ہے اور اگر وہ غیر مرد کے ساتھ ہم بغل دیکھی جائے تو خاوند کو اختیار ہے کہ اسے
ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کر دے لیکن عیسائیوں میں یہ بات نہیں ہے۔ انمیں
عورت کا رتبہ مرد سے بڑھکر ہے مطلب اس سے یہ ہے کہ جہاں کہیں روسی خیمہ زن ہونگے
وہاں زنا بھی ہوگا۔ افغان اس قماش کے آدمی ہیں کہ اگر کسی غیر مرد کو عورت کے ساتھ

[illegible]

مرو جو واقع ترکستان ہے کے لوگوں کی چٹھی آئی کہ روسی سرحد کے بہت قریب آتے جاتے
ہیں اور انکا ارادہ اس ملک کے لینے کا ہے۔ چونکہ ہمارا کوئی سردار نہیں ہے یہ ملک
ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ آپ مہربانی کرکے ہمارے سربراہ بنجاویں۔ میں نے یہ چٹھی انگریزی ایلچی
کے پاس بھیجدی۔ انہوں نے مجھکو اسمیں دخل دینے سے منع کیا۔ اگر اس وقت انگریز مجھکو
نہ روکتے اور قدم آگے بڑھانے دیتے تو میں ہرات کا جھگڑا بالکل مٹا دیتا اور مرو پر فوج کشی کرکے
اُسپر قبضہ کر لیتا۔ ترکمانوں کو ٹھنڈا کرکے محفوظ کر دیتا۔ اسوقت روسی اور افغانستانی فوجوں
کو بجائے یہ بالمقابل لانیکا بہت عمدہ موقع تھا مگر یہ موقع برٹش افسروں کی غلطی اور ناقہمی کے
باعث ہاتھ سے جاتا رہا کہ انہوں نے مجھکو جنگ سے روکدیا۔ اب میں ان باتوں کا کھلم کھلا
ذکر اسلیئے کرتا ہوں تاکہ کابل کا انگریزی سفیر انکو سن لے اور اپنی گورنمنٹ کو لکھے۔ بعد ازیں
اگر کوئی برٹش افسر اور موجودہ روسیوں کے ساتھ دوستی پیدا کرنی چاہے اور افغانوں کو موجودہ
حالت سے بچانیکے خیال میں محو ہو گیا ہو اور انکو انگریزوں کی دوستی چھوڑنیکی ترغیب
دیکر یہ سمجھے کہ افغان آخرکار روسیوں کے دوست ہو جاوینگے تو مدبران انگلینڈ کو
انکی یہ بات ہرگز یقین نہ آنا چاہیئے اور کبھی انکے اس لچر خیال کیطرف متوجہ نہ ہوں۔ +

دیکھیں تو اسکو بھی زندہ نہیں چھوڑتے چنانچہ وہ روسی سپاہی اور افغانی
عورت دونوں کو قتل کرینگے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں میں تلوار چل جائیگی اور
ہزاروں بیگناہ خاک وخون میں تڑپتے نظر آئینگے - یہی وجہ ہے کہ ہم روسیوں کے
وہم وگمانوں کو خیال میں نہیں لاتے اور انگریزی گورنمنٹ کو اپنا دوست سمجھتے
ہیں - امیر کی اس گفتگو پر وہ مشیر آمنا وصدقنا کہکر خاموش ہوگیا -

اسی مضمون کو سر لیپل گریفن نے ولایت کے ایک رسالہ میں اسطرح لکھا تھا -
امیر روسیوں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں ہرگز انپر بھروسہ نہ کرینگے - انکا خاص منشا
یہہ ہے کہ روسی کبھی انکے ملک میں دست اندازی نہ کرنے پاویں - وہ یہہ بھی خوب جانتے
ہیں کہ انگریز ہمارے دوست ہیں اور یہہ افغانستان کے لینے کا ارادہ نہیں رکھتے - اسلیئے
کہ انگریزوں نے دو مرتبہ اس ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کرکے چھوڑ دیا مگر باینہمہ یہہ
نہیں چاہتے کہ انگریز انکے ملک میں کوئی دست اندازی کریں اور یہہ بھی احسان
نہیں مانتے کہ انگریز انکے ساتھہ زر کثیر سے سلوک کرتے ہیں اور نہ انکو یہہ خیال ہے
کہ اسکے مقابلے میں گورنمنٹ کی کوئی معقول خدمت انجام دیں بلکہ وہ اپنی سلطنت
بالکل آزادی کے ساتھہ رکھنا چاہتے ہیں اور اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی
انکے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل دے - بلکہ وہ یہہ چاہتے ہیں کہ ہم خودمختاری
کے ساتھہ اپنے ملک میں جو چاہیں وہ کریں کوئی اس باب میں ہمسے تعرض نہ کرے - بالغرض
اگر ہمیشہ سے جیسا کہ انار ہندوں میں لڑائی ہوئی تو وہ اس فریق کے طرفدار رہینگے جس سے
انکو یہہ بھروسہ ہوگا کہ اسکے فتح پانے سے ہماری سلطنت کی آزادی قایم رہیگی -

امیر صاحب جب سے کابل پر جلوہ فرما ہوئے تو انہوں نے یہ پالیسی اختیار کی کہ وہ الی
کابل کو خودمختار اور سلطنت لینا ان جو چاہیئے اور جو بات انکے منہ سے نکلے
وہی قانون سمجھا جائے چنانچہ انہوں نے اسی پالیسی کو عمل میں لانیکے لیے پوری پوری

امیر صاحب نہیں چاہتے کہ کوئی بھی سلطنت اندرونی امور میں دخل دیں

افغان سرداروں کے ساتھ امیر صاحب کا سلوک

کوشش کی - اور اسمیں انکو کامیابی بھی ہوئی - بڑے بڑے مغرور سرداروں
کی امیر صاحب نے خوب خبر لی اور باغیوں کی تو ایسی سخت گوشمالی کی کہ انہیں چھٹی کا
دودھ یاد آگیا - امیر صاحب نے نہ صرف امیر شیر علیخاں کے ہواخواہوں کو بلکہ انکو بھی
کہ جو گزشتہ ہنگاموں میں انگریزوں کے طرفدار تھے چن چن کر کابل اور افغانستان
کی حدود سے نکال دیا - اور سینکڑوں افغان جلا وطن ہوکر انگریزوں کے ٹکڑوں پر
آپڑے - اگست ۱۸۸۴ء میں انگریزوں نے امیر صاحب کو کہا کہ تم اپنے افغانوں کو واپس
کیوں نہیں بلا لیتے - اسکے جواب میں امیر صاحب نے لکھا کہ مولا انہیں پتوں بھاری ہو ہم میں
اتنی توفیق نہیں ہو کہ ان لوگوں کے لیئے تیں لاکھ روپیہ سالانہ صرف کریں - اگر آپ
انہیں ہمارے پاس بھیجدینگے تو میں سب کو مروا دونگا - وہیلر صاحب نے جو امیر صاحب
کی سوانح عمری لکھی ہو اسمیں اس بارہ میں بھی قلم فرسائی کیگئی ہے کہ امیر عبدالرحمن خان
نے امیر ہوکر کتنے آدمیوں کو مروا دیا ہے - بقول اسکے انکی فہرست لکھنی ہمارے
اختیار سے باہر ہے - سینکڑوں کو زہر دلوا دیا - سینکڑوں کو پھانسی چڑھا دیا اور سینکڑوں
انکے حکم سے گلا گھونٹ کر مار دیئے گئے - امیر صاحب کہا کرتے تھے کہ آجکل کابل میں ایک بلا
ہے جو رات کو باہر نکلا کرتی ہے اور جو بدنیت شخص اسکے مقابل میں آئیگا جان
سلامت نہ لیجائیگا - بقول وہیلر صاحب جسپر امیر صاحب کا شبہہ ہوا وہ جان سلامت
نہ لیگیا - ایک دن جولائی میں پانچ سرکردہ افغان راہ میں جا رہے تھے کہ دفعتاً کسی نے
انکو گرفتار کر لیا - پھر یہی خبر آئی کہ وہ ترکستان میں قتل کیئے گئے - سیف الدین
خان جو والئی چترال کا دوست تھا وہ بھی امیر صاحب کے ہاتھ سے نہ بچا - یہ وہی بادشاہ
ہے جو انگریزوں کا دوست تھا اور جس نے شیخ کیونکیر ہر کے بچانے میں بہت کوشش
کی اور خود بھی زخمی ہوا تھا - سیف الدین خان کا سیتر پکڑ کر قید کیا اور طرح
طرح کے غذا ہیں دیتے جسکے کہ بیچارے سخت عاجز ہوکر وہ منہ سیر جو بادشاہ نے

اُسکے پاس امانت رکھا ہوا تھا - امیر صاحب کے حوالے کر دیا - نواب جبار خاں کے بیٹوں علی مراد خاں اور شاہ مراد خاں کو پکڑ کر امیر صاحب نے کاٹھ مروا دیا - اور اُنکو بہت کچھ اذیت دیکر مبلغ تین لاکھ روپیہ نقد اور جائیداد غیر منقولہ اُنسے چھین لی - اُس وقت امیر صاحب کے ایک بدخواہ نے علیحدہ ہوکر کہا کہ امیر کیا ہے ایک باز ہے جو ہر وقت گوشت کی تلاش میں رہتا ہے ؂

محمد جان وردک جسکے باعث جنرل رابرٹس کو جنگ افغانستان میں بہت تکلیف ہوئی تھی - امیر صاحب کا کسی وجہ سے مورد عتاب ہو گیا - اور آناً فاناً قتل کر دیا گیا - پروفیسر ڈارمیسٹیٹر کا بیان ہے کہ لوگ محمد جان کے قتل سے ناراض ہوئے - اور جلال آباد میں کسی نے گیت بنا کر گائے کہ امیر نے فریب سے محمد جان کو قتل کر دیا ہے - کہتے ہیں کہ ایک دن امیر صاحب بازار میں سے گذر رہے تھے اور کوئی شخص یہ گیت گا رہا تھا - امیر نے سنا اور وہیں کھڑا کرکے اُس شخص کو بلایا اور بجائے سزا دینے کے اُس سے بحث کرنے لگا کہ میں نے فریب سے اُسکو قتل نہیں کرایا بلکہ وہ مستحق ہی ایسی سزا کا تھا ؂

شنواریوں کی سرکوبی

۱۸۸۳ء میں شنواریوں کی سرکوبی کے لیئے امیر صاحب نے لشکر روانہ کیا پہلے تو امیر صاحب نے چاہا کہ اُنسے نرمی سے برتاؤ کرے مگر بقول شخصے جیسا کہ سانپ اور بچھو نرمی کو نہیں مانتا اسی طرح شنواری بھی شرارت سے باز نہیں آتے تھے اُنھوں نے امیر صاحب کو کچھ نہ سمجھا جسپر جرنیل غلام حیدر خاں فوج لیکر اُنکی گوشمالی کو روانہ ہوا - پہلے تو اُنہوں نے امیر صاحب کے ایک جرنیل کو مار بھگایا جسپر امیر نے حکم دیا کہ اُس جرنیل کو زنجیروں سے مسلسل کرکے کابل میں لاؤ تاکہ اوروں کو عبرت ہو - آخر ۱۸۸۴ء میں جرنیل غلام حیدر نے اُنکو شکست دی اور مغلوب کر لیا - پھر ۱۸۸۶ء میں جب امیر کا افسر مالگذاری جمع کرنے گیا تو اُنہوں نے فتنہ برپا کیا اور امیر صاحب کے معتمد کو قتل کر دیا - آخر ۱۸۸۸ء میں امیر صاحب نے اُنہیں

بالکل مطیع کر لیا۔ اور یہاں تک دبایا کہ پھر انمیں سر اٹھانیکی ہمت نہ رہی۔ ۱۸۸۶ء
میں ایک غلزئی سردار شیر جان نے سر اٹھایا اور اپنے آپکو امیر شیر علی ظاہر کیا۔
امیر صاحب نے فوراً اسکو گرفتار کر کے ایک تنگ تاریک قیدخانہ میں قید کر دیا۔
اسکے بعد عصمت اللہ کو جو غلزئیوں کا سردار تہا اور سردار ایوب خاں سے سازش کرتا
تہا گرفتار کر کے اکتوبر ۱۸۸۶ء میں پہانسی پر چڑہا دیا۔

غلزئیوں کی گوشمالی

۱۸۸۸ء میں ملا عبد الکریم نے جو ملا مشک عالم کا بیٹا تہا میر افضل اور شاہ خاں پسر
میر افضل کی مدد سے بغاوت کا جہنڈا کہڑا کیا۔ اس بغاوت کی وجہ یہ تہی کہ امیر شیر علیخاں
نے ملا مشک عالم اور اسکے رشتہ داروں کے نام تہوڑی اراضی بطور جاگیر اور معافی کی دی
ہوئی تہی جب امیر عبد الرحمان خاں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے وہ معافی ضبط کر لی۔ اسپر
ملا عبد الکریم کو سخت طیش آیا اور اسنے بغاوت کر کے بہت سے غلزئیوں کو اپنے ساتھ
گانٹھ لیا۔ پہر باغیوں نے حملہ کر کے امیر کے ایک سردار سے جسکا نام سید علی مرزا تہا
ایکسو چالیس شتر۔ اسی گہوڑے اور مبلغ تیس ہزار روپیہ نقد چہین لیا۔ مارچ ۱۸۸۸ء
میں ملا عبد الکریم نے ایک اشتہار دیا کہ ۸۰ ہزار آدمی اسوقت میرے جہنڈے
تلے مرنے اور جان دینے کو تیار ہیں۔ میں تمہارا خلیفہ ہوں اور جو لڑائی میں
عبد الرحمان خاں سے چہیڑی ہے وہ جہاد ہے۔ کیونکہ امیر کافر ہے اور کافروں کا دوست
ہے۔ بلوچستان کی انتظامی رپورٹ بابت ۱۸۸۸-۸۹ء سے واضح ہوتا ہے کہ امیر
صاحب نے سردار گل محمد خاں کو باغیوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا اور تاکید کی
کہ ان سے ہتہیار چہین لیے جاویں۔ مارچ ۱۸۸۸ء میں سرہنگ نذر محمد نے ایک قرآن شریف
اور اپنی مُہر باغیوں کے سرگروہ کے پاس بہیجی اور انکو کہلا بہیجا کہ تم صلح کرو۔ مگر انکے
سر پر جنون سوار تہا۔ وہ کب کسیکی سنتے تہے۔ انہوں نے چاروں طرف فتنہ و فساد کی
آگ مشتعل کر دی اور شاہ خاں کو امیر مشتہر کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے

ہزاریوں کی شورش اور کامیابی

ایک معتبر آدمی روسیوں کے پاس مزید امداد کے لئے روانہ کیا۔ ان دنوں امیر صاحب
کی صحت اچھی نہیں تھی پھر بھی انہوں نے جرنیل کو لکھا بھیجا کہ اس آگ کو بہت جلد بجھاؤ
ورنہ میں خود میدان میں آنے لگا۔ ۲ جون ۱۸۸۸ء کو چند رجمنٹیں بھی بگڑ گئیں اور معاملہ
ہر طرف سے خوفناک نظر آنے لگا لیکن اس موقع پر جو واقعی نازک تھا
امیر صاحب کا استقلال اور جنرل غلام حیدر خاں کی شجاعت
بہت کام آئی۔ خاص کر کے جنرل غلام حیدر خاں کی بہادری اور
لیاقت نے ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سنبھال لیا۔ اور ۲۷ جولائی ۱۸۸۸ء کو اسنے باغیوں

باغیوں کی سرکوبی

کے دانت کھٹے کر دیئے جب باغیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور جرنیل موصوف مظفر و منصور
کابل میں داخل ہوا تو امیر صاحب نے بھرے دربار اسکی بہت کچھ تعریف کی اور دست خاص سے
اُسے ایک تمغہ مکلل بجواہر پہنایا۔ بہر حال باغیوں کا ہوا وہ ناگفتہ بہ فیصلہ اور
بادشاہ میر خاں کو ایسی ایسی تکلیفیں اور عذاب دیئے گئے کہ شاید ہی زخمیوں کو
نصیب ہونگے آخر بیچارے نے تنگ آکر تمام حال کہہ دیا جب اسکی ریش ایک ایک
بال کر کے علانیہ نوچی گئی اور بےبرن ہونے سے خون کے فوارے جاری ہوگئے پھر اُس
بدبخت کے سر پر گرم گرم کڑکڑاتا ہوا تیل ڈالدیا گیا اور وہ ہیزم خشک کی طرح
جل کر مر گیا۔ ملا عبد الکریم جان بچا کر بھاگا اور پھر اُسکا کچھ پتہ نہ لگا۔ کہ کہاں روپوش
ہوگیا۔ ملا مشک عالم کی قبر کھودی گئی اور اُسکی لاش بازاروں میں گھسیٹی گئی اور قبر
پلید ہوکر کاہل جلا دیا گیا۔ تیمور شاہ ایک فوجی افسر جسنے ہرات میں باغیوں کی اعانت کی تھی
گرفتار ہوکر کابل آیا اور پھر بازار سنگسار کیا گیا۔

سردار ایوب خاں کی دوبارہ کوشش

۱۸۸۸ء میں سردار ایوب خاں نے ایک مرتبہ کابل پر قبضہ کرنیکی کوشش کی اور
اگست کے مہینہ میں طہران سے بھاگ کر سرحد افغانستان پر آموجود ہوا۔ مگر امیر صاحب اُسکی
حالت سے غافل نہ تھے جونہی اُسنے علاقہ غور میں قدم رکھا اسکے دشمن اُسکے پیچھے پڑ گئے

آخر بیچارہ بے نیل و مرام جنگل و بیابان کیطرف بھاگ گیا۔

اسحاق خاں کی بغاوت جو امیر صاحب کا چچا زاد بھائی اور افغانی ترکستان کا حاکم تھا۔ واقعی باعث خوف و خطر تھی۔ وہ امیر اعظم خاں کا لڑکا تھا۔ اُسکی والدہ آرمینیا کے ایک عیسائی سوداگر کی لڑکی تھی[1]۔ مگر اسحاق خاں خود پکا مسلمان تھا۔ اِس شخص کو شہسواری کا شوق نہ تھا۔ بلکہ ملّا کہلانا فخر سمجھتا تھا۔ امیر عبدالرحمن خاں کے ہمراہ اسحاق خاں بھی بہت عرصہ تک روسیوں کا نمک خوار رہ کر سمرقند میں بیٹھا تھا۔ اور جب امیر صاحب کابل میں انگریزوں کی ملاقات کو گئے تو جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے اسحاق خاں گورنر بلخ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمن خاں والی کابل ہوئے تو اسحاق خاں نے خط لکھا کہ جیسا تمہارا باپ امیر تھا ویسا ہی میرا باپ بھی تھا۔ تمکو میرے حقوق فراموش نہیں کرنے چاہئیں۔ بلکہ تمہیں یاد ہے کہ اصل حاکم میرا ہی باپ تھا اور جملہ امور اہم میں تمہارا باپ بغیر اسکے مشورہ کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ جب یہ پیغام امیر صاحب کے پاس پہنچا تو پہلے اُنہوں نے دانستہ اغماض کیا اور اسحاق خاں کو طرح دیتے رہے۔ امیر صاحب جانتے تھے کہ اِس وقت فتنے چاروں طرف سے سر اُٹھا یا ہوا ہے۔ اُس وقت اسحاق خاں کو دندان شکن جواب دینا گویا زیادہ فساد بڑھانا ہے۔ آخر جب فتنہ و فساد فرو ہوا اور سرحدی کمیشن واپس چلی گئی تو امیر صاحب نے اسحاق خاں کو کابل میں طلب کیا کہ آکر حساب کتاب سمجھائے۔ اسحاق خاں خود تو نہ آیا۔ مگر اپنا ایک ماتحت افسر کو بھیج دیا کہ جسکو دیکھکر امیر صاحب سخت ناراض ہوئے اور رسیدم

اسحاق خاں کی بغاوت

---

[1] میں نے ایک شخص سے سُنا ہے کہ شادی کے وقت شرط ہو چکی تھی کہ اگر اِس شادی سے لڑکا پیدا ہوگا تو مسلمان کیا جاویگا۔ اور اگر لڑکی پیدا ہوگی تو عیسائی کیجاویگی۔ امیر صاحب اسحاق خاں کی بغاوت تک اسحاق کے ارمنی ماموں کو پنشن دیا کرتے تھے۔

قتل کرا دیا۔ جب اسحاق خاں کو خبر ہوئی کہ میرا آدمی مارا گیا ہے تو اُسنے علم
بغاوت بلند کیا۔ اسحاق خاں کی فوج بھی باقاعدہ تھی اور اُن بندوقوں
سے مسلح تھی جو انگریزوں نے پنجدہ کے ہنگامہ کے وقت امیر صاحب کو دی تھیں
علاوہ بریں سلطان مراد بیگ اسکی رو پر تھا لیکن فتح و ظفر خدا کے ہاتھ ہے وتعز
من تشاء وتذل من تشاء۔

غرض امیر صاحب نے فوراً جرنیل غلام حیدر خاں کو جو سرد و گرم چشیدہ اور کار آزمودہ
جرنیل ہے اور جسکی ہمت سے بغاوت غلزئی فرو ہوئی تھی مع عبداللہ خاں حاکم
بدخشاں کی فوج ترکستان کے مقابلہ کے لیئے بھیجا۔ ۹ ستمبر ۱۸۸۸ء کو بمقام غزنی چک
دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اسحاق خاں کی فوج نے خوب ہی حق نمک ادا کیا حق مردانگی
ادا کیا بلکہ ایک جرنیل نے عبداللہ خاں کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے اور قریب تھے
کہ میدان اُنکے ہاتھ رہے کہ غلام حیدر خاں نے نہایت شجاعت کے ساتھ مردہ دلوں
میں جان ڈالدی اور دشمنوں کی ترکی تمام کردی۔ اسحاق خاں جان بچا کر کے علاقہ روس
کیطرف بھاگ گیا۔ فتحیابوں نے اُسکا مال و اسباب خیمے اور توپ خانہ لوٹ لیا۔ جب
عبداللہ خاں کو شکست ہوئی تو کابل میں کسی نے یہ چرچا کر دیا کہ امیر صاحب کا لشکر
پسپا ہو گیا ہے۔ امیر صاحب نے گھبرا کر فوراً انگریزوں کو مدد کیلیئے لکھا مگر جب غلام حیدر خاں
کی لیاقت سے ہوا بدل گئی تو امیر صاحب کو اطمینان حاصل ہوا اور کابل شہزادہ حبیب اللہ خاں کے
سپرد کر کے ماہ نومبر ۱۸۸۸ء میں خود بنفس نفیس مزار شریف کو تشریف لیگئے اور جولائی ۱۸۸۹ء تک وہیں رہے
اور اثنا رہنے میں انہوں نے باغیوں کی خوب سرکوبی کی اور مشتبہ لوگوں کو سخت سخت سزائیں دیں۔
چنانچہ جب ان سختیوں کی خبر انگریزوں کو پہونچی تو انہوں نے امیر صاحب کو لکھا کہ آپکی سختی سے رعیت
کے دل میں سلطنت کا بھاؤ نہ رہے گی۔ آپ حد اعتدال سے تجاوز کر رہے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۱ء میں مسٹر برئیڈلا متوفی نے پارلیمنٹ میں بھی یہ فقرہ چھیڑا تھا کہ غالباً

جنگ اور فتح

مزار شریف کو امیر کابل نے جو ہمارا وظیفہ خوار ہے سخت اور خوفناک سزائیں دی ہیں۔

۲۶ دسمبر ۱۸۸۸ء کو امیر صاحب مزار شریف میں فوج کا معائنہ کر رہے تھے کہ ناگہاں ایک سپاہی نے اُنپر حملہ کیا اور قریب تھا کہ قتل کر دے مگر یہہ بال بال بچے۔ اور سپاہی وہیں نذر تیغ ہو گیا۔ اِس حادثہ کے بارہ ماہ بعد امیر صاحب ایک آرام چوکی پر بیٹھے ہوئے چرٹ پی رہے تہے کہ ایک دستہ فوج کا اُنکے روبرو سے گذرا اور جب امیر صاحب کے مقابل سے ہو کر جانے لگا تو ایک سپاہی نے امیر صاحب پر گولی چلائی۔ مگر امیر صاحب سے ابھی خداوند کریم کو اور بہت سا کام لینا تھا۔ وہ اس موقع پر بھی بچگئے اور گولی ایک محافظ کو مارتی ہوئی اور ایک مگس ران لڑکے کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی۔

قاتل کے ہاتھ سے جان بچی

یہہ واقعہ ڈاکٹر گرے نے جو امیر صاحب کا معالج تہا اِس طرح بیان کیا ہے۔ امیر صاحب اُس وقت برابر آرام چوکی میں بیٹھے ہوئے چرٹ پیا کئیے اور مطلق ہراسان ہوئے بلکہ اپنی جگہہ سے حرکت تک نہ کی۔ اور جب لوگوں نے قاتل کو پکڑ کر مارنا چاہا تو ہاتھ سے اشارہ کیا ایسے نہ مارو مگر پیشتر اسکے کہ لوگ امیر صاحب کے حکم کو سمجھتے مجرم کی تکا بوٹی ہو چکی تھی۔ اِس سے یہہ دقت واقعہ ہوئی کہ اس شخص کا مدعا معلوم نہ ہوا اور یہہ بھی نہ کُہلا کہ اسکے دل میں کیا کاوش تھی۔ یا اسکے ساتھ کون لوگ شریک سازش تہے۔ بہر حال امیر صاحب نے اُس رجمنٹ کے افسروں کو سخت سزا دی۔

۵ ستمبر ۱۸۸۹ء کو امیر صاحب کا پیارا بیٹا محمد عمر خاں پیدا ہوا یہہ شہزادہ خاص ملکہ حرم سرا کے بطن سے ہے جو شاہی نسل سے ہیں اور امیر صاحب کی نہایت چاہتی ہوئی ہیں اور باقی شہزادے کنیزوں کے بطن سے ہیں۔ انہیں

[illegible] امیر صاحب [illegible] پیغام بھیجا کہ اگر آپ کو

[illegible]

امیر صاحب نے جواب دیا کہ نہیں ہمیں کچھ بھی عذر نہیں ہے مگر جہاں آپکے پانچ سو آدمی قواعد کیا کرینگے۔ اور اسکے عین مقابل میں ہمارے پانچ ہزار آدمی قواعد کیا کرینگے۔ ۳ جون ۱۸۹۰ء میں امیر صاحب مزار شریف سے روانہ ہوئے اور ۱۲ جولائی کو مع الخیر کابل میں پہونچ گئے۔ اس وقت امیر صاحب کے ساتھ آٹھ ہزار پیدل چار ہزار سوار چھ خچر بیٹریاں یعنی دہ توپ خانہ جو خچریں کھینچیں دو فیلڈ بیٹریاں اور دو ہاتھیوں کے توپخانے تھے

سنہ ۱۸۹۱ء میں ہزارہ میں شورش ہوئی جو کم و بیش ۱۸۹۳ء تک لگتی رہی جب ڈیورنڈ صاحب سفارت پر کابل پہنچے تو وہاں بالکل امن تھا

باب ہفتم

امیر صاحب کے عہد کے بعض تاریخی واقعات

امیر صاحب کے زمانہ کا مشہور واقعہ افغانستان کی شمالی سرحد کی حد بندی ہے۔ یہ وہ معاملہ تھا جس پر بہت مدت تک روس اور انگلستان کے مابین نوک جھونک رہی ۱۸۷۳ء میں جب امیر شیر علیخاں افغانستان پر حکمران تھا تو روس اور انگلستان نے یہ قرار دیا تھا کہ دریائے آمو (آکسس) افغانستان کی حد تصور ہونا چاہئیے یعنی شمال مشرق کیطرف پامیر سے لیکر جنوب مغرب کیطرف خواجہ سالار تک اس خط کے ایک انجام پر جو جنگل اندکوہی کے شمال مغرب میں ہے خود مختار ترکمانوں کا علاقہ تسلیم کیا گیا تھا۔ لیکن امیر عبدالرحمن کے عہد حکومت میں جب روس نے ۱۸۸۴ء میں ترکمانوں کی حمایت منظور کرلی تو حد بندی کے معاملہ پر غور کرنے کے لیے

ایک کمیشن کا تقرر ضروری سمجھا گیا۔ جولائی ۱۸۸۴ء میں جرنیل سر پیٹر لمسڈن
اس اہم کام کو سر انجام دینے کے لئے منتخب ہوئے اور روسیوں نے جرنیل زیلینوی
کو مقرر کیا۔ امیر عبد الرحمٰن خاں صاحب سے درخواست کی گئی کہ تم بھی کوئی اپنا
افسر اس معاملہ کے تصفیہ کے لئے مقرر کرو۔ سر پیٹر لمسڈن نے اپنی تقرری کے بعد ایک خط
امیر صاحب کو لکھا اور اسکا جواب امیر صاحب نے یہہ دیا۔

کمیشن سرحدی

مجھے امید ہی کہ تم روسیوں سے ہر تنازع کی نسبت نہایت شجاعت اور دلاوری
سے تصفیہ کروگے اور تم اطمینان رکھو کہ مجھے انہیں کوئی بھی نوشتہ یا تحریر
ایسی نہیں ملی جو انکے لئے افغانوں کی اراضی پر قبضہ کرنیکا بہانہ متصور ہو
میں اپنے حقوق حاصل کرنیکے لئے اسقدر مستعد ہوں کہ جب تک افغانوں میں
ہمت اور جان ہے روسیوں کی یہ مجال نہیں ہی کہ چپہ بھر زمین ہماری سرحد سے
لے سکیں گے۔

لیکن ابھی انگلستان اور روس کے مدبران ملک اس معاملہ پر بحث ہی کر رہے تھے کہ افغان
سپاہی پنجدہ میں آگئے اور روسی پل خاتون میں ٹہری رہے۔ یہہ واقعہ ہے پنجدہ
نومبر ۱۸۸۴ء کے اخیر میں سر پیٹر لمسڈن بھی پنجدہ میں آپہنچا لیکن یہاں آکر اُسنے معاملہ
دگرگون دیکھا۔ روسیوں کے کرنیل علیخانوف اور افغانوں کے جرنیل غیاث الدین میں
تو بہت سخت سخت الفاظ تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ علیخانوف نے افغانی جرنیل کو کاذب کہا
اور اُسنے جواب دیا کہ تمہاری سلطنت بیشک بڑی ہی لیکن تم سارقوں اور چوروں
کی طرح کارروائی کرتے ہو۔ انہیں ایام میں امیر صاحب نے ایک خط سر پیٹر لمسڈن کے
نام لکھا جسکا مضمون یہہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ روسی ہمیں جُل دینا چاہتے ہیں
مجھے خوف ہے کہ اگر وہ اسی طرح ہمیں لیت و لعل میں رکھیں گے تو پھر جاڑے کا موسم
آجائیگا اور برف باری کے باعث ہم ہرات سے اپنی فوج کی مدد نہیں کرسکیں گے
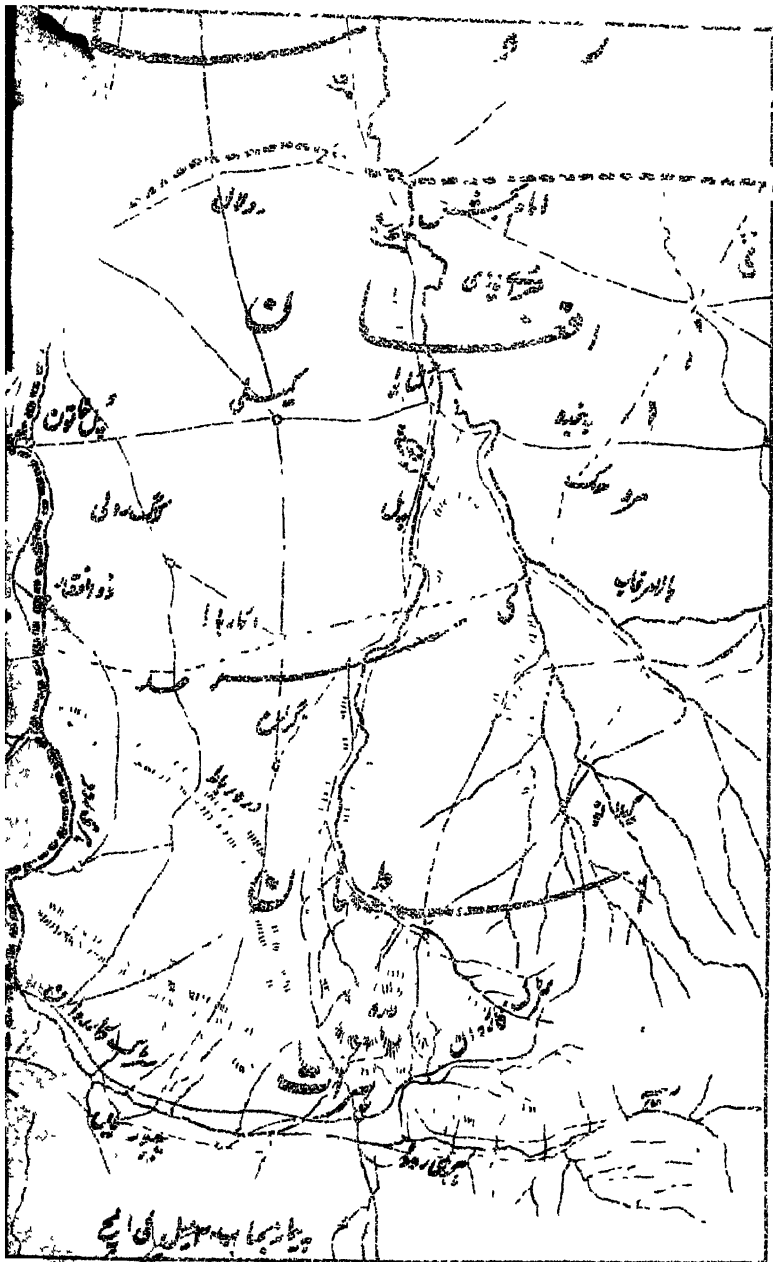
روسیوں کے دعوے کے بعد مجوّزہ حدبندی افغانستان کی بھی۔

... ہماری فوج کا پنجدہ سے ہٹا لیا جانا بہ نسبت ضرورت روسی فوج کا مقابلہ کرنے کے ... سر پیٹر لمسڈن نے امیر صاحب کو جواب میں لکھا کہ موجودہ حالت میں پنجدہ فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مجھے یقین نہیں ہے کہ جب روسیوں کو منع کر دیا ہے تو پھر وہ علاقہ افغانستان میں مداخلت کرنے کی کوشش کرینگے۔ اگر کسی وقت پیش آئے تو ... مشورہ لیا جاوے کیونکہ میں قریب ہی خیمہ زن ہوں۔

۱۹ نومبر ۱۸۸۴ء کو سر پیٹر لمسڈن نے ولایت کو تار دیا کہ ... روسیوں کا پل خاتون پر قابض رہنا ہرگز منظور نہیں کرتا۔ غرض جب سر پیٹر لمسڈن کی ملاقات ... کمشنر سے بمقام تفلس ہوئی تو اُسنے اصرار کیا کہ کافی شہادت سے ثابت ہے کہ پنجدہ علاقہ افغانستان کا جزو ہے۔ ۳۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو بقول سر پیٹر لمسڈن کے روسی افغانوں پر حملہ کرنے کو بڑھے۔ اس وقت افغانوں کی جمعیت چار ہزار کے قریب تھی اور اُنکے پاس صرف آٹھ توپیں تھیں۔ مگر خرابی یہ ہوئی کہ رات کی بارش کے باعث اُنکا بارود نمناک ہو گیا تھا۔ جو اُنہوں نے جیبوں میں ڈالا ہوا تھا۔ اور روسیوں کے مقابلہ میں اُنہیں زک اُٹھانی پڑی۔ آدہ گھنٹہ میں افغانوں کے پانچسو آدمی مارے گئے۔ اور روسیوں کا صرف ایک ترکمان افسر کام آیا دس ترکمان قتل ہوئے اور بیس زخمی ہوئے۔ ۱۶ مارچ ۱۸۸۵ء کو ارل آف گرینول نے سر پیٹر لمسڈن کو بذریعہ تار برقی مطلع کیا کہ اب اگر افغان سر نہ اٹھائیں تو روسیوں نے ہمیں اطمینان دلادیا ہے کہ وہ حملہ نہ کرینگے

پنجدہ میں روسیوں اور افغانوں کی لڑائی

امیر صاحب راولپنڈی کے دربار کے موقع پر آئے ہوئے تھے کہ اُنہیں پنجدہ کے حیرتناک واقعہ کی اطلاع ملی۔ اس واردات کو سنکر ذرہ بھی اُنکی خاطر پریشان نہ ہوئی۔ امیر صاحب نے لکھا کہ مجھے ترکمانوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں ہے اگر وہ اسلام کے پیرو ہیں تو اُنکو چاہئیے کہ اپنی بیویاں اور بچے افغانستان میں

ہے حد ہیں۔ جبتک کہ وہ ایسا نہ کرینگے مجھے انکی وفاداری پر شک رہیگا۔ پھر امیر نے
بیان کیا کہ اگرچہ میں روسیوں کو آگے قدم نہیں بڑھانے دونگا۔ لیکن میں اس بات
پر زور نہیں دیتا کہ ضرور پنجدہ ہماری سرحد میں واقع ہے۔ امیر کی یہہ رائے تھی کہ اگر
مروچاک حد مقرر ہو جاوے تو وہ اس سے زیادہ محفوظ ہو۔

پنجدہ روس کو ملگیا اور مروچاک سرحد مقرر ہوئی

آخرکار ۱۰ مئی ۱۸۸۵ء کو یہہ عہدنامہ مرتب ہوا اور پنجدہ روسیوں کے قبضہ میں
آگیا۔ لیکن انہوں نے ذوالفقار خالی کر دیا۔ اور مروچاک سرحد مقرر کی گئی۔
جب یہہ معاملہ اسطرح پر طے ہو گیا تو امیر نے ایک لمبا چوڑا خط لارڈ ڈفرن
کے نام لکھا جسمیں انگریزی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا اور اس تصفیہ پر اطمینان ظاہر
کیا اور یہہ بھی لکھا کہ اس اقرارنامہ کی ایک مصدقہ نقل جسپر روسیوں اور انگریزوں دونوں
کے دستخط ہوں انہیں بھی بھیجا جائے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ امیر صاحب کو پنجدہ
کے سانحہ کا افسوس نہ ہوا۔ جبتک کہ وہ راولپنڈی میں تھے انہوں نے چنداں ملال
ظاہر نہ کیا۔ لیکن جب کابل میں واپس آئے تو اپنے خیالات اس طرح پر ظاہر کئیے:۔
" افسوس ہے کہ مشہور سر لمسڈن نے اسلیئے روسیوں کے ساتھ ہمارا جنگ ہونے دیا۔
کہ اسکے دل میں یہہ بیوقوفی سمائی تھی کہ تاوقتیکہ روسیوں اور افغانوں میں جنگ
نہ ہولے وہ ہمارے دوست نہیں ہو سکتے "

افسوس ہے کہ امیر صاحب نے جو اپنا کمشنر سرحد کے تصفیہ کیلئے مقرر کیا تھا
وہ اس کام کے لایق نہ تھا۔ قاضی سعدالدین بیشک ایک فاضل شخص تھا۔ مگر معاملات
ملکی میں اسے بہت کم درک تھا۔ اسلیئے معاملہ نے بہت طول کھینچا اور خاطرخواہ
تصفیہ جلدی نہ ہو سکا۔
جون ۱۸۹۳ء میں ایک روسی افسر نے جو پنجدہ کے چارج میں تھا ملنو پر کچھ فساد
کرنا چاہا۔ مگر حکام اعلے نے معاملہ کو رفع دفع کر دیا اور اس افسر کو قرار واقعی سرزنش

کی گئی۔ پچھلے سال پامیر کے گرد و نواح میں فساد کی آگ بھڑکنے لگی جسکے وقعات ترکستان
گزٹ میں اس طرح پر شائع ہوئے کہ ۲۳ جولائی کو کرنیل یانوف نے سنا۔ سومتاش میں
پہنچیں کہ افغان ہمیں ستاتے ہیں۔ ۲۴ جولائی کو ۲ بجے صبح کے کرنیل صاحب سومتاش
گئے تاکہ انتظام کر کے فساد کو رفع کریں جب وہاں پہنچے تو افغانی اہلکار اس کوہ
میں سویا ہوا تھا۔ روسی افسر نے ترجمان کو بھیجا کہ جا کر کپتان غلام حیدر خاں کو بلا لائے
غلام حیدر خاں تھوڑی دیر کے بعد مسلح ہو کر آیا۔ کرنیل یانوف نے اُسے کہا کہ بموجب
عہدنامہ ۱۸۷۳ء کے یہہ جگہ ہماری ہے تم لوگوں کو شورش نہیں مچانی چاہیے۔ امیر
اُسنے جواب دیا کہ میں سوائے امیر کے اور کسی کو نہیں جانتا۔ پھر کرنیل نے اپنے آدمیوں
کو کہا کہ افغانوں سے ہتھیار چھین لو مگر لڑائی ہو پڑی اور کپتان اور پانچ آدمی
مارے گئے۔ لیکن جو رپورٹ گلگت میں پہنچی وہ اِس طرح پر ہے کہ شمس الدین حاکم سومتاش
اپنے خیمہ میں سویا ہوا تھا کہ کرنیل یانوف وہاں گیا اور اُس سے تکرار کرنے لگا۔ اُسنے
جواب دیا کہ میں امیر کے حکم کا نوکر ہوں جسپر روسی افسر نے ایک طمانچہ اُسکے منہ پر مارا
اور افغان سردار نے غصہ میں آکر پستول روسی کرنیل کیطرف چھوڑ دیا لیکن گولی
خالی گئی اور پاس کا سپاہی زخمی ہوا۔ پھر لڑائی ہو پڑی۔ اور شمس الدین اور چھبیس
دیگر کام آئے۔ اِس قسم کے واقعات لگاتار ہوتے رہتے۔ آخر ۱۱ مارچ ۱۸۹۵ء کی تحریر
نے اِن فسادوں اور جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور امن کی صورت قائم ہو گئی۔

انگریزوں کیطرف سے ایک مسلمان افسر بطور ایجنٹ انگریزی کے امیر صاحب کے دربار
میں رہتا ہے اس موقعہ پر اسقدر لکھنا بہت ضروری ہے کہ امیر صاحب کے دربار میں
اب تک تین سفیر ہندوستان کی جانب سے رہ چکے ہیں۔ اور چوتھا اب گیا ہے۔ انمیں
پہلے نواب محمد افضل خاں۔ دوسرے لفٹنٹ کرنل راجہ عطاء اللہ خاں اور تیسرے کرنیل
الہم خاں تھے مگر یہہ تینوں فوجی افسر تھے کہ جنہوں نے اس خدمت سے پہلے کوئی

پولیٹیکل خدمت انجام نہیں دی تھی۔ غنیمت ہے کہ گورنمنٹ نے [illegible]
ایک سول افسر کو اس دفعہ مقرر کیا ہے۔ مگر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ [illegible]
سرحدی باشندہ اور حالات افغانستان کا واقف ہونا چاہیے۔ جب لارڈ لینسڈاون
بہادر وائسرائے ہند ہوئے تو مناسب معلوم ہوا کہ ایک سفارت کابل کو بھیجی جاوے
کیونکہ اس اثناء میں چند باتیں ایسی پیش آنے لگی تھیں کہ جن میں نا اتفاقی کا احتمال
تھا۔ مثلاً امیر صاحب نے باجور وغیرہ کے معاملات میں دست اندازی شروع کر دی
تھی جو انگریزوں کو کسی طرح منظور نہ تھی۔ لارڈ لینسڈاون نے لارڈ رابرٹس کو
اس سفارت کے لیے منتخب کیا۔ لیکن امیر صاحب نے لکھ بھیجا کہ آجکل میں ہزارجات کی
شورش کے استیصال میں مصروف ہوں۔ سفارت کی استقبال کے لئے تیار نہیں ہو سکتا
اور اگر راہ میں بھی کچھ نقصان ہو گیا تو میں ذمہ دار نہیں ہونگا۔ چنانچہ یہ
سفارت ملتوی رہی اور دوسرے سال جنرل رابرٹس ولایت کو چلے گئے کیونکہ
انکی میعاد ملازمت ختم ہو چکی تھی۔

انگریزی سفارت منظور نہیں

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امیر صاحب نے اس سفارت کو دانستہ ٹال دیا تھا کہ کسی
طرح جنرل رابرٹس کا قدم دوبارہ افغانستان میں نہ آئے۔ لیکن سر لیپل گریفن
نے جو بہت لوگوں سے زیادہ معاملات افغانستان کے واقف ہیں اس وقت
گورنمنٹ کو صلاح دی تھی کہ جنرل رابرٹس کی سفارت بھیجنا بڑی غلطی ہے
کیونکہ اس سے روس بھی کابل کیطرف متوجہ ہو جائیگا اور امیر صاحب جو دو طرفہ
بازی کھیل رہے ہیں وہ اسکے خلاف ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ جنرل رابرٹس
بمعیت دس ہزار فوج کے افغانستان کے مشن پر جانے کو آمادہ تھے اور [illegible]
ہر شخص سمجھ سکتا ہے امیر صاحب افغانستان میں غیر ملک کی اتنی فوج کو [illegible]
نہیں چاہتے تھے۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں ایک اور واقعہ پیش آیا جس سے ہندوستان میں یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ انگریزوں اور افغانوں میں بگڑ جائیگی۔ امیر کی رعایا کے چند کاشتکار جو دریائے ہلمند کے کنارہ پر آباد تھے نقل مکان کرکے سیستان میں چلے آئے۔ اس تبدیل مکان کی وجہ یہ تھی کہ امیر صاحب کے کارندے معاملہ نہایت سختی سے تحصیل کرتے تھے۔ گورنر قندھار نے انکا تعاقب تو نہ کیا۔ مگر اُن لوگوں کو جو قراجی چاگہ واقع بلوچستان میں رہتے تھے انکو ناکردہ گناہ پکڑ کر قید کرلیا۔ اس سے انگریزوں کو سخت غصہ آیا۔ کیونکہ چاگہ انکے خیال کے بموجب افغانستان سے باہر بلوچستان کے علاقہ میں واقع ہے۔ انہوں نے امیر صاحب کیطرف ایک مراسلہ بھیجا جسکے الفاظ بہت سخت تھے۔ لیکن اگر چشم انصاف سے دیکھا جائے تو امیر صاحب کو بھی انگریزوں سے بہت سی شکایتیں تھیں۔ انگریزوں نے خوجاک کی پہاڑیوں اور نیو چمن کے اطراف میں ریل جاری کردی تھی اور انکا ارادہ تھا کہ قندھار تک اس سلسلہ کو جاری کردیں۔ اور امیر صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے۔ پہلی ریل گاڑی خوجاک کے زیر زمین راستہ سے ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں جاری ہوئی تھی۔[۱] ایک دن امیر صاحب نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ دیکھو یہ انگریز دوستی کا دم بھرتے ہیں حالانکہ خوجاک کا زیر زمین راستہ مثل ایک چاقو کے ہے جو انہوں نے

سرحد افغانستان بلوچستان کا جھگڑا

[۱] اس عجیب تقریر سے امیر صاحب کی خاص قسم کی ظرافت کا پتہ لگتا ہے جب باوجود انکے انکار کے انگریزوں نے پرانے چمن سے سات میل آگے جدید چمن تک ریلوے لائن بڑھا لی تو امیر صاحب کو یہ امر بہت ناگوار گذرا اگرچہ اتنی سی بات کیلئے وہ انگریزوں سے بگاڑ نہیں سکتے تھے تاہم اپنی ناراضگی اور غصہ کے اظہار کیلئے امیر صاحب نے اپنے ملازموں کو تاکید کی کہ جو ڈاک قندھار کیلئے جدید چمن تک ریل کے ذریعہ پہنچی ہو اسے انکے سوار وہاں سے ہرگز منظور نہ کریں بلکہ ڈاک لوٹا کر انگریزی افسر پرانے چمن سے بھیجدیں تب وہاں سے اور نیو چمن کی راہ سے قندھار کو لانا ہے۔ واقعی ایسی باتوں سے انکی عجیب قسم کی مستقل مزاجی اور ظرافت طبیعت کا پتہ لگتا ہے

خبط شل

یہہ سے دل میں کہو نپ یا ہے۔ نیو چمن کی نسبت امیر نے نہایت زور شور سے کہا کہ انکے قلمرو میں واقع ہے۔ حالانکہ انگریزوں کے پیمانہ کے بموجب امیر صاحب کی سرحد سے دس میل ادہر ہے۔ انگلستان کے مدبروں کا یہ خیال تہا کہ اگر افغانستان کی سرحد تک ریل جاری ہوگئی تو برٹش انڈیا اور جنوبی افغانستان کے درمیان تجارت خوب رونق حاصل کریگی۔ لیکن امیر صاحب نے حکم ناطق دیدیا کہ کوئی شخص اس ریل پر سوار نہ ہو اور حسب معمول قافلے اونٹوں پر اسباب لادکر پہنچایا کریں۔ اس بات سے یہہ گمان نہیں کرنا چاہئیے کہ امیر صاحب ہمیشہ خودسری اور بےپرواائی سے انگریزوں کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ امیر صاحب پرلے درجہ کے رمز شناس ہیں۔ جب موقع دیکھتے ہیں ویسا ہی کام کرتے ہیں۔

امیر صاحب کی توپیں ہندوستان میں روکی گئیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امیر صاحب نے اپنے گماشتہ کی معرفت انگلستان میں آرڈر دیا کہ ہاچکس کی توپیں اور بندوقیں انکے واسطے تیار کرکے بہیجی جائیں۔ سوداگروں نے یہہ جانکر کہ وہ ملکہ معظمہ کے دوست ہیں فوراً انکے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن جب یہہ خوفناک آلات حرب کراچی بندر میں آپہونچے اور امیر صاحب کا گماشتہ انہیں کابل بہیجنے لگا تو شملہ سے لاٹ صاحب نے حکم دیا کہ توپیں روکی جائیں اور کابل کو ہرگز نہ جانی پاویں۔ چنانچہ وہ وہیں رک گئیں۔ جب امیر صاحب کو خبر ہوئی تو ناراض تو وہ ضرور ہوئے ہونگے۔ مگر غصہ کو ضبط کرکے کہا کہ بیشک انگریز حق بجانب ہیں۔

۱۸۹۳ء میں امیر صاحب نے انگریزوں کو اطلاع دی کہ اب میں تیار ہوں سفارت بیشک آجاوے۔ لارڈ لینیڈوین نے محکمہ خارجیہ کے سکرٹری سرہائیمر ڈیورینڈ کو اس کام کے لیے پسند کیا۔ یہہ شخص علم بہی رکہتے تہے اس سفارت کے قابل تہا۔ یہ امیر

سر مارٹیمر ڈیورینڈ

صاحب کے مزاج سے بوجہ اُس تعلق کے جو اُسے نئی سال سے صیغہ خارجیہ امیر صاحب کے معاملات سے رہا تہا بخوبی واقف تھا اور فارسی بہی بخوبی بول سکتا تہا۔ پہلی بات عقلمندی کی سرمارٹیمر ڈیورینڈ سے یہ ہوئی کہ اُسنے کہدیا کہ میں تو امیر صاحب کا مہمان[1] ہوں میں فوج کی بہیڑ بھاڑ لیکر کابل کو نہیں جانا چاہتا چنانچہ سفیر مذکور کی اِس دانائی اور فراست نے اُسکی وقعت کو امیر کی نگاہوں میں دوبالا کر دیا۔ اور اُنہوں نے اُسکی حد سے زیادہ تواضع اور خاطر کی۔ ۹ استمبر ۱۸۹۳ء کو سرمارٹیمر ڈیورینڈ پشاور سے روانہ ہوئے۔ سرحد کابل پر جرنیل غلام حیدر سفارت کے استقبال کے لئے موجود تھا یہہ سفارت مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل تہی:-

(۱) سرمورٹیمر ڈیورینڈ صاحب۔

(۲) کرنیل ایلس صاحب۔

(۳) کپتان میکموہن صاحب۔

(۴) کپتان سمتھ صاحب۔

(۵) کپتان مینرز صاحب۔

(۶) مسٹر کلارک صاحب۔

(۷) سرجن میجر فن صاحب۔

اِن لوگوں کے علاوہ بنگال لانسرز نمبر ۹ سے بارہ افغان بطور اردلیوں کے ہمراہ تہے۔ اور سیقدر ہندوستانی کلرک اور ترجمان تہے۔ غرض کل جمعیت ملا کر کوئی تین سو آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ تہی۔ اِس قافلے کے ساتھ دو سو اونٹ

---

[1] یہ دیکہ اچہی پولیٹکل طرح تہی۔ وزیر ہند سرمارٹیمر کو افغانستان میں جاکر سلامت واپس آنیکا اسقدر شک تہا کہ اُسنے زندگی کا بیمہ کریکی کمپنیوں میں اپنی زندگی کا بیمہ کرا دیا تھا۔

اسیقدر نیچریں اور پچاس گھوڑے بھی تھے۔ جلال آباد میں سفیر اُسی مکان میں اُتارا گیا جو امیر صاحب اپنے لیئے بنوا رہے تھے۔ جب سفارت کابل کے گردنواح میں پہنچی تو مسٹر پین جو اب سر سالٹر پین ہیں امیر صاحب کیطرف سے سفیر کے خیر مقدم کے لیئے آئے۔ ۲۔ اکتوبر کو یہ لوگ کابل میں داخل ہوئے اور کابل کے توپخانہ سے انکی سلامی ہوئی۔ مہمانوں کے لیئے شہزادہ حبیب اللہ خان کا مکان آراستہ کیا گیا تھا جو خاصکر کے قابل دید تھا۔ خوابگاہ میں جو پلنگ بچھا ہوا تھا اُسپر سونیکا کام آنکھوں کو چوندھیاتا تھا۔ اور اس پلنگ کے گرد لیلے مخمل و کمخواب کے تھے۔ پردہ آسمانی ساٹن کے اور قریب اُسکی ایک پی انیو باجا رکھا ہوا تھا۔ دوسرے دن سفیر انگریزی امیر کابل کی ملاقات کے لیئے گیا۔ امیر صاحب نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا اور بہنگام گفتگو بیان کیا کہ ہم نہایت خوش ہیں کہ ایسا جلیل القدر شخص جو سرکار انگریزی کا معتمد الیہ ہے ہمارے ملک میں سفیر بنکر آیا ہے۔ اور بڑی خوشی کا مقام یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھہ فارسی زبان میں گفتگو کر سکتا ہے۔ پھر امیر صاحب سر مارٹیمر ڈیورنڈ سے مختلف مضامین پر بحث کرتے رہے مثلاً مرض نقرس پر جسکا امیر صاحب کو عارضہ ہے۔ بحکم ریل پر اور اپنے سیر یورپ کے ارادہ پر۔

سفارت انگریزی اور امیر صاحب

دوسرے دن سفیر اور انکے ہمراہیوں کو امیر صاحب کے نئے محل کی سیر کرائی گئی اور وہ اُسکی آرایش اور سجاوٹ دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اس محل میں امیر تیمور کی تصویر بھی آویزاں تھی۔

۱۲۔ دسمبر کو عظیم الشان دربار ہوا۔ اس دربار کی کیفیت اسطرح پر ایک اخبار میں درج تھی۔

"سر ڈیمر اور انکے ہمراہیوں کا استقبال مکان دربار پر امیر صاحب کے دونوں

شہزادوں حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں نے کیا اور کمرہ دربار میں انہیں
لیجا کر بٹھایا۔ سفیر کے مقابل میں امیر صاحب کے فوجی اور سول افسروں کے لیئے
چوکیاں بچھی ہوئی تہیں۔ علاوہ دیگر اشخاص کے اس وقت جنرل جان محمد حاکم
توپخانہ۔ جنرل میر محمد اور خان ملا موجود تھے۔ امیر صاحب کے تخت کے پائنداز میر
شیر کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ جب امیر صاحب تشریف لائے تو تمام اہل دربار سر قد
استادہ ہو گئے۔ آتے ہی اُنہوں نے تمام انگریزوں سے مصافحہ کیا اور تخت پر
بیٹھ گئے"

قصہ مختصر جب سر مارٹیمر ڈیورینڈ وہاں سے رخصت ہوئے تو تمام کام نہایت
خوش اسلوبی کے ساتھ بھگتا کر آئے۔ گورنمنٹ انگلشیہ کا منشا پورا ہو گیا فریقین
کی کشیدگی رفع ہو گئی اور پہر سلسلۂ دوستی مستحکم ہو گیا۔ امیر صاحب نے وعدہ کر لیا
کہ آئندہ میں چترال۔ باجور۔ سوات اور آفریدیوں کے معاملات میں دخل نہیں
دونگا۔ اور انگریزوں نے اُنکے وظیفہ کو ڈیوڑھا کر دیا یعنی بجائے بارہ لاکھ
روپیہ سالانہ دینے کے اٹھارہ لاکھ سالانہ مقرر کیا[۱]۔ اور امیر صاحب کو کافرستان
فتح کرنیکا بھی حق حاصل ہو گیا*

تکمیل معاہدہ

۲۳ جنوری ۱۸۹۴ء کو مارکوئیس آف لینسڈون نے جو اسپیچ رخصتانہ کی
اسمیں سر مارٹیمر ڈیورینڈ کے حسن انتظام کی بہت تعریف کی اور کہا کہ تمہاری
سفارت میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔

اکتوبر ۱۸۹۳ء میں سر مارٹیمر ڈیورینڈ نے جو معاہدہ کابل میں کیا وہ ایک
پارلیمنٹ کے کاغذ سے حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے:۔

چونکہ دربارۂ سرحد افغانستان کے کچھ گفتگو پیش آئی ہے جسکا تعلق ہندوستان سے

---

[۱] ششماہی ہجری دوسری سہ ماہی میں معلوم ہوا ہے کہ سرحد خان کی حفاظت کے لئے امیر صاحب کو پچاس ہزار روپیہ سالانہ سرکار انگریزی نے اور دینا منظور کیا ہے۔

ہے اور ہز ہائینس امیر کابل اور گورنمنٹ انڈیا ان باتوں کا فیصلہ دوستانہ طریقہ سے کرکے دوستانہ سمجھوتہ قایم کرنا چاہتی ہے اور ہر دو مقامات کی حد مقرر کرنا چاہتی ہے تاکہ برائے آیندہ کوئی اختلاف رائے ہر دو گورنمنٹوں میں نہ ہو لہذا حسب ذیل وجوہ قرار دیئے گئے۔

شرائط معاہدہ

اول - مشرقی اور جنوبی سرحد عملداری ہز ہائینس کی واخان سے سرحد فارس تک حسب لین نقشہ منسلکہ ہوگی۔

دوم - گورنمنٹ انڈیا کسی وقت میں اُس عملداری سے مداخلت نکریگی جو حدود افغانستان میں ہوگی اور ہز ہائینس امیر کسی وقت میں اُس عملداری میں مداخلت نہ کرینگے جو اس حد کے باہر جانب ہندوستان ہوگی۔

سوم - برٹش گورنمنٹ تسلیم کرتی ہے کہ ہز ہائینس اسمار پر قابض ہیں اور اُسکے اُس جانب وادی چیندک تک انکو اختیار ہے - اور ہز ہائینس اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ کسی وقت میں وادی سوات سے کسی طرح کی مداخلت نہ کرینگے - اور سوات - باجور چترال - اور دیر - یا وادی اشنغر سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے اور برٹش گورنمنٹ رضامند ہے کہ ہز ہائینس کو بیرمل کا حصہ دیدے جو اُس نقشہ سے مفصل طور پر ظاہر ہوگا - جو ہز ہائینس کو دیا گیا ہے اور ہز ہائنس نے وزیری اور داوڑ کے ملک اور چارگاہ سے قطع تعلق کیا ہے۔

چہارم - سرحدی لین بعد کو مشرح طور سے قرار دیجائیگی جسکی کارروائی برٹش اور افغانی کمشنروں کے ذریعہ سے ہوگی اور اسکا منشا یہ ہوگا کہ باہم سمجھوتہ سے ایک سرحد قائم کیجائے - اسکے بارہ میں حتی الامکان لین موافق نقشہ منسلکہ کے ہوگی اور استحقاق مواضع حوالی سرحد کا بھی لحاظ رکھا جائیگا۔

پنجم - گفتگو ئے چمن کے بارہ میں امیر اُس اعتراض کو واپس لیتے ہیں جو جدید برٹش

کمپو قایم لینے پر تھا اور برٹش گورنمنٹ کو اپنا وہ استحقاق واپس دیتے ہیں جو سرکئی اور تلیری کے پانی کا خرید کیا تھا*

ششم۔ چوٹی خواجہ عمران کی شاخ پہاڑی واقع متصل شاہ کوتل سے جو برٹش عملداری میں ہیگا سرحدی لین ایسی سمت سے جائیگی تاکہ مرغ چمن شرابو کا چشمہ افغانستان کے لئے چھوٹ جائے اور یہ سرحد جدید چمن کے قلعہ اور افغانی بیرونی تہانہ کی قریب سے گذریگی جو کہ لشکر ڈانڈ کرکے مشہور ہے۔ وہاں سے مابین ریلوے اسٹیشن اور سپاہیاں بلاک کے گذریگی اور جنوبی جانب جائیگی وہاں سے خواجہ عمران کی پہاڑی میں شریک ہوگی گو رجہ کا تھانہ برٹش عملداری میں ہوگا اور شراوک کو جو سڑک گئی ہے وہ مغربی جانب رہیگی اسکے جنوب میں گو رجہ واقع افغانستان ہوگا۔ اس سڑک کے نصف میل تک برٹش گورنمنٹ کوئی مداخلت نہ کریگی۔

معاہد مذکور گورنمنٹ انڈیا اور امیر افغانستان ایک قابل تسکین فیصلہ خیال کرتے ہیں جسمیں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے جو کہ حال میں مابین گورنمنٹ ہند اور امیر افغانستان کے پیش آیا تھا اور تفصیل کے بارہ میں گورنمنٹ ہند اور امیر افغانستان عہد کرتے ہیں کہ اُسکا فیصلہ دوستانہ طریقہ سے وہ افسر کرینگے جو سرحد قایم کرنے پر مقرر ہوں تاکہ برائے آئندہ کوئی شک وشبہ اور باعث غلط فہمی ہر دو گورنمنٹوں میں نہ پیدا ہو۔

ہفتم۔ چونکہ یقین کامل ہے کہ ہز ہائینس بریٹش گورنمنٹ کی طرف سے نہایت نیک نیت اور اس خیال سے کہ افغانستان آزاد و مضبوط ہو گورنمنٹ آف انڈیا سامان جنگی کے طلب کرنے میں ہرگز مداخلت نہ کریگی بلکہ اس بارہ میں گورنمنٹ آف انڈیا خود امیر کی مدد کریگی۔ علاوہ ازیں اس لحاظ سے کہ ہز ہائینس امیر نے دوستانہ طریقہ سے اس فیصلہ کے

منظور کیا ہے۔ گورنمنٹ انڈیا نے علاوہ اس بارہ لاکھ کے جو ہز ہائینس کو ملتے ہیں چھہ لاکھ روپیہ اور زیادہ کر دیئے ہیں۔

جس وقت ہندوستان کے اخبار نویسوں کو معلوم ہوا کہ امیر صاحب کے وظیفہ میں اسقدر اضافہ ہو گیا ہے تو اُنمیں سے بعض نے وہ واویلا کی کہ توبہ۔ اُنہوں نے اس بات پر زور دیا کہ کیوں سرکار انگلشیہ ہندوستانیوں کا گلا کاٹ کر افغانوں کا پیٹ پال رہی ہے۔ اگر خدانخواستہ روسیوں نے ہندوستان کا رُخ کیا تو یہہ لوگ ہرگز ہماری مدد نہیں کرینگے۔ سرکار کو اُنکے چکموں میں نہیں آنا چاہیئے یہہ بڑے مطلب پرست ہیں سرکار کو چاہیئے کہ ہندوستانیوں کے حال پر رحم کرے۔ اور جو روپیہ کہ وہ نہایت عرقریزی سے پیدا کرتے ہیں مفت خوروں کی نذر نہ کرے۔ ہم لوگ نان شبینہ کو محتاج ہیں اور افغان پلاؤ اور مرغ کے گوشت اُڑاتے ہیں۔ کیوں نہیں سرکار افغانستان کو علاقہ انگریزی بنا لیتی اور ہر روز کے مخمصہ کا تصفیہ کر دیتی۔ کئی بار انگریزوں نے افغانوں کو آزمایا ہے یہہ اُنکے تہہ کنڈوں سے بخوبی واقف ہیں۔ پھر خدا معلوم اُنکی سمجھہ کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اس معاملہ کی تہہ کو نہیں پہنچتے اور فتح کر کے بھی کابل کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھتے۔ مگر یہہ ایک کوتہ اندیش گروہ کے خیالات ہیں۔ جو لوگ اصل حالات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ انگریز ایسے بیوقوف نہیں کہ یاپہ بہی مفت دیں۔ روسیوں کا مدت مدت سے ہندوستان پر ہے۔ ایک نہ ایک دن ضرور آئیگا کہ وہ ہندوستان کیطرف بڑہیں۔ مگر اس طرف آنیکے لیئے ضروری ہے کہ وہ افغانستان کو موافق کریں یا فتح کرلیں۔ سرکار انگلشیہ کی پالیسی یہہ ہے کہ افغانستان کو ایسا طاقتور بنا دے کہ روسی اُسکو فتح نہ کر سکیں[1]۔ افغانستان کوئی زرخیز ملک نہیں ہے

---

[1] اخبار پایونیر نے ایک دلچسپ نوٹ میں امیر صاحب کے وظیفہ کی زیادتی کو جب ثابت کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ سر نائٹیمر ڈیورنڈ کی معرفت جو امیر کا وظیفہ ۱۲ لاکھ سے بڑھا کر ۱۸ لاکھ کر دیا گیا اُسکی نسبت

(دیکھو صفحہ ۹۹)

اُسکی آمدنی اُسکے اخراجات کے لیئے مشکل سے کتفا کرتی ہے۔ اُسکا فتح کرنا انگریزوں
کے لیئے کسیطرح مفید نہیں ہے۔ قطع نظر اسکے افغان ایسی ٹیڑھی اسامی ہیں کہ اُنکا
تابع رکھنا بہت کٹھن کام ہے۔ وہ اپنے ہمقوم اور ہم مذہب ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرسکتے
ہیں۔ اُسکے بغیر وہ کسی افلاطون کو بھی کچھ نہیں جانتے۔ اِس لیئے سرکار انگریزی
بہت اچھی پالیسی چل رہی ہے۔ جو اُسکے گرانقدر ذاتی تجربہ پر مبنی ہے۔ امیر
صاحب کو بیشک ایک کثیر رقم زر دیجاتی ہے اور علاوہ اِسکے اسلحہ وغیرہ سے
بھی مدد دیگئی ہے۔ تاکہ وہ اپنی سلطنت کو ایسا مضبوط کرلیں کہ روس سہولیت
سے ہندوستان کیطرف رخ نہ کرسکے لیکن امیر صاحب اِس وظیفہ کا ایک حصہ ہندوستان
کے شمال مغربی سرحد کی اقوام کو بھی دیتے ہیں۔ تاکہ وہ سرحد پر امن قائم رکھیں۔
بہت کم ناظرین کو معلوم ہوگا کہ یہہ سرحد کا وظیفہ کوئی انگریزوں کی ایجاد نہیں

افغان غیر قوم کو بادشاہ پسند نہیں کرتے۔

بقیہ صفحہ ۹۶

کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ جہانتک نظر غور سے دیکھا جاتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امیر
کے وظیفہ میں ضرور زیادتی ہونا چاہیئے تھی۔ ہندوستان اور افغانی سرحد کے معاملات
میں بہت سی جنگیں کوہستانیوں کی گوشمالی کے لیئے کرنی پڑتی تھیں اور اُنمیں بہت
کچھ صرف ہوجاتا تھا۔ اُسکے سامنے یہہ ۶ لاکھ کا اضافہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یقیناً یہ لڑائیاں اب
بند ہوجاینگی۔ پہاڑی قومیں جو حملے کیا کرتی تھیں اُنکے بندوبست کو سرحد پر چوکیاں اب نئے
بٹھائی ہونگی جنگ کے سامان کی ٹوٹ پھوٹ نہ ہوگی جو اِدہر اُدہر مارا پیٹا پھرتا تھا۔ علاوہ برین
ایک دوسری نظر سے بھی اِس معاملہ کو دیکھ لینا چاہیئے۔ جب پہلے ہی سنہ ۸۳ء میں امیر صاحب
کو ایک لاکھ روپیہ ماہواری ملنا شروع ہوا تو روپیہ ۲۰ پنس کا تھا اب جبکہ ۱۲ پنس کا رہگیا ہے
تو دیکھنا چاہیئے کہ کابل کے خزانہ پر اسکا کیا اثر ہوگا۔ امیر صاحب کو ہر وقت اپنی فوج تیار
رکھنا پڑتی ہے اور ہتھیار اور سامان جنگ کی درستی میں اُنکا بہت کچھ خرچ ہوجاتا ہے
اور وہ سب سامان اُنکو یورپ سے انگریزی سکے دیکر خریدنا ہوتا ہے۔ اُنہیں بھی سب لوگوں
کی طرح یہاں ایک پونڈ کے سولہ یا سترہ روپے دینے پڑتے ہیں پس اُنکے یہ چھ لاکھ جو زیادہ ہوئے
ہیں اُس حالت میں کچھ بھی حقیقت نہ رکھیں گے۔ جب اِس پر نظر بھی (دیکھو صفحہ ۹۰)

بلکہ شاہان مغلیہ بھی اِن آزاد اقوام کو جو افغانستان اور ہندوستان کے مابین سکونت رکھتی ہیں دیا کرتے تھے۔ فریر صاحب کی تاریخ افغانستان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نادر شاہ نے مہم ہند کا قصد کیا اور اِس علاقہ سے گذرنے لگا تو سرحدی پٹھانوں نے درخت کاٹ کاٹ کر دروں کے راستے بند کر دیئے۔ اور چوٹیوں پر سے نادر کی فوج پر اسقدر پتھر پھینکے کہ نادر کو ایسے شخص کو اِن سے مصالحت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور جب نادر نے انہیں انکا حق دیکر راضی کر لیا تو یہہ اُسکی فوج میں شریک ہو گئے۔ اِس سے ظاہر ہے ہندوستان کے امن کے لیئے اِن افغانی قبیلوں کو کچھ دینا ضروری ہے اور وہ امیر صاحب اُس روپیہ سے انہیں ہی تقسیم کرتے ہیں۔

سرحدی آزاد قوموں کے وظائف

باب ہشتم

کچھ اور پولیٹکل چالیں اور کامیابیاں

بہت کم لوگ ہندوستان میں جانتے ہیں کہ امیر عبدالرحمٰن خان صاحب شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں لیکن یہہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ پولیٹکل شطرنج بازی میں انہیں بلند ہی بڑھکر حاصل ہے۔ یہانتک کہ اِس میدان کے کھلاڑیوں میں انہیں وہ رتبہ حاصل ہے جو شطرنج کے کھلاڑیوں میں ابو زید کا مشہور ہے۔

یورپ میں خرچ کرنے پڑیں گے ہمیں یہہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ امیر صاحب بہ نفس خود بھی افغانستان کی مدد خوہست نہیں کی تھی کیونکہ مشرقی رئیس ایسی گفتگو کو معیوب سمجھتے ہیں۔

بلکہ انکی نسبت یہہ کہنا بھی ناموزوں نہیں کہ ع

ابو زید را اسپ و فرزین ہمہ

خطاب ضیاء الملت والدین اختیار کرنا

۵ مئی سنہ ۱۸۹۳ء کو بروز عید الضحیٰ امیر عبد الرحمن خاں صاحب نے کابل میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا کہ جسمیں تمام ملک کے وکیل اور قوموں کے سرگروہ اور سردار شریک تھے اور اسمیں ملا علوم صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایک بیش قیمت تمغہ مکلل بجواہر امیر صاحب کے سینہ پر چسپاں کیا۔ یہہ تمغہ اس رقم سے تیار کیا گیا تھا جو تمام افغانستان کے رئیسوں نے اپنی رضا و رغبت سے امیر صاحب کے خطاب "ضیاء الملت والدین" اختیار کرنے کی خوشی کے موقعہ پر ملک کی طرف سے چندہ کر کے انہیں ہدیہ کرنا مناسب سمجھے تھے۔ دراصل یہہ کارروائی نتیجہ امیر صاحب کی گہری پولیٹکل لیاقت کی ایک عمدہ چال کا ہے جو وہ حال میں چلے ہیں۔ جو لوگ کہ افغانستان کی تاریخ سے کسیقدر واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس بدنصیب ملک کی خرابی کا بڑا باعث یہی رہا ہے کہ بادشاہ وقت کے بعد خاندان شاہی کے تمام متوسل تخت گیری کی فکر میں ہو جاتے ہیں اور جابجا بغاوتیں اور فتنے پیدا کر کے سلطنت کو ایک مسلسل بدامنی کی حالت میں مبتلا رکھتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر شاہی خاندان کے متوسل کبھی کبھی تخت سلطنت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں کہ جیسا کہ انہیں ایام راقی میں امیر شیر علی خاں کے زمانہ حکومت کے ابتدائی اور آخری واقعات سے ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ افغانستان کے زیرک اور رمز شناس بادشاہ کا سب سے پہلا غرض یہ ہونا چاہئیے کہ اس ملک کے جاہل مگر مذہبی سرگرم رعایا کے تعصبات مذہبی کو غیر مسلم قوموں کے خلاف ہمیشہ بھڑکائے رکھنے اور اپنے حقوق شاہی کے نگاہ اور محفوظ رکھنے کے لیئے احکام شرعی کی پابندی کی تاکید کرتا رہے۔ کیونکہ دین اسلام میں اولی الامر یعنے بادشاہ وقت کی اطاعت

اور حفاظت مذہب کے لیئے کافروں سے مقابلہ کرنے کے متعلق بکثرت احکام موجود ہیں
امیر عبدالرحمٰن خاں ایسا شخص نہیں ہے جو ایسی باتوں سے فایدہ اُٹھانے میں تامل کرے
امیر صاحب کو یہہ بات ابتدا سے ذہن نشین ہو چکی ہے کہ قوم یا قوم کے سرگروہوں کی
رضامندی حاصل کرنے یا کم از کم ایسا ظاہر کرنے سے بہت سے پولیٹیکل خرخشات رفع ہو جاتے ہیں
چنانچہ اُنہوں نے روسی ترکستان سے لوٹ کر تخت افغانستان انگریزوں کے ہاتھ سے
کارروائی کی تھی اور جواب دینے میں بڑا انتظار کرایا تھا۔ بلکہ جواب میں یہہ بھی کہدیا
تھا کہ میں تنہا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ جبتک میرے اہل قوم جو میرے گرد جمع
ہو گئے ہیں کسی امر پر متفق نہو جائیں۔

اِن سب امور کو مد نظر رکھکر حال میں امیر صاحب نے اپنی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا
ہے۔ اور تمام اہل افغانستان کے خورد و کلاں وضیع و شریف سے ایک عہدنامہ پر دستخط
کرائے ہیں کہ جسکے مطابق وہ پابند ہو گئے ہیں۔ کہ سوائے امیر عبدالرحمٰن خاں کی آل و اولاد
کے سر دار پائندہ خاں کی نسل کے اور کسی سردار کی اطاعت نہ منظور کرینگے۔ امیر
صاحب کو خطاب ضیاء الملت والدین سے یاد کرینگے اور اُنکی جاں نثاری سے وفاداری
سے کبھی سرتابی نہ کرینگے اور اپنے ملک سے ایک چپہ زمین جبتک دم میں دم ہے کسیکو
لینے نہ دینگے۔ اور ہر آٹھہ آدمیوں میں سے ایک حفاظت ملک کے لیئے سپہگری کی
واسطے وقف کرینگے۔ ظاہر کیا گیا ہے کہ انمیں سے چار شرایط عہدنامہ کے بلا اکراہ
و ترغیب خود بخود اعیان و اکابر فرقہ محمدزئی نے مرتب کرکے امیر صاحب کی خدمت
میں پیش کی تھیں۔ اور جب امیر صاحب نے اپنی رعایا کے دوسرے فرقوں سے دریافت
کیا کہ انہیں بھی اِن باتوں سے اتفاق ہے تو سب نے اُنپر اتفاق ظاہر کیا مگر
پانچویں شرط اُنپر اور اضافہ کر دی۔[۵]

امیر صاحب کی اولاد کے افغان کسی کی اطاعت نہیں منظور کرینگے۔

[۵] یہہ پانچویں شرط ... یہہ تھا کہ چونکہ ... دین ہو تو اعد شرع متین کی حمایت اور اُنپر عملدرآمد بخوبی تمام ہوتا رہے اور طریقہ
(بقیہ صفحہ ۱۰۱)

دینداری اور شرائط اسلامی سے تمام مسلمان رعایا بوجہ احسن فایدہ اٹھاتی ہے۔ مساجد و معابد جو کہنہ اور منہدم ہوگئے تھے از سر نو انکی تعمیر و آبادی ہوئی علما و خطاب موذنین وغیرہ ہر قسم کی نعمتیں و رعایتیں وغیرہ ہمیں بطفیل شاہی میسر ہیں۔ اسکے علاوہ قوانین مملکت داری روز بروز بہتر اور خوبتر ہوتے جاتے ہیں۔ اور آلات حربیہ اور دیگر اسباب اور لوازمات بھی ضرورت وقت کے مطابق ہمارے لیئے مہیا ہوئے ہیں لہذا ہم نے بالاتفاق مناسب جانا کہ آپکے نام نامی کے ساتھ امیر المومنین ضیاء الملتہ والدین کا خطاب بڑھایا جائے۔ چنانچہ ان الفاظ مبارک کو قطعہ نشان میں درست کراکے حضور میں پیش کرنیکے لیئے ہم لائے ہیں۔

حد بندی مملکت

فقرہ دوم۔ یہ تہا کہ چونکہ زمانہ سابق میں ہماری سلطنت اور سلطنتہائے غیر کے درمیان حد بندی مشخص نہ تھی اور نہ کوئی اس قسم کی دستاویز تھی جس سے اپنی اور غیر کی سلطنت میں امتیاز ہوسکے۔ لیئے اپنے ملک کی نگرانی ہمیشہ نہایت مخدوش حالت میں رہا کرتی تھی۔ اب چونکہ حضور والا کی سعی و توجہ سے چاروں طرف کی حدبندی ہوچکی ہے تو گویا کہ ہمارے مکان کی چار دیواری کھینچی گئی ہے۔ اور اس چاردیواری کے اندر ہماری دولت دین ننگ و ناموس وغیرہ محفوظ ہوگیا ہے۔ اسلیئے ہم تمام رعایا اس بے پایاں احسان شاہی کے بھی نہایت ممنون اور خدائے تعالی کے نہایت شکر گذار ہیں اور اپنی زمین سرحد کو جان کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ ایک ایک اینٹ کے ٹکڑے پر ہمارا سر لگا ہوا ہے۔ اور کسی زمانہ میں بھی ہم اپنے حق میں سے ایک ذرہ کسی دوسرے کو نہ لینے دینگے۔

امیر کے عہد کی برکتیں

فقرہ سوم۔ یہ تہا کہ اس حکمرانی کے زمانہ کثیر میں عنایات و توجہات شاہی سے (جو اقوال و افعال سے ہم پر صادر ہوتے رہے ہیں) ہماری دولت و ملت کو بے انتہا فایدہ پہنچا ہے۔ نیک اور لایق آدمیوں کو علی قدر مراتب عہدے اور نعمتیں بخشی گئیں۔ اور شریر النفس لوگ جو موجب اختلال امور مملکت داری تہے وہ ہمارے درمیان سے دور کر دیئے گئے۔ اسکے علاوہ وہ باتیں جو ہم نے دینی اور دنیوی کاموں میں چھوڑ دی تہیں اب ہم اپنی جان کے ساتھ انہیں وابستہ سمجھنے لگے ہیں۔ غرضیکہ ان انتظامات کو ہم اپنی بہتری کا موجب خیال کرتے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۰۲)

[illegible]

اور ہم اپنے بادشاہ سے جان نثاری سے کبھی ہرگز دریغ نہ کرینگے اور نہ کبھی طاعت اور فرمانبرداری سے سرتابی کرینگے۔

فقرہ چہارم ۔ یہ تہا کہ اس عرصہ دراز حکمرانی میں حضور والا کی طرف سے معدلت گستری اور رعیت پروری میں کبھی کسی قسم کی فروگذاشت نہیں ہوئی۔ اور ہم اپنے ملک کی اُس امانت داری کو حضور کے ساتہہ پوری اطمینان اور منت پذیری کے ساتہہ تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا ہم تمام رعایائے افغانستان عہد و پیمان واثق کرتے ہیں کہ حضور کو اس ملک کا صاحب تاج اور تخت اور خود کو رعیت خدمتگذار اور دین و دولت کا فرمانروا جانتے رہیں گے اور اولاد و احفاد حضور کو بھی ہم لوگ اسی عہدہ و منزلت پر تسلیم کریں گے جس پر کہ حضور کی طرف سے وہ متعین ہونگے۔ ہمیشہ اُنکے رتبہ و درجہ کے مطابق اونکی طاعت اور خدمتگذاری کیا کرینگے۔ اور اگر کوئی شخص اقوام افغانستان سے خواہ قوم محمد زائی سے ہوں یا غیر آں طائفہ داخلی سے ہو یا خارجی سے ہو گمراہ ہو کر خیال بغاوت بھی دل میں لائیگا تو ہم سب دین و ملت کے حکم کے مطابق اُسے باغی جانکر اُسکی سزائے جانی و مالی کو اپنا فرض عین سمجہیں گے اور ان تمام اقوال و عہد و پیمان کی بابت ہم خدا تعالیٰ اور اُسکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضامن دیتے ہیں اور اس عہدنامہ کو برائے منظوری و قبولیت حضور میں پیش کرتے ہیں۔

باغی کی سزا

فقرہ پنجم (اضافہ شدہ) یہ تہا کہ چونکہ استحکام سرحد ملک ہماری احکام دین کے مطابق واجبات سے ہے لہذا اب جبکہ ہماری سلطنت کی حدود مشخص و مرتب ہوگئیں تو اُنکی حفاظت کے لیئے کافی سپاہ بہی لازم ہے۔ پس ہر جگہ کے ۸ مردمان کاری میں سے ایک شخص کو علیحدہ اور فکر معاش سے سبکدوش کر کے وقت ضرورت کے آنے تک مشق قواعد نظامی اور کسب فنون سپاہگری میں مصروف رکہیں گے تاکہ جس وقت ضرورت پیش آوے یہہ تمام آدمی اپنے ملک کی حفاظت کے کام آسکیں۔

والنٹیر فوج

چونکہ ان لوگوں کی تجویز بھی آخر بینی اور دور اندیشی پر مبنی تہی۔ لہذا اُنکے اتفاق و اخلاص سے بہی ہم خوشنود ہوئے۔ اور چونکہ معاہدہ متذکرہ بالا کے تمام خطوط و عرائض جمیع ولایت محروسہ کے باشندوں کی طرف سے (دیکھو صفحہ ١٠٣)

معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب نے یہہ شرائط عہدنامہ کے معہ بہت سی آیات قرآنی اور حدیثات تائیدی کے ایک تین بالشت چوڑے اور سوا گز لمبے اشتہار

[illegible]

۲۴ ماہ ریشتہ [illegible] شمسی مطابق ۲ ربیع الاول [illegible] ہجری تک تمام دکمال جمع ہوگئیں اسلئے روز مذکور کو مبارک و سعید سمجھکر ہمنے حکم دیا کہ ہر سال اس تاریخ میں ایک شبانہ روز تمام مملکت افغانستان کے اندر جشن و بزم چراغان کیجاوے اور خوشی منائی جاوے اور اس جشن و خوشی کا نام جشن منعقد رکھا گیا ہے -۱۲

لہ اسکی زیادہ تفصیلی کیفیت ہم ضمیمہ ۔۔۔ کے پیسہ اخبار سے نقل کیجاتی ہے - و ہو ہذا -

بقرعید کے دنوں میں کابل میں ایک عظیم الشان تاریخی یادگار واقع پیش آیا کہ جو جناب امیر عبدالرحمن خان صاحب کی ذہانت اور قابلیت کی ایک عجیب مثال ہے - یعنی عید کے روز ایک عالیشان دربار منعقد کیا گیا - اور اسمیں ایک بیش قیمت تمغہ مکلل بجواہرات امیر صاحب کے زیب سینہ کیا گیا - جو ملا علوم صاحب نے پہنایا - تمام ملک کے رؤسا نے اپنی خوشی سے ایک قسم چندے کی فہرا ہم کرکے یہہ تمغہ تیار کرا کے اپنی طرف سے امیر صاحب کی خدمت میں ہدیہ کیا ہے - اور امیر صاحب کو خطاب ضیاء الملت والدین امیر المؤمنین امیر عبدالرحمن خان والی افغانستان کا دیا گیا ہے - اسی تاریخی یادگار میں امیر صاحب نے جو سکہ لگایا ہے اسپر بھی یہی کتبہ درج کیا گیا ہے - اور اس موقعے پر کئی لاکھ کاپیاں ایک اشتہار کی چھاپ کر شائع کی گئیں یہہ اشتہار تخمیناً تین بالشت چوڑا اور سوا گز لمبا سفید کاغذ پر چھپا ہوا ہے جسکے چوگرد تین انگل طلائی بیل ہے - اسپر بہت سی آیات قرآنی کے بعد مندرجہ ذیل مطلب کی چار شرائط درج ہیں - جنکے نیچے تمام قلمرو افغانستان کے ملایان - سرداران - رئیسان و رعایا کے دستخط کرائے جا رہے ہیں اور وہ لوگ خدا و رسول کو گواہ اور ضامن رکھکر ان شرائط پر دستخط کر رہے ہیں -

جشن قبول خطاب کی تفصیل

اول - یہ کہ جو خطاب ہم لوگوں نے امیر صاحب کو دیا ہے ہم ہمیشہ انہیں اسی سے مخاطب کریں گے -

دوم - جو حکم امیر صاحب مطابق شریعت اسلام کے صادر کیا کرینگے - ہم اسکی اطاعت کرینگے -

سوم - کفار ہندوستان یا انگلستان جس طرف سے کہ ہمارے ملک پر پیشقدمی کرینگے ہم

پر چھاپ کر کہ جسکے گرد سنہری بیل ہے اُسکی کئی لاکھ کاپیاں اپنی قلمرو میں شائع کی ہیں۔ ان اشتہارات کو سواروں نے تمام ملک میں لیجاکر کرورہ لوگوں سے دستخط لیے ہیں

لوگ ان سے غزا کرینگے۔

چہارم۔ ہم امیر عبدالرحمن خاں کو اور انکی نسل سے جو لوگ جانشین ہوں انکو بادشاہ سمجھیں گے۔ اولاد سردار پائندہ خاں سے اور کسی کو بادشاہ نہ سمجھیں گے۔

ان اشتہارات پر سوار تمام ملک میں لیجاکر دستخط کرا رہے ہیں اور لوگ بڑی خوشی سے دستخط کر رہے ہیں۔ کیونکہ جسقدر آسایش اور امن رعایائے افغانستان کو امیر عبدالرحمن خاں کے زمانے میں میسر ہوا ہے کبھی نہیں ہوا۔

اسکے بعد عید رمضان کے روز امیر صاحب نے باغ بالا میں نماز گذاری۔ قریب ہزار کے عملہ فعلہ تھے۔ شہزادہ سردار حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں نے شہر کابل میں نماز گذاری جنکے پیچھے قریباً ایک لاکھ مسلمانوں نے نماز ادا کی اور امیر صاحب کے تخت و بخت کیلئے دعا مانگی۔ بعد ادائے نماز امیر صاحب کے اعزاز میں کابل میں ۱۰۱ توپ کے فیر ہوئے۔ اور ہر دو شہزادگان نے سلام خانے میں ہزاروں روپے کی شیرینی تقسیم کی۔ سب فوجوں کے منصبداروں اور خان و خوانین کو انواع و اقسام کا کھانا دیا گیا۔ کھانے سے فارغ ہوکر دونوں شہزادے مع تمام خوانین اور افسروں کے امیر صاحب کی خدمت میں باغ بالا میں عید مبارک کہنے کیلئے حاضر ہوئے۔ امیر صاحب کو سب نے مبارکباد دی۔ اور امیر صاحب نے بموجب "جو تئیں پر سالی" کرکے مبارکباد دی۔ اور شیرینی اور قند تقسیم ہوکر لوگ کابل کو رخصت ہوئے۔ دوسرے روز امیر صاحب کمپ میں سوار ہوکر قلعہ ہاشم خاں میں جہاں حرم سرائے عالیہ تشریف رکھتے ہیں تشریف لیگئے۔ آٹھ روز مہمان رہے۔ بعد اسکے کابل میں تشریف لاکر سردار نصر اللہ خاں کے مہمان رہے۔ دوسرے روز سردار حبیب اللہ خان کے مہمان ہوئے۔ ہزاروں آدمیوں کو کھانا اور شیرینی دیگئی۔ پھر امیر صاحب ہلالی زرد گھوڑے پر سوار ہوکر ارک کا ملاحظہ کیا۔ نقارخانہ میں تشریف فرما ہوئے۔ یہاں سے بوستان سرائے گلستان سرائے تشریف لے گئے (دیکھو صفحہ ۱۰۵)

امیر صاحب نے خطاب ضیاء الملت اختیار کرنے کی یادگار میں ایک نیا سکہ بھی مضروب کیا ہے۔ کہ جسپر ایک طرف یہ خطاب اور دوسری طرف کابل کی مسجد منقش ہے۔

انگلستان سے براہ راست تعلق

امیر صاحب کی ایک بہت بڑی آرزو یہ ہے کہ سلطنت افغانستان کو ہر نوع خود مختار کرنے میں کامیابی حاصل ہو۔ اسلیئے وہ اپنا تعلق بجائے وائسرائے ہند سے رکھنے کے براہ راست حضور ملکہ معظمہ انگلستان سے رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ خود بادشاہ ہیں اور اپنے سے کمتر پایہ کے وائسرائے سے تعلق رکھنا انہیں گوارا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیئے لنڈن کا سفر مناسب سمجھا۔ مگر بجائے اپنے اپنے منجھلے بیٹے شہزادہ نصر اللہ خاں کو مع معقول خدم و حشم کے لندن کو روانہ کیا۔ لنڈن کے اخبارات اور رعایا اور حکام نے بڑی گرمجوشی سے انہیں مرحبا کہا اور انہیں ہر طرح خوش کرنے کی کوشش کی۔ اور شہزادہ نصر اللہ خاں نے بھی ایسی قابلیت سے ہر امر کا برتاؤ کیا۔ کہ لوگ انکی تدبیر اور دانش کو بلاساختہ "الولد سر لابیہ" کہکر تعبیر کرتے تھے۔

شہزادہ نصر اللہ خاں لندن میں

۲۴ جون ۱۸۹۵ء کو شہر لنڈن کی طرف سے گلڈہال میں انکو مرحبا کہنے کے لیئے لنڈن کے لارڈ میئر نے ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔ اور ایک مرحبائی ایڈریس لنڈن کارپوریشن کی طرف سے ایک پُر تکلف طلائی صندوقچہ میں رکھکر شہزادہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ غرض اس نوجوان شاہی مہمان کی شاہانہ مدارات میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔ امیر صاحب نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اثنائے سفر میں شہزادہ نصر اللہ خاں سے ایسی مدارات کیجاوے جسطرح کہ

اور مہمان خانہ جدیدہ کی جسپر بہت خرچ ہوا ہے سیر کی۔ پھر بگھی پر سوار ہو کر باغ کو تشریف لیگئے۔ شیخ محمد حسن جدید الاسلام کا بیان ہے کہ بیٹھنے کی حالت میں امیر صاحب کو آٹھ سال کے بعد جبکہ ترکستان سے آتے تھے اب گھوڑے پر سوار دیکھا۔ کیونکہ وجع بیماری کے تو آپ گھوڑے پر سوار رہنا ہو سکتے تھے۔

کسی دوسرے تاجدار مہمان سی کیجاتی ہے۔ اور اُسے شاہی القاب و آداب سے مخاطب کیا جاوے۔ چنانچہ تمام ولایت کے اخبارات انہیں برابر "ہز ہائینس دی پرنس" کہکر پکارتے رہے ہیں۔ امیر صاحب نے اپنی طرف سے شہزادہ کے سفر کے لیئے اخراجات سفر کا فیاضی سے تخمینہ کیا تہا۔ اور شہزادہ صاحب نے اِس امر کے ثبوت میں لنڈن میں فیاضی کے ساتھہ کوئیلم صاحب کی مسلم انسٹیٹیوٹ اور لائیٹنیز صاحب کی مسجد کے لیئے چندے دیئے تاہم مہانداری اور سفر کے اخراجات گورنمنٹ انگریزی کے ذمہ تہے۔

شہزادہ نصر اللہ خاں نے اپنے ایام انگلستان میں حضور ملک معظم قیصر ہند سے بمراتب ملاقات کی۔ اور پرنس آف ویلز اور شاہی خاندان کے دیگر ارکین نے انکی اسقدر خاطر و مدارات کی کہ اخبارات میں شائع ہونے لگا کہ پرنس آف ویلز شاہزادہ کے ساتھہ نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ اور صاحب نے وزیر اعظم انگلستان اور سکرٹری آف سٹیٹ ہند جب ملاقات کو جاتے ہیں تو انہیں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ شہزادہ صاحب نے انگلستان کے کئی مقامات کی سیر کی۔ اور مختلف کلیں کارخانے صنعت وحرفت کے دیکھے۔ توقع کیجاتی ہے کہ ان جدید تحقیق کی تجربات سے کابل میں بہت جلد فائدہ اُٹھایا جاویگا۔ بلکہ برقی روشنی جاری کرنے کا معاملہ تو خیال کیا جاتا ہے کہ ابھی سے امیر صاحب کے زیر تجویز ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے امیر صاحب نے اُس وقت تک اپنا ولیعہد نامزد نہیں کیا تہا۔ اِسلیئے بعض لوگ امیر صاحب کے شہزادہ حبیب اللہ خاں کے سفر انگلستان پر روانہ نہ کرنے کو بھی اِسی حکمت عملی سے منسوب کرتے ہیں۔ انکا خیال ہے کہ شہزادہ حبیب اللہ خاں کو جو درجہ امیر صاحب کا بڑا بیٹا ہونیکا حاصل ہے اور اسکے مطابق وہ امور ریاست بھی قابلیت سے انجام دیتے رہے ہیں۔ اگر امیر صاحب انہیں کو سفارت انگلستان کے لیئے بھی نامزد کرتے تو انکے دعاوی ولیعہدی کے بہت مضبوط

پرنس کی شاہی مدارات

ہو جاتے۔ اور شاید حرم سرائے میں ناخوشی کا خیال پیدا ہوتا۔

شہزادہ حبیب اللہ خاں کی زبان میں کسیقدر رکلنت ہے بچپن میں انہیں ہے
خوبانی کی کوشش کیگئی تھی کہ جسکا یہ اثر ابھی باقی ہے۔ شہزادہ نصر اللہ خان
اپنے بڑے بھائی کی طرح جسیم نہیں۔ اور نہ اسکی طرح ڈاڑہی منڈواتے ہیں۔

ہرچند کہ جناب امیر صاحب کی خدمت میں حضور ملکہ معظمہ نے دعوت انگلستان
کے لیئے ایک دستخطی چٹھی آنریبل مسٹر کرزن کے ہاتھ لکھکر روانہ کی تھی جو سنہ ۱۸۹۵ء
میں کابل میں گئے تھے لیکن دراصل سفر انگلستان کے ارادہ کا اظہار شروع میں
امیر صاحب کی طرف سے ہوا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے آنکا مدت
سے خیال ہے کہ افغانستان کے تعلقات براہ راست انگلستان سے ہو جاویں
اور روسیکی ہندوستان کی وساطت کا سلسلہ بیچ میں سے اٹھ جاوے۔ اور اسی
ارادہ کی تکمیل کیلیئے وہ خود انگلستان جاکر تصفیہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یا تو بوجہ
علالت طبع اور یا باندیشہ کسر شان جیسا کہ اس زمانہ میں عام خیال تھا امیر صاحب
خود تو عازم انگلستان نہ ہوئے۔ مگر شہزادہ نصر اللہ خاں کے سفر کا ایک ضروری
مقصد یہہ بھی قرار دیدیا کہ وہ بہ حیثیت ملکہ انگلستان و قیصرہ ہند سے امیر صاحب کے القاب
کے نام سے خواہش ظاہر کریں کہ جسطرح دیگر دول مختار کے سفیر دربار برطانیہ
میں مقرر ہیں ویسے ہی افغانستان کے سفیر کو بھی دربار سینٹ جیمس میں تعینات
ہونے کی عزت بخشی جاوے۔ بہرحال شہزادہ صاحب نے ایک نہایت بیش قیمت
طلائی صندوقچہ میں امیر صاحب کا مراسلہ ملکہ معظمہ کی حضور میں پیش کیا۔ مگر افسوس

افغان سفیر در سینٹ جیمس

سلہ ۸ جولائی ۱۸۹۵ء کے لیڈیز پکٹوریل نامی اخبار سے اس صندوقچہ کی تصویر لیگئی
ہے اور وہیں سے اس بیش قیمت صندوقچہ کے کچھ اوصاف لیئے جاتے ہیں۔ امیر صاحب کے ایجنٹ
مسٹر ٹی اے مارٹن نے انگلستان کے کارخانہ ایلکنگٹن اور کمپنی لمیٹڈ سے اس تکلف سے یہ کو تین ہفتہ

(دیکھو صفحہ ۱۰۸)

ہے کہ ہر چند کہ انگلستان میں انکی عزت اور توقیر میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا گیا
تھا۔ مگر امیر صاحب کی اس آرزو کو پورا کرنے میں تامل کیا گیا۔ اور بالواسطہ
امیر صاحب کو جتلایا گیا کہ براہ راست انگلستان سے تعلق پیدا ہو جانے سے جو عزت
یا درجہ سلطنت افغانستان کو حاصل ہوگا وہ ابھی انگلستان کو اسکو دینا منظور نہیں ہے
اس وقت امیر صاحب کے تعلقات بجائے گورنمنٹ ہند سے جاری رہنے کے گورنمنٹ
انگلستان سے قایم کرنے کے متعلق مسٹر ای کے رابنسن نے رسالہ فارٹنائیٹلی ریویو
میں ایک بہت اچھا مضمون لکھا تھا۔ اسکا خلاصہ یہ تھا کہ جب سے لارڈ لینسڈون
وائسرائے ہند نے امیر صاحب کے افغان ترکستان کی بغاوت کو انواع و اقسام کے ظلم کے
ساتھ فرو کرنے پر اعتراض کیا تھا امیر صاحب گورنمنٹ ہند سے ناراض ہیں۔ اور
وہ چاہتے ہیں کہ بجائے ایک اپنے سے چھوٹے نائب السلطنت سے تعلقات دوستانہ
رکھنے کو اپنے سے بڑے شہنشاہ سے رکھیں یہ انکی مدت کی آرزو ہے۔ اور اپنی
سلطنت کو خودمختار بنانے کے لیئے اس آرزو کے بر آنے کے وہ بہت خواہشمند ہیں

افغانستان خودمختار سلطنت بنجاوے

کے اندر تیار کرایا تھا جس سے بڑا اور بیش قیمت صندوقچہ ہر ایک کبھی تیار نہیں
ہوا۔ اسکا طول ۱۹ انچ عرض ۱۳½ انچ۔ اور ارتفاع ۱۴½ انچ اور شکل میں مستطیل
مثمن ہے۔ خالص سونے کا کثرت سے قیمتی جواہرات سے آسودہ ہے۔ چار کونوں پر چار نیم
ستارے ہیں صرف انہیں سے ہر ایک میں ۸۰ خوبصورتی سے کاٹے ہوئے جواہرات
نصب ہیں۔ اور سرے پر جو چھ ہلال نظر آتے ہیں انہیں سے ہر ایک میں
۲۲۰۰ ہیرے لگے ہوئے ہیں۔ جب کے اوپر افغانستان کا اول درجہ کا گوشہ
کا فدالاجواہر ہمگار ستارہ نصب ہے جسکا قطر ۴ انچ ہے صرف اس ستارہ کے
گرد ۱۴۰۰ بیش قیمت ہیرے جڑے ہوئے ہیں انکے مرکز میں جو بہت بڑا ایک عجیب ہیرا
تین چوتھائی انچ جوڑا ہے صرف اسکی قیمت لندن کے جوہری ڈیڑھ ہزار پونڈ بتلاتے ہیں صرف
اس صندوقچہ پر امیر صاحب کا چھ ہزار پونڈ یا ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ آیا تھا۔

جبکہ سر سالٹرائٹین نے شملہ میں پہنچکر امیر صاحب کے ارادہ سے اطلاع دی تو مسٹر پیٹر ڈیورینڈ کابل پہنچے اور ملکہ معظمہ کیجانب سے امیر صاحب کی خدمت میں دعوت کا پیغام پہنچایا۔ امیر صاحب نے اس کامیابی کو اپنی کوشش کا پھلا پھل تسلیم کیا اور اپنے بیٹے کو مکمل ہدایات دیں کہ لنڈن میں افغان سفارت قایم کرنے پر پورا زور دے مگر اسمیں اسکو کامیابی نہوئی اور وہ لنڈن سے ناخوش واپس آیا۔ مسٹر رابنسن کی رائے میں افغانستان کو بھی لنڈن میں سفارت قایم کرنیکا ویسا ہی حق حاصل ہے جیسا کہ ایران کو ہے۔ اور اب چونکہ سلطنت افغانستان بہت وسیع ہوگئی ہے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس سے یہ رعایت مرعی رکھی جائیگی۔

امیر صاحب کے تحائف بخدمت قیصرہ ہند

جب شہزادہ نصر اللہ خاں ولایت سے واپس آئے تو اس سے عمدہ برتاؤ کرنے کی شکر گذاری میں امیر صاحب نے حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی خدمت میں بہت بیش قیمت تحائف کئی لاکھ روپیہ قیمت کے ارسال کئے۔ اسکے جواب میں انگلستان سے امیر صاحب کی خدمت میں ایک ایسی شاہی گاڑی کہ جسپر حضور ملکہ معظمہ شاہی جلوس کے موقعوں پر سوار ہوکر نکلا کرتی ہیں اور شاہی خاندان کی تصویروں کا مجموعہ اور چائے نوشی کا نقرئی سامان پہنچا۔ امیر صاحب کا مقولہ ہمیشہ سب سے اعلےٰ رہا ہے اور تحائف دینے میں بھی وہ ہمیشہ اسکو مدنظر رکھتے ہیں۔

وہ بڑے بڑے پولیٹکل کام جو امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی میں پورے ہوئے کافرستان کا سر کرنا بھی انمیں سے ایک اہم کام ہے یہ ملک جو وسط ایشیا میں سینکڑوں برس سے ایسا محفوظ چلا آیا ہے کہ کوئی مسلمان سلطان یا فاتح وہاں نہیں گھسا اور نہ کسی نے اس قوم کو فتح کیا ہے۔ آخر اسکی قسمت میں امیر عبدالرحمن خاں کے ہاتھ سے فتح ہوکر سلطنت افغانستان کا ایک صوبہ بننا لکھا تھا۔ جب اوائل ۱۸۹۶ء میں ہندوستان اور انگلستان میں امیر صاحب کے اس ارادہ کی خبر

پہنچی تو عیسائیوں اور بعض ہندوؤں نے اسپر بڑی ناراضگی ظاہر کی کہ کافروں کو فتح کرکے کیوں جبراً مسلمان کیا جاتا ہے۔ انگلستان کی عیسائی گورنمنٹ خود اس جرم کا ذریعہ سمجھی جائیگی۔ وہ بیچارے بیدین اور امن پسند لوگ ہیں جو ظالم افغانوں سے وہاں کر ایک کونے میں اپنے ... اور ... ہیں۔

فتح کافرستان پر امیر صاحب سے ناراضگی

انگلستان میں ایک سوسائٹی دنیا کی قدیم قوموں کی نسلیں معدوم نہ ہونے دینے کے ذمہ دار ہے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ کافرلوگوں پر امیر صاحب نے مہم کی ہے۔ اور یہہ ایک نہایت قدیم قوم اس خطہ ملک میں زمانہ دراز سے آباد ہے کہ جسنے اپنا مذہب اور رسم و رواج تبدیل نہیں کیئے۔ اسکے علاوہ بعض محققوں کا یہہ بھی خیال ہے کہ سیاہ پوش کافر اسی نسل سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ جس سے انگریز ہیں۔ کیونکہ کافرستان کے باشندے بھی بہت صاف سفید رنگ کے ہوتے ہیں اور انکی آنکھیں بھی نیلگون اینگلو سکسن اقوام کی طرح ہیں تو ان لوگوں نے گورنمنٹ ہندوستان کو بہت سخت سست کہا کہ کیوں امیر عبدالرحمن کو ان کافروں پر مہم بھیجکر انھیں فتح کرنے اور مسلمان کرنے کی اجازت دیگئی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ معاملہ ڈیورینڈ مشن کے مطابق کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرسکتی تھی۔ اور یہاں تہہ امیر صاحب کی غرض اس مہم سے کافرستان کا فتح کرنا اور وہاں کے باشندوں کو جبراً مسلمان کرنا نہیں تھا بحوالہ نومبر ۱۸۹۶ع سول اینڈ ملٹری گزٹ پائینر نے بیان کیا کہ امیر صاحب کی غرض اس مہم سے صرف یہہ ہے کہ چونکہ خطہ کافرستان بڑا سرسبز اور زرخیز ہے۔ امیر صاحب اسے افغانستان کے لیئے تجارت کے واسطے کھولنا چاہتے ہیں۔ اور وہاں کے لوگوں کا اہل افغانستان سے ربط و ضبط بڑھانا چاہتے ہیں۔ اور اس کام کے لیئے کچھہ کافر افغانستان کے بعض مواضع کے ملکوں

امیر صاحب کے وجوہات فتح کافرستان کے متعلق

میں تقسیم کیئے گئے ہیں کہ وہیں انہیں کاشتکاری کے طریقے سکھلائیں اور دین اسلام کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ یہہ لوگ اپنی ہمقوموں میں جاکر مثال قایم کریں۔

اسکے علاوہ امیر صاحب کے ایک دوسرے ملازم یوروپین لیڈی ڈاکٹر مس ہیملٹن نے اخبار لنڈن ٹائمز میں ایک چٹھی امیر صاحب کے کافرستان فتح کرنیکے ارادہ کے متعلق چھپوائی تھی۔ اس دلچسپ چٹھی کا اکثر حصہ نقل کرنا مناسب ہے۔ وہو ہذا۔ امیر صاحب کہتے ہیں کہ شاید تمکو تعجب ہوا ہوگا کہ مینے اس حملہ کافرستان کے لیئے موسم سرما کیوں مقرر کیا۔ اس کارروائی کے عمل میں لانے کی بہت سی وجہیں تہیں اگر مینے موسم گرما میں کافرستان پرچڑھائی کرنیکا حکم دیا ہوتا تو اس زمانہ میں جبکہ راستے کھلے ہوتے ہیں انکے اور میرے افغانی سپاہیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد کام آجاتی اور بہت سے لوگ روس کو بھاگ جاتے یہاں انکے ساتھ بڑی مہربانی کا برتاؤ کیا جاتا۔ آخر میں وہ فوج روس میں داخل کرلیئے جاتے اور اسطرح میں قدم کے لیئے رہبروں کی ایک جماعت ملجاتی۔ جنکے ذریعہ سے روسیوں کو کافرستان کے فتح کرنے میں مدد ملتی اور اس وقت بھی یہ ممکن تھا کہ گورنمنٹ روس اور کافروں کے درمیان کوئی عہدنامہ ہو جاتا اور اگر اس عہدنامہ کے ذریعہ سے ان کافروں کو منجانب روس اس بات کی مدد ملتی کہ وہ اپنے ملک کو دوبارہ فتح کرلیں تو اسکے معاوضہ میں وہ اپنے آپکو روسیوں کی حراست میں بسر کردیتے اور پولیٹیکل طریقہ کے موافق یہ کارروائی بمنزلہ اسکے تھی کہ روسیوں کی اطاعت قبول کرلیں میں خود اس بہادر اور قدیمی گو نہایت ہی مفلس قوم کا بڑا معترف ہوں اور میری خواہش سب سے زیادہ یہہ تھی کہ جہانتک ممکن ہو اس قوم کے لوگ بہت کم ہلاک اور برباد ہونے پائیں میں جانتا ہوں کہ انکو اپنی وفادار عقیدتمند رعایا میں داخل کرلیا

خود کافروں کی اسمیں بہتری ہے

کیونکہ وہ نہایت عمدہ سپاہی بن سکتے ہیں جو اپنی جانوں کو عزیز نہ کرینگے اور مرتے
دم تک وفاداری کا دم بھرتے جائیں گے اور انمیں ایسے ذی علم لوگ بھی پیدا
ہو جائیں گے جو میرے ملک کو مدد پہنچائیں گے اور اِس غرض سے کہ کچھ عرصہ تک
وہ میری ہی آنکھوں کے سامنے رہیں اور بغاوت نہ کرنے پائیں جس سے میں اُنپر
سختی کرنے کو مجبور ہو جاوں۔ مینے اقرار کیا ہے کہ لغمان کے گرد و پیش کا ملک جسکے
ایک حصہ پر اس وقت ہزارہ فرقہ کے لوگوں کا قبضہ پایا جاتا ہے اُنکے حوالہ کروں
یہاں پہاڑ اور دریا کثرت سے موجود ہیں جن سے وہ بہت خوش ہونگے اور
جنکے وہ ہمیشہ عادی ہوتے آئے ہیں اور اِس مقام کی آب و ہوا بھی کافرستان
ہی کے مشابہ پائی جاتی ہے۔ اِن لوگوں کے لیئے یہ بات دشوار ہے کہ مقید مقام پر
اور کابل ایسے ایک گنجان شہر میں رہ سکیں اور وہاں کی بدبو کو برداشت
کر سکیں اور یہاں ہزارہ فرقہ کے جو لوگ آباد ہیں اُنکی نسبت میرا ارادہ یہہ ہوگیا
ہے کہ اُنکا اصلی ملک جو غزنی کے قریب واقع ہے پھر اُنکے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ
اُسکے لیئے وہ کئی مرتبہ عرضیاں دیچکے ہیں اور وہ ملک خالی پڑا ہوا ہے اور اِس
طور پر یہہ تبدیلی انتظام سب کی خوشی کا باعث ہوگی۔ لغمان میں یہہ نئے
لوگ جاکر آباد ہونگے اُنکی نسبت میرا ارادہ ہے کہ اُنکو بحیثیت ایک جداگانہ فرقہ
کے آباد رکھوں۔ اُنمیں سے بارہ ہزار آدمیوں کے قریب تو میں اپنی فوج کے
سپاہیوں کے طور پر بھرتی کرلونگا اور اُنکے اطفال کو مکتبوں میں تعلیم دیجائیگی
تاکہ آخرکار وہ کچہریوں وغیرہ میں ملازم ہو سکیں۔ اِسکے سوا اور کسی طرح پر
اُنکے امور میں دست اندازی نہ ہوگی نہ تو اُنکی عورتیں اور نہ بچے لونڈی غلاموں
کے طور پر فروخت کیئے جائینگے۔ گو اُنکی قیمت کیسی ہی گراں کیوں نہ لگائی جائے
لیکن اگر وہ خود میری دوسری رعایا کے لوگوں سے شادی بیاہ کرنا چاہینگے

تو شریعت اسلامیہ کے مطابق اُنکی شادی بیاہ ہونے میں مانع نہ ہوں گا۔
اصل یہ ہے کہ پغمان میں اُنکو اسی طرح کی آزادی رہے گی جیسی اُنکے خاص
وطن میں اُنکو حاصل نہیں اور جس ملک کو اُنہوں نے خالی کیا ہے۔ اسپر قرب و جوار
کے افغانی جرگے قابض ہوجائیں گے۔ جنکو فوجی خدمات کے معاوضہ میں اراضی
دیجائے گی۔ کولوم میں ایک چھاونی علاوہ میگزینوں کے قایم کرونگا۔ وہاں تیاری
اسلحہ کا بھی ایک چھوٹا سا کارخانہ جاری کیا جائیگا۔ کیونکہ قرب و جوار میں درخت
بہت کثرت سے موجود ہیں جنگلی لکڑی کارخانہ مذکور کے ایندھن میں کام
آسکتی ہے۔ کافرستان کی دوسری جانب افغان اور پامیر کے سامنے مناسب
قلعجات تعمیر کیئے جائیں گے۔ تاکہ بعوض اسکے کہ یہ مقام کمزور خیال کیا جائے وہ
اِس قابل ہوجائیگا کہ دلیری سے غنیم کا اچھی طرح سے مقابلہ کرسکیگا۔ لیکن فتح
کافرستان سے بہت بڑا فائدہ افغانستان کو یہ حاصل ہوگا کہ جلال آباد
کابل پنج شیر بوزبان وغیرہ سے پامیر اور بدخشاں جانیکا بہت ہی سیدھا
راستہ کافرستان میں ہوکر نکل آئیگا بعض صورتوں میں تو نصف مسافت
کی کفایت ہوجائے گی۔ اور اس صورت میں شمالی سرحدات کو فوجیں بڑی
عجلت کے ساتھ روانہ ہوسکیں گی۔ علاوہ بریں بالعوض اس امر کے جو اس وقت
پایا جاتا تھا کہ ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے مابین ایک ایسا فرقہ جو اپنا
دوست نہو آباد رہتا اب ایسے افغانی سپاہی وہاں موجود رہیں گے جنکی فطرتی
خواہش یہ ہوگی کہ روسیوں کی حملہ کی صورت میں اپنے وطن اور ملک کو محفوظ
رکھیں گے۔

امیر صاحب نے جس دور اندیشی اور مصلحت سے کافرستان کو زیر کیا ہے
اسکی حقیقت تو خود انگریز گواہوں کے اظہارات سے کھل گئی۔ ان حالات کو

فتح کافرستان سے افغانستان کا فائدہ

دیکھکر امید نہیں کہ کوئی معترض اب امیر صاحب کی اس حکمت عملی پر اعتراض کرسکے کہ انہوں نے کافروں کو بلاضرورت مطیع کیا۔ یا انہیں صرف غلام اور مسلمان بنانے کی غرض سے تابع کیا ہی۔ اب صرف ایک اعتراض معترضین کا باقی رہگیا ہے کہ امن پسند کافریوں کو خواہ مخواہ مصیبت اور تباہی کا شکار بنا یا گیا۔ اسکا جواب ہی میں ایک انگریز مصنف ہی کی زبان سی دینا چاہتا ہوں ہندوستان کے اخبار پڑھنے والے لوگ ناواقف نہیں ہونگے کہ ایک صاحب ڈاکٹر رابرٹس جو بعد میں اپنے چترال کی خدمات کے صلہ میں سرجارج رابرٹسن بنائے گئے ہیں۔ مدت تک کافرستان میں رہے ہیں۔ اور درصل یہی ایک انگریز شخص ہی جو کافرستان کی وسط تک جاسکا ہی۔ کافرستان کے حالات پر ان سی معتبر شہادت ملنا مشکل ہے۔ انہوں نے حال میں ایک کتاب لکھی ہی جسمیں ثابت کیا ہی کہ کافرستان سے جو سلوک امیر صاحب نے کیا ہی وہ نہایت مستحسن ہی کافر لوگ بڑے شریر شقی اور قاتل ہوتے ہیں۔ انکے اپنے لفظ یہہ ہیں:۔

کافروں کے خصائل

"کافر جھوٹوں کا بادشاہ ہے اور ایسے جھوٹ کو جسمیں کامیابی حاصل ہو ایک ہنر تصور کرتا ہے۔ اسکو آزادی سے الفت ہی مگر اپنے گھروں میں غلام رکھتا ہی اور مسلمانوں کو قتل کرنا داخل اصول سمجھتا ہے"

اسکے قیافہ کی نسبت سرجارج رابرٹسن لکھتے ہیں:۔

"اسکا چہرہ آرین طرز کا ہی اور اسکی رنگت بہت کھلی ہوئی نہیں ہی۔ عورتیں پست قد بدصورت اور قوی ہیکل ہوتی ہیں" بحالیکہ اس سے پیشتر کافر عورتوں کو خوبصورت بیان کرکے یہی وجہ انکے غلام بنانے کی بتلائی جاتی تھی۔ مصنف کا بیان ہی کہ مجھے ایک کافر سے ملاقات تھی وہ ہمیشہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے تقریباً سو شخصوں کو مارا ہے جسمیں خاصکر چار عورتیں اور بچی

تھے۔ ایک دوسرے کافرنے سرجارج کو یقین دلایا تھا کہ کل کافر چور اور قاتل ہوتے ہیں۔ اب اُن خطرات کی ایک مثال بیان کرتا ہوں جو سرجارج کو اپنے سفر میں اِن کافروں سے برداشت کرنے پڑے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"ہمسے اور مڈوگل یا موسن فرقہ کے کافروں کے ایک جرگہ سے جو ایک مشہور جابر مسمی بہادر کی سرگروہی میں سفر کر رہے تھے۔ مڈبھیڑ ہوگئی۔ بہادر مزاج کا بڑا سخت تھا۔ گرولش کے قریب جہاں میں ایک چھوٹے جھونپڑے میں مقیم تھا بہادر میرے کمرے میں گھس آیا اور میں سب کچھ کھا گیا مگر اُسنے جانے سے انکار کیا۔ آخر میں نے اُسکو دھکیل کر باہر نکال دیا۔ وہ اُس وقت بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ لیکن جب ہم درہ پار سے گذر رہے تھے تو بہادر کے کئی شخصوں نے مجھکو پکڑ لیا اور میرے پٹھان ملازم کی طرف غرائے اور انمیں سے ایک نے جلدی سے اپنی زہری کمان میری طرف کردی اور چلا کر کہا "بنات گالش" یعنی ہمکو نذر دو حالانکہ میرا پٹھان سپاہی نہتھا تھا لیکن وہ یکبارگی کافر پر ٹوٹ پڑا گو میں اُسکے نیچے سے چھٹ گیا۔ لیکن میں اُسکے سامنے چلا آیا اور ایسی صورت اختیار کی گویا میں اُسکے سوال کا مطلب نہیں سمجھا اور دل لگی دل لگی میں میں نے اُسکی کلائی پکڑ لی اور زور سے پہاڑ کی طرف دھکیل دیا۔ وہ اور دوسرے شخص مجھکو ہنستے ہوئے دیکھا کیئے اور ہم جلدی جلدی قدم بڑھائے چلے گئے حتیٰ کہ اُس مقام پر پہونچے جہاں بہادر کھڑا تھا اور اُسکو فوراً پکڑ لیا اور کہا کہ کہانا لاؤ۔ اُسنے مجکو کھانا ٹالا کر دیا لیکن کہتا تھا کہ اگر ہم تم ایک ساتھ کہانا نہ کہاتے تو نہ معلوم تمپر آج کیا مصیبت نازل ہوتی۔ اسکے بعد اُسنے غرور کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے بیشمار آدمی اپنے ہاتھ سے مارے ہیں۔"

چونکہ کافر سچ مچ کے کافر تھے اور قتل اور سنگدلی اُنکا شعار تھا۔ دنیا کی شائستگی سے وہ کوئی حصہ نہ رکھتے تھے۔ سلطنت افغانستان کے لیئے باعث خطر تھے۔

اِن حالات میں اگر امیر صاحب نے انہیں لیسے طور پر فتح کر کے کہ جہانتک ہوسکا اُنکے بہت کم آدمی مرنے دیئے اپنے تابع کر لیا تو کونسا بُرا کام کیا۔ بلکہ محبان بنی نوع انسان کو امیر صاحب کی اس خدمت نوع انسان اور اشاعت تہذیب کے لیئے اُنکا مشکور ہونا چاہئیے۔ کافرستان کی فتح کا بیان کبھی مکمل نہیں ہوسکتا۔ جبتک کہ اِس مہم کے کارناموں کی تفصیل نہ لکھی جاوے۔ جو امیر صاحب کے نامور جنرل سپہ سالار غلام حیدر خاں[1] کی سرکردگی سے کافرستان کو سر کر چکی ہے لیکن اِس مختصر کتاب میں اِس تفصیل کی گنجایش نہیں۔

جنگ چترال

امیر صاحب کے حالات سے جنگ چترال کو ظاہراً کوئی تعلق نہیں لیکن چونکہ ان تمام سرحدی ریاستوں سے امیر صاحب اور اُنکے آباؤ اجداد کا رسوخ ہمیشہ سے چلا آتا ہے اسلیئے کوئی ایسا سرحدی واقعہ پیش نہیں آسکتا۔ کہ جس سے امیر صاحب کم و بیش متوجہ نہوں۔ شیر افضل خاں نے امیر صاحب کی قید سے بھاگ کر چترال پر قبضہ کر لیا تھا اور عمرا خاں نے اُسکی حمایت کی تھی اسپر سرکار انگریزی انیس ہزار فوج کی جمعیت کے ساتھ حملہ آور ہوئی اور کئی لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا۔ مگر عمرا خاں بھاگ کر امیر صاحب کی حمایت میں چلا گیا۔ اور گو امیر

[1] (۱) سپہ سالار غلام حیدر [illegible] ایک گاؤں چرخ نامی کا رہنے والا ہے۔ اسکا خاندان یوسف زئی سے آکر لوگر میں اقامت گزین ہوا تھا۔ امیر شیر علیخاں کے عہد میں سے منصب سپہ سالاری ملا۔ ۱۱ نومبر ۱۸۷۸ء کو اسنے علی مسجد میں انگریزی فوج کا مقابلہ کیا تھا جب عبدالرحمٰن خاں امیر کابل ہوئے تو یہ انکے دربار میں حاضر ہو گیا۔ ۱۸۸۵ء میں امیر کے ساتھ راولپنڈی آیا تھا۔ تب سے یہ جلال آباد کا گورنر ہے۔ اسی حیثیت سے اسنے سرحد ہندی کے تصفیہ کے علاوہ کونار کے شنواریوں کی تادیب کی نیز کافرستان کو فتح کیا۔

(۲) سپہ سالار غلام حیدر خاں اورکزئی جو پست قد ہونیکی وجہ سے لنڈا انہی کے نام سے افغانستان میں مشہور ہے۔ ایک بہادر سپاہی ہے۔ اور شنواریوں کی لڑائی میں اسنے اچھی داد شجاعت دی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں اسنے غزنی گھاک میں اسحاق خاں کے لشکر کو شکست دیکر منتشر کر دیا۔ علاوہ بریں شمالی ہزارہ کا ملک بھی اسی نے فتح کیا ہے۔ یہ امیر کا ایک نہایت عقیدت کیش افسر ہے۔

(۳) جنرل غلام حیدر خاں توخی۔ یہ غلزئی فرقہ کا شخص ہے۔ امیر شیر علیخاں کے وقت میں سپہ سالار رہا۔ مگر اب بلوچستان میں پناہ گزین ہے۔

(۴) جنرل غلام حیدر خاں دروک۔ یہ بھی امیر شیر علیخاں کے وقت میں مزار شریف کا جنرل تھا جب نومبر ۱۸۸۰ء میں امیر عبدالرحمٰن خاں سمرقند سے روانہ ہوئے اور دریائے آکسس کو عبور کر کے بدخشاں پہونچے تو انہیں ایام میں اس نے امیر کے ایک بھتیجے کو جو اسکی ملاقات سے پیچھے آیا تھا۔ مار ڈالا۔ اور خود بخارا بھاگ گیا۔ جہاں وہ اب تک امیر بخارا کا ملازم تھا۔ امیر صاحب نے ہر چند اسے بلایا۔ مگر اسنے افغانستان میں واپس لوٹ آنے کو خطرناک سمجھکر بخارا کو چھوڑنا پسند نہیں کیا۔

صاحب سے سرکار انگریزی نے اسکو مانگا۔ لیکن امیر صاحب نے سرکار کو خوش کر کے
عمرا خاں کو سپرد نہ کیا۔ بلکہ بڑی عزت کے ساتھ اپنے پاس رکھا اور کبھی کبھی
یہہ بھی سننے میں آتا ہے کہ اُسے کافرستان یا کسی دوسرے صوبہ کی گورنری
بھی سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ وزیرستان میں ملا پاوندہ کی ترغیب نے معلوم کسقدر
انگریزوں کے سر کٹ گئے تھے۔ اور اُسکے بعد حال کے ہندوؤں کے فساد میں کیا نقصان
کیا ہے امیر صاحب نے اُسکے سر کے لیئے انعام مقرر کیا ہوا تہا۔ لیکن جب ملا پاوندہ
ایک سو ملاؤں کے گروہ کے ساتھ قرآن مجید ہاتھ میں لیکر امیر صاحب کے خطاب
ضیاء الملت والدین اختیار کرنے کے موقعہ پر مبارکباد دینے گیا تو انہوں نے
عزت کے ساتھ اسکو مہمان رکھا۔ اور اسکی مالی مدد بھی کی۔ اِسکے بعد حال ہی
میں جنرل غلام حیدر خاں نے سرحد باجور کے ایک ایسی مقام پر قبضہ کر لیا جو
بموجب معاہدہ ڈیورنڈ کمیشن کے انگریزی حلقہ رسوخ میں پڑتا تہا تو آپ
گورنمنٹ انگریزی چوکنی ہوئی۔ پہلے تو اندیشہ تازہ مشکلات پیش آنیکا
ہوا تہا۔ مگر بعد بہت سی قیل و قال کے انگریزی کمیشن مقام متنازع کے
فیصلہ کے لیئے سرحد افغانستان پر پہونچی۔ امیر صاحب کی طرف سے جنرل
غلام حیدر خاں مختار تھے۔ دو چار روز کی سرگوشی کے بعد کمیشن واپس آگئی
اور ہندوستان کے نیم سرکاری اخبارات نے لکھدیا کہ فیصلہ حسب دلخواہ ہو گیا لیکن
سرحد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ حسب دلخواہ سے مراد امیر صاحب کی حسب دلخواہ
ہوگی۔ کیونکہ امیر صاحب نے اس موقعہ پر نرمی اختیار کرنے کی پالسی کو اختیار کیا تہا
اور انکے وکیل نے کہا تہا کہ جبکہ سرکار انگریزی اتنی دوستی کا دعویٰ
کرتی ہے تو ایک ذرہ سی غلطی جو معاہدہ ڈیورنڈ مشن کے متعلق چہوٹے
سے علاقہ کی ہو گئی ہے۔ اسکو نظر انداز کر دے۔ اِس علاقہ کی تحویل میں کیا

ملا پاوندہ

ایک او رگتھی سلجھ گئی

کہینگی کہ مسلمان امیر نے مسلمانوں کو فرنگیوں کے ہاتہہ فروخت کر ڈالا۔ آیا بہر نہج، علاقہ افغانستان کی حکومت میں رہنا چاہئیے۔ چونکہ او ہر کوئی تفصیل اس حسب دلخواہ فیصلہ کی نہیں چھپی۔ اسلئے معلوم ہوتا کہ اس جہگڑے میں بھی امیر صاحب فائدہ میں رہے ہیں۔ بہر حال امیر صاحب ایسے معاملات میں سرکار انگریزی کو رام کرنے میں ایسا ید طولیٰ رکہتے ہیں کہ زمانہ اُنکی کامیابیاں دیکہکر حیران ہوجاتا ہے +

باب ۱۰

ذاتی عادات طبعی صفات سوشل حالات اور اصلاح حکومت

امیر صاحب کی تصویر اس کتاب کے شروع میں ناظرین کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔ اُسکو دیکہکر معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبد الرحمن خاں ایک مرد فرزانہ اور شیر شرزہ ہیں۔ بدن بھرا ہوا ہے۔ قد میانہ ہے۔ اور چہرہ سے رعب داب سلطنت نمایاں ہے۔ پیشانی پر ہوشمندی کا ستارہ چمکتا ہے۔ آنکہیں بڑی بڑی خوبصورت اور دلکش ہیں اور ریش مشکین اور مقطع ہے۔ بتقاضائے عمر امیر صاحب کے دانت ٹوٹ گئے ہیں اور مصنوعی دانت لگائے ہوئے ہیں۔ سر لیپل گریفن نے امیر صاحب کا حلیہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ امیر عبد الرحمن خان میانہ قامت مگر مضبوط آدمی ہے۔ اُسکے چہرہ پر پرلے درجہ کی ذہانت برستی ہے۔ آنکہیں بہوری ہیں۔ ہنستا ہوا چہرہ[1] پیشانی کشادہ اور اطوار پسندیدہ ہیں۔ اُسکی

[1] ہمیشہ ہنستے رہتے ہیں ۱۲

صورت مجھے اور میرے ہمراہیوں کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ میری رائے میں وہ تمام بارکزئی سرداروں سے جو آجتک مجھے ملے ہیں لیاقت میں بڑھا ہوا تھا۔ اور اسکی گفتگو سے دانائی اور فہم و فراست ظاہر ہوتی تھی۔ ہنگام گفتگو وہ امر بحث طلب پر نہایت قابلیت سے نکتہ چینی کرتا تھا۔ اور اسکی رائے لیاقت و متانت سے مملو تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسکی تمنا یہ ہے کہ سلطنت انگلشیہ سے رابطہ اتحاد قایم رکھے۔

مسٹر سکر امریکہ کا مشہور سیاح جسنے امیر صاحب کو سنہ ۱۸۷۳ء میں دیکھا تھا بیان کرتا ہے کہ "امیر تنہائی میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اور اپنی پنشن میں سے صرف مبلغ پانچہزار سالانہ صرف کرتا تھا۔ وہ ایک جوان رعنا اور مضبوط آدمی ہے۔ اسکا سر بڑا سا ہے۔ ڈاڑھی گھنی اور گھنگریالی ہے وہ نہایت رعب وداب کے ساتھ چلتا پھرتا ہے اور اسکی حرکات اور سکنات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات کا پکا اور حکمرانی کا عادی ہے"

سگنا سیاٹیت پاشینو جو جلاوطنی کے زمانہ میں امیر صاحب کا ترجمان تھا بیان کرتا ہے "عبدالرحمٰن بمشکل فارسی لکھ پڑھ سکتا ہے۔ وہ ایک میانہ قامت مگر مضبوط آدمی ہے۔ اسکی ڈاڑھی بطرز مناسب کٹی ہوئی ہے۔ ناک باقاعدہ ہے آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی ہیں۔ وضع قطع سے وہ زیادہ تر ایرانی معلوم ہوتا ہے بارکزئی نہیں معلوم ہوتا"

جب امیر عبدالرحمٰن خاں کو تخت نشین کرکے انگریز ہندوستان کیطرف لوٹے اور امیر انہیں رخصت کرنے کو آئے تو اس وقت اخبار ٹائمس کا ایک نامہ نگار موجود تھا۔ اسنے اخبار مذکور میں یہہ خط چھپوایا۔ "امیر کو دیکھکر جو کچھہ میرے دلپر تاثیر ہوئی وہ یہہ تھی کہ اسکی صورت افغان سردار دلی

جیسی کہ تھی اسکے ہمیشہ تیز نگاہ رکھنا اسکی عادت ہیں۔ اسکی آنکھوں سے خاموشی اور اس کا پتہ ہوتا ہے۔ اسکے ہونٹ مضبوط ہیں اور مونہہ چوڑا ہے۔ مگر کئی دانتوں کے ٹوٹ جانیسے اسکا چہرہ بدنما ہوگیا ہے۔ وہ میانہ قامت ہے اسکے گل مچھے ڈاڑھی اور مونچھیں گھنی اور سیاہ ہیں۔ گو اسکا چہرہ بحالت مجموعی دلکش نہیں ہے۔

مسٹر کرزن نے اپنے خطوط میں جو امیر صاحب کی ملاقات کے بعد اخبار ٹائمز میں شائع کرائے ہیں۔ امیر صاحب کے سراپا کی نسبت حسب ذیل رائے دی ہے:۔

امیر عبدالرحمن خان بہت طویل القامت قوی الجسامت ہیں اور عالم شباب میں بہت طاقتور رہے ہونگے۔ اگر راولپنڈی کے دربار کے فوٹو سے جو ۱۸۸۵ء میں لیگئی تھی ملائے جاویں تو آپ بیماری کی وجہ سے بہت تغیر پایا جاویگا۔ مگر میری رائے میں اب بھی رو بصحت ہوتے جاتے ہیں۔ ایک قوی الجثہ شخص اطلس کے مسند پر بیٹھا رہتا ہے جو نیچے پلنگ پر بچھی رہتی ہے۔ اور کل جسم تا گردن پشمینہ سے ڈھکا رہتا ہے۔ ایک بیداغ ریشمی عمامہ افغانی نوکدار سنہری بارچلی کلاہ پر بندھا رہتا ہے جو پیشانی تک آیا ہوا ہوتا ہے۔ خط و خال چوڑے اور زبردست ہیں مگر حال کی علالت سے کچھ زرد سے ہوگئے ہیں۔ ابرو بوقت فکر یا بحث کچھ سکڑ جاتی ہے۔ آنکھیں سیاہ اور چمکدار ہیں۔ جنکی نظر بلا جنبش یا حرکت کے بہیئت قائم رہتی ہیں۔ سیاہ خشخاشی مونچھیں اور منقطع داڑھی جو نہ لمبی ہے نہ گھنی اس ہونٹ کو مزین کرتی جسے بوقت خندہ دو سلسلہ دندان کامل کے نمودار ہوتے ہیں آواز بلا میل لہجہ شیریں صاف و زور دار ہے۔ ... علاوہ بریں میں کہ سکتا ہوں اگر انہیں ہوس آف کامنز کی اگلی بنچ پر بٹھلایا جاوے تو مدلل تقریر کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھیں گے۔

سراپا کے متعلق گو مندرجہ بالا بیانات میں کسی قدر اختلاف ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ ہندوستانیوں اور افغانوں کے اندازہ کے مطابق امیر صاحب ایک خوبصورت اور رعب دار انسان ہیں اور یہہ غلط ہے کہ انکا چہرہ بحالت مجموعی دلکش نہیں معلوم ہوتا۔

ایسے قیافہ اور ایسی شکل و شباہت اور تن و توش کے ساتھ ہی یہہ بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ امیر کیسے سمجھدار اور کتنے کام کرنے والے ہیں۔ در اصل امیر صاحب تمام دن اور آدھی رات تک ہمیشہ کام کرتے رہتے ہیں کہ کسی وقت تھکتے نہیں۔ ایک مرتبہ ایک سفیر کابل نے مجھسے ذکر کیا تھا کہ در اصل امیر صاحب خود ہی اپنے سررشتہ دار اپنے وزیر اپنے محرر اپنے خزانچی اور اپنے محافظ دفتر ہیں۔ یورپ کے ایک اخبار نویس نے لکھا تھا کہ شائد تمام یورپ میں سب سے زیادہ سخت کام کرنے والا اور محنت کش شخص سلطان ٹرکی ہے۔ جو شب و روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ مگر امیر عبدالرحمن خاں کی جفاکشی کے حالات دیکھکر مجھے بیساختہ کہنا پڑتا ہے کہ شائد ایشیا میں امیر کابل سے بڑھکر محنت کش کوئی شخص نہ ہوگا۔ امیر صاحب عموماً صبح ۸ بجے اٹھتے ہیں۔ غسل اور ناشتہ کے بعد دربار میں کام شروع کرتے ہیں۔ دوپہر کا کھانا دربار ہی میں تناول کرتے ہیں۔ شام کو دربار سے اٹھکر پرائیویٹ مکان میں جا بیٹھتے ہیں اور یہاں بھی عموماً کام کرنے میں مصروف رہتے ہیں رات کے بارہ ایک بجے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آج کوئی کہانا نہیں لائیگا۔ اور کھانے سے فراغت پاکر دو تین بجے سونے کو جاتے ہیں۔

امیر صاحب نے تمام دفاتر سلطنت کو ایک مکان میں رکھوا دیا ہے اور خود ان سب کے منتظم اور سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ نہ صرف ایک ایک پرزہ کاغذ کا حال جانتے ہیں اور سب فیصلے خود لکھتے ہیں یا انپر دستخط کرتے ہیں بلکہ ایک پائی خرچ سلطنت کا

امیر صاحب کی محنت کشی اور مصروفیت

اُنکی منظوری کے سوائے نہیں ہو سکتا۔ شاہ ہمایون کیطرح آپنے بھی خاص دن خاص خاص کاموں کے لیئے مقرر کر رکھے ہیں۔ چنانچہ دوشنبہ کے دن آپ قندھار اور ہرات کے معاملات کا تصفیہ کرتے ہیں۔ سہ شنبہ کے دن فوجی دربار کرتے ہیں اور تمام فوجی افسروں کو دوپہر کو ساتھہ کھانا کھلاتے ہیں۔ چارشنبہ اور شنبہ کے دن دربار عام کرتے ہیں جبکہ ہر امیر و غریب کو عرض کرنے کے لیئے باریابی حاصل ہوتی ہے۔ پنجشنبہ کے دن ہندوستان کی خط و کتابت کرتے ہیں۔ یکشنبہ کے دن خانگی معاملات کیطرف غور کرتے ہیں اور جمعہ کو آرام فرماتے ہیں۔ لیکن قاعدہ کا یہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ سفر میں امیر صاحب نہیں جانتے تو کوئی آرام نہیں کرتے بلکہ کام کرتے رہتے ہیں۔ امیر صاحب جب اجلاس پہ بیٹھتے ہیں تو ایک ہاتھہ قبضۂ شمشیر پر رکھے بیٹھتے ہیں۔

شاہ کابل کا قانون پولیس[۱] مختصر اور صاف ہے۔ اگر کوئی شخص سید کی شان میں ناشائستہ الفاظ کہے تو اسکو ضبط نہیں کیا جاتا ... جرمانہ کی سزا

---

[۱] دراصل یہ قانون زیادہ تر شریعت اسلام کے تابع ہے۔ مگر خاص صورت کی سزاؤں میں امیر صاحب کی زبان بمنزلہ قانون کے ہے۔ شریعت کی پابندی کے لیئے امیر کابل کا سرکلر جو ۱۸۹۶ع میں ہندوستان کے اخبارات میں شائع ہوا تھا حسب ذیل ہے۔

امیر عبدالرحمن خاں نے اپنے محتسبوں کے نام دربارہ حفظ قوانین شریعت و پابندی شعار اسلام مندرجہ ذیل ہدایت جاری کی ہے۔ "بعد حمد خدا و نعت پیغمبر واضح ہو کہ ہدایت ہے کہ خواب غفلت میں سوئے ہوئے بیدار ہوں۔ پرہیزگاری و دینداری احکام الہی کے موافق شعار ہوں۔ جو شخص محتسبی کے عہدے پر مقرر ہو چاہیئے کہ خدا ترس نیک طبیعت اور قانع ہو تا کہ لوگ اسکی عزت کریں اور کوئی اوس سے عداوت نہ رکھے اسکا کام پولیس جیسی نہیں بلکہ مذہبی تعلیم دینا ہے۔ جو شخص نماز کا پابند نہیں یا کافی رکھے

(دیکھو صفحہ ۱۲۳)

خاص کاموں کے خاص دن

دیجاتی ہے۔ اگر کوئی کیسکو گالی نکالے تو دس ضرب تازیانہ اور دس روپیہ جرمانہ کی سزا دیجاتی ہے۔ جرائم متعلق جائداد کی نسبت بڑی سختی سے سزا دیجاتی ہے اگر کوئی شخص مسجد میں اگر شور مچائے تو وہ بھی قابل سزا ہے۔ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے تو پہلے اسکو ملائمیت اور نرمی سے سمجھایا جاتا ہے۔ اگر نہ ملنے تو درشت کلامی سے۔ اسکو بھی نہ ملنے تو چوب چماق سے دعوت کی جاتی ہے۔ اگر پھر بھی نہ

کابل کا قانون پولیس

ہدایات محتسب

وسجود بجا نہیں لاتا اسکو مہربانی اور سہولت سے سمجھایئے اگر سہولت میں ناکامی ہو تو فہمائش کرے۔ اگر پھر بھی ناکامی ہو تو محتسب اُسپر چیں بر جبیں ہو اور سخت کلامی سے صرف اسقدر خطاب کرے "کہ اے بے وقوف یا اے بے عقل" اس سے زیادہ تیز کلامی نہ کرے۔ پھر بھی نہ مانے تو تہدید کرے۔ اور سپاہیوں سے کام لے۔ پھر بھی نہ مانے تو حاکم وقت سے رپوٹ کرے۔ وہ جو کچھ مناسب سمجھے کرے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس مجرموں کو زیادہ دہمکی نہ دے صرف اُسیقدر کہ وہ عمل کرسکے۔ لوگوں کی خفیہ باتوں کا تجسس نہ کرے کیونکہ یہ امور احکام الہی کے خلاف ہیں۔ سزائے تازیانہ کی نسبت امیر نے چند ہدایتیں کی ہیں جنکو اس سے آگے درج کیا جاتا ہے۔ تازیانہ کا ایک ٹہروار نمونہ تمام مقامات میں بھیجا گیا ہے۔ اسمیں اونٹ گائے یا بھیڑ کی کھال کے تین تسمے ہیں۔ ہر ایک تسمہ چار انگل چوڑا ہے۔ انگل کا شمار چھ جو کا ہے اور ۶۴ انگل لمبا ہے۔ جو موافق شمار حروف کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے ہے۔ کیونکہ اس کلمہ کے حروف بھی ۶۴ ہیں۔ نہ تو تسمے کی رسّے موٹے اور نہ باریک ہیں نہ اسمیں گرہ ہے جس سے زیادہ چوٹ لگے۔ ہاتھ کا دستہ چوب زیتون کا ہے۔ ہدایت ہے کہ جتنا تازیانہ کی ضربیں لگائیں "کلمہ" پڑھیں۔ ہلکی ضرب لگائیں۔ ضرب لگاتے وقت تازیانہ سر سے بلند نہ ہو۔ تاکہ محتسب کا غرور نہ ہو۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تمکو مجرم کی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مسلمان ہونا ایک قسم شرف ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ خاطی کے مقابل میں اپنے کو برا نہ سمجھے۔

ملنے تو امیر کو خبر کیجاتی ہے۔ اور پھر جو سزا اُسکی قسمت میں ہو اُسکو ملجاتی ہے مگر امیر صاحب کی نسبت گرے صاحب اپنی کتاب میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ وہ خود نماز کے پابند نہیں۔ ہرچند کہ وہ بڑے پکتے اور بےریا مسلمان ہیں۔ یہہ رمضان میں روزے نہیں رکھتے۔ بلکہ اِس لیئے کہ آدمی روزہ رکھکر بیمار ہو جاتا ہے۔ وہ کبھی رمضان کو "مرضان" بھی کہتے ہیں۔ البتہ عیدین کی نماز میں امیر صاحب ضرور شریک ہوتے ہیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ گرے صاحب کی باتیں بہت معتبر نہیں۔

تعزیرات فوجداری ۱۳۱۲

اگر کوئی شخص شارع عام میں فحش بکتا ہو یا کسی سید یا ملا وغیرہ کو گالیاں دیتا ہو تو بیس تازیانہ اور پچاس روپیہ جرمانہ۔ اگر کسی عامی کو گالیاں دیتا ہو تو دس تازیانہ اور دس روپیہ جرمانہ۔ اگر مسلمان مذہبی گالی مسلمان کو دے تو دونوں میں کوئی تفریق نہ کریں صرف مسلمان ہونا کافی ہے۔ اول مرتبہ گالی دینے پر ۲۰ تازیانے اور ۲۰ دن کی قید (کیونکہ اسلام میں ۲۰ ہی مذاہب ہیں) دوبارہ جرم پر ۴۰ تازیانے اور چھہ ماہ کی قید تیسرے مرتبہ کے ارتکاب پر پھانسی (کیونکہ اسلام میں فساد ڈالتا ہے) اگر کسی شخص کے جسمانی اعضاء یا روح کو گالی دے تو یہہ بھی قابل تازیانہ و قید ہے۔ اگر باٹ یا پیمانہ کم ہو تب بھی سزا ہے۔ ناقص اشیاء کی فروخت بے پردہ نہانے۔ مگر وہ اشیاء کے کھلانے۔ قمار بازی۔ ترک صوم و صلوۃ۔ مسجد میں بیجا حرکت کرنے پر سزا ہے۔ تعویذ فروخت کرنے۔ خیرات پانے کے لیئے قرآن پڑہنے کی سزا ہے۔ محتسب تمام مشتبہہ آوارہ آدمیوں کی نگرانی رکہے۔ بوڑہے ضعیف اور کمزور آدمیوں کم سن بچوں کی خبرگیری کرے جنکے گذارہ کی کوئی صورت نہیں۔ عورتوں کی عصمت کا لحاظ رکہے۔ اگر مرد کسی غیر عورت کا بوسہ لے تو بیس تازیانے اور قید۔ اور اگر کسی عورت یا مرد کی زناکاری ثابت ہو تو اُنکو سنگسار کیا جاوے۔

امیر صاحب نے فوج میں بھی اصلاح لی ہے - انتظام جدید کے بموجب اول درجہ کی جرنیل کی تنخواہ چھہ سو روپیہ کابلی ہے - برگیڈیر کی تنخواہ اڑہائی سو روپیہ ہے - کرنیل کی تنخواہ دو سو روپیہ ہے - میجر کی ۱۲۰ روپیہ - کپتان کی اسی اگر وہ رسالہ کا ہو - اگر پلٹن کا ہو تو صرف تیس روپیہ ہے - سوار کی بیس روپیہ اور پیدل کی ۱۰ روپیہ ہے - ہر رجمنٹ میں ایک ملّا - ایک حکیم اور ایک جراح ہوتا ہے حوالدار سے نیچے سب کو نصف تنخواہ نقد اور نصف تنخواہ کے عوض میں جنس اور غلہ وغیرہ دیا جاتا ہے - ایک امر امیر صاحب کی فوج میں اصلاح طلب یہ ہے کہ وہاں ترقی لیاقت پر نہیں ہوتی عموماً عہدہ دار لوگ اعلےٰ خاندانوں کے بیٹے ہوتے ہیں - امیر صاحب کو افغانوں کی جہالت پر بڑا افسوس ہے - انہوں نے ڈاکٹر گرے کو کہا تہا کہ میں ان میں اول کو تعلیم دینا چاہتا تہا - مگر یہ کچھہ نہ سیکھے اور اب فوج میں کام کرینگے -

امیر صاحب کی جنگی طاقت

باقاعدہ فوج کے علاوہ اور بہت سی فوج امیر صاحب بوقت ضرورت جرگوں سے مہیا کر سکتے ہیں - علاوہ انکے انہوں نے ایک بہت عمدہ ڈہنگ والنٹیر تیار کرنیکا ڈالا ہوا ہے[1] سنہ ۱۸۸۲ء اور ۱۸۹۶ء میں امیر صاحب کی فوج بترتیب حسب تفصیل ذیل تہی۔

تفصیل	سنہ ۱۸۹۶ء	سنہ ۱۸۸۲ء
توپ خانہ فوج	۱۷۰۰	۱۲۰۰
سوار اور رسالہ	۸۰۰۰	۹۷۵۰
پیادے اور پلٹنیں	۴۰۰۰۰	۳۰۸۹۰
ریگلر (باقاعدہ) سوار	۱۰۹۹۰	۷۵۰۰
خاصہ دار	۱۰۰۰۰	۹۰۰۰
اتواپ	۲۰۰ تقریباً	۱۸۰

[1] حال میں امیر صاحب افغانستان میں فوجی ملازمت لازمی کر دی ہے اور اعلان جاری کیا ہے کہ ہر آٹھہ آدمی پیچھے ایک آدمی کو جنگی ملازمت اختیار کرنی ہوگی - امیر صاحب کی ۱۰ ہزار ریگلر فوج ہر وقت کابل میں تیار رہتی ہیں - باقی جلال آباد - ہرات - مزار شریف (دیکھو صفحہ ۱۲۶)

اگرچہ امیر صاحب نے یہہ منظور نہیں کیا کہ کوئی انگریز ریزیڈنٹ کابل میں متعین ہو۔ لیکن [illegible] تابل دوسرے کاموں کے لیئے انگریزوں کو ملازم رکھہ لیا ہے۔ چنانچہ [illegible] ایک شخص مسمی جیروم کو جو فرانسیسی انجنیر تھا کارخانہ [illegible] کے لیئے [illegible] اس شخص نے عبد السبحان خان کشمیری کی صلاح و مشورہ کے بعد [illegible] کا وعدہ کیا۔ یہہ عبد السبحان پہلے انگریزوں کے [illegible] ڈیپارٹمنٹ میں [illegible] تھا۔ اور بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ جنگ افغانستان میں انگریزوں کے ساتھ کابل گیا تھا۔ جنگ کے خاتمہ پر اُسکی خاطر خواہ قدر نہ ہوئی کہ جس سے وہ وہاں سے دل برداشتہ ہوکر کابل میں ٹھہر گیا۔ یہہ شخص امیر صاحب کی فوج میں بریگیڈیر ہوگیا تھا۔ اور بہت بڑی عزت حاصل کی تھی۔ مگر کسی سازش کے جرم میں قتل کیا گیا۔ اس شخص کی صلاح سے جیروم ہندوستان

[illegible]

قندھار و [illegible] مقامات میں [illegible] ہے۔ پایونیر لکھتا ہے کہ بریچ لوڈر بندوقیں تو امیر صاحب کے پاس اسقدر [illegible] ہیں کہ پچاس ہزار فوج کو فوراً مسلح کر سکتے ہیں۔ لیکن چاندماری کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ کیونکہ وہ سکنڈری پریکٹس میں روپیہ ضائع کرنا فضول سمجھتے ہیں فی سپاہی [illegible] سالانہ نشانہ بازی کے لیئے دیئے جاتے ہیں۔ پایونیر کی رائے ہے کہ بجائے تعداد بڑھانے کے امیر صاحب کو چاہیئے کہ افغانی فوج کی قابلیت نشانہ بازی کی ترقی دیں تاکہ [illegible] پیشقدمی کرے تو جب تک ہماری فوجیں [illegible] پہنچیں اسکو [illegible] کر سکیں [illegible] انمیں سے کچھہ توپیں کابل کی ڈھلی ہوئی ہیں اور باقی انگریزی ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہہ [illegible] کا حساب بھی صحیح نہیں۔ اور بہت پرانا ہے کہ جسمیں [illegible] سے بہت کم تفاوت ہے۔ کیونکہ کوئی شک نہیں کہ اس عرصہ میں امیر صاحب نے جمعیت فوجی اور توپوں بندوقوں میں بہت اضافہ کر لیا ہے۔ بندوقیں توڑے دار سے لیکر [illegible] تک ہر قسم کی بنی ہیں مگر توڑے دار بہت کم رہ گئی ہیں۔

کو آیا اور زر کثیر صرف کر کے بہت سی قیمتی کلیں خریدیں مگر تجربہ [illegible] زیادہ مدت نہ ٹھہرا۔ آخر عبدالسبحان خاں [illegible] سے امیر صاحب نے مسٹر پائین کو [illegible] ملازمت سے اور [illegible] میں مشتاق اور انجینیر [illegible] سے [illegible] ۱۸۸۶ء میں ورکشاپ [illegible] کارخانہ جاری کیا [illegible] بندوقیں اور توپیں کابل میں ڈھالی گئیں [illegible] اور یورپ کی اصلاح یافتہ طرز کی کل [illegible] توپیں [illegible] بندوقیں تیار [illegible] دنیا کی

سلہ لندن [illegible] روٹر کے ایجنٹ [illegible] ۱۸۹۶ء میں [illegible] کا لندن [illegible] اور افغانستان میں مغربی شائستگی کی ترقی اور امیر صاحب [illegible] خدمت میں اپنے داخل ہونے کی کیفیت اسطرح بیان کی ہے جسکو دلچسپ سمجھکر میں نقل کرتا ہوں۔

جبکہ لارڈ ڈفرن وائسرائے مقرر ہوئے تو انہوں نے بغرض استحکام تعلقات مابین گریٹ برٹن اور افغانستان کے امیر صاحب کو ہندوستان میں بلایا امیر صاحب نے اس درخواست کو قبول کیا اور حضور وائسرائے بہادر سے راولپنڈی میں ملاقات کی۔ یہاں امیر صاحب نے [illegible] اور چیزوں کے ایک فوقانی انجن بھی دیکھا۔ امیر صاحب نے اسکو پسند کیا اور کابل میں کلوں کا کارخانہ جاری کرنے کی طرف خیال رجوع ہوا اور دارالخلافت کابل میں کر دیا [illegible] کی بنیاد اس طرح سے ہوئی۔ ایک فرانسیسی جو راولپنڈی کی کلوں کا انچارج تھا امیر صاحب نے اوسکو کابل لیجانا چاہا۔ لیکن اُسنے بغیر کسی یورپین کے جو اسکا ہمراہی ہوجانے سے انکار کیا اور اسی غرض سے اُسنے مجھ سے کلکتہ میں خط وکتابت کی اور مجھکو اپنے ساتھ لیجانا چاہا میں راضی ہوگیا لیکن حضور وائسرائے بہادر نے یہ خیال کر کے ایک خطرناک معاملہ ہے مجھے اجازت نہ دی۔ وہ فرانسیسی افغانوں کا بھیس بدل کر کابل کو چلا گیا اور سفر کی دقتیں جھیلکر دارالخلافت میں پہنچا اور ایک مہینے کے بعد امیر صاحب نے اسکو کلیں خریدنے اور کابل میں ورکشاپ قائم کرنیکو مقرر کیا۔ تب امیر صاحب نے گورنمنٹ ہند سے [illegible] کی کہ انجنیروں کو یہاں آنے کی اجازت دیجاوے۔ لیکن اسکا کچھ نتیجہ نہ ہوا کیونکہ گورنمنٹ اپنے قدیمی [illegible] جیسا کہ میرے ساتھ ظاہر ہوا تھا قائم تھی اور انگریزوں کو وہاں جانے سے منع کیا۔ وہ فرانسیسی مجبور [illegible] اسنے کابل کو واپس نہ جانیکا ارادہ ظاہر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب ابھی اس [illegible] سے

تاریخ میں کوئی خفیف بات نہیں اور اس خاص احسان کے لیئے قوم افغان اور
افغانستان کی آئندہ نسلیں امیر عبدالرحمن خاں کی جسقدر مشکور اور ممنون ہوں تہوڑا ہے
اسلحہ حرب اور دیگر اشیائی تجارت تیار کرنے کے کارخانے بناکر امیر صاحب نے افغانستان کے
لیئے وہ کام کیا ہے جو پیٹر اعظم نے روس کے لئے کیا تہا - اگر افغان بُت پرست

کچھ شبہ ہوگیا تہا اسلیئے اُسکو چہہ افغانی افسروں کی سخت نگرانی میں ہندوستان کو
روانہ کیا تہا اور ہر ایک افسر کو شدید حکم تہا کہ اُسکو آنکھ سے جُدا نہ کریں - اِسعرصہ میں
کلیں جو فرانسیسی نے منگائی تہیں یورپ سے کراچی میں پہونچگیئں - امیر صاحب کے ایک
ایجنٹ کے حوالہ کی گیئں - اب فرانسیسی غائب ہوگیا اور خیال کیا جاتا ہے کہ کسی وقت پہرے
والوں کو غافل پاکر رات میں یورپ جانے والے کسی جہاز میں چلا گیا - کئی مہینے کے بعد جبکہ امیر
صاحب نے دیکہا کہ فرانسیسی کابل کو واپس نہ آیا تو گورنمنٹ انڈیا کو انجینیر کے واسطے لکہا - جسکا
جواب دیا گیا کہ سرکاری طور سے ایسی درخواست کی تعمیل نہیں ہو سکتی لیکن اگر کسی آدمی
کی تشریح کیجاوے تو اُسکو اجازت ہوسکیگی - آخر کار مجہے اجازت ہوئی اور ۲۱ مارچ ۱۸۸۵ء
کو میں اپنے آپکو بالکل افغانی سواروں کی سپردگی میں دیکر جو مجہے لینے آئے تہے پشاور سے
کابل کو روانہ ہوا - اور مجہکو فوراً ہی یہ بہی معلوم ہوا کہ یہہ سوار اسمیں اپنی توہین سمجھتے تہے
کہ اُنکو فرنگی کے ساتہہ جانیکا حکم دیا گیا - سرزمین افغانستان میں میری پہلی رات مقام
ڈھکہ میں بسر ہوئی جو خیبر کے بعد افغانستان کی ابتدا ہے - اور یہ وہ رات تہی جسکو میں کبہی
نہ بہولونگا - شنواری جو ایسے مطیع نہ تہے جیسے کہ بالفعل ہیں آخر حصہ رات میں گاؤں پر
حملہ آور ہوئے اور اُسکو لوٹ لیا - کچہہ لڑائی بہی ہوئی جسمیں بہت آدمی مارے گئے - اور زخمی
ہوئے - مجہے میرے محافظین نے بنظر احتیاط ایک چہوٹے حجرہ میں جو شہر پناہ کی دیوار میں
تہا ٹہہا دیا - اِس کوٹہری میں زینہ لگا کر ایک کمانی دار دروازہ کی راہ سے جانا پڑا اور
جبکہ زینہ ہٹا لیا تو میں مثل ایک قیدی کے ہوگیا - جبکہ چہار طرف گولی چل رہی تہی میری
اُس وقت کی حالت کا بجائے تحریر میں لانے کے خود ہی بہت اچہی طرح اندازہ ہو سکتا ہے
لہذا میں نے دوسرے دن ہندوستان کو واپسی کا قصد کیا - لیکن معلوم ہوا کہ یہ غیر ممکن
ہے - یعنی امیر نے مجہے کابل میں لانیکا حکم دیا ہے اور افغانی افسر میری رسید دیچکے ہیں

قوم ہوتی اور میں انکو نصیحت دیتا کہ اس شکر گذاری کے لئے جو امیر نے تمہاری قوم
کو آجکل دنیا میں ایک زبردست قوم اور تمہاری سلطنت کو دنیا کی سلطنتوں
میں ایک نامور سلطنت بنا کر حاصل کی ہے اُسی کے آگے بت کو پوجا کرو مگر الحمدللہ کہ وہ خدا پرست

اور علاوہ اسکے درہ خیبر بھی بند ہے۔ اب بجز آگے بڑھنے کے کچھ چارہ نہ تھا۔ وہاں سے
روانہ ہوئے اور باریکاب میں پہنچے۔ لیکن میں بہت ہی خستہ اور دل شکستہ تھا
نیند آگئی۔ صبح کو جب سو کر اٹھا تو پہلی چیز یہ دیکھی۔ کہ ایک فقیر ہاتھ پیر بندھا ہوا
صحن میں پڑا ہے۔ میں نے اسکا سبب پوچھا۔ تحمل کے ساتھ جواب ملا کہ رات میں وہ مجھے قتل کرنا چاہتا
تھا اور میرے پلنگ سے صرف دو قدم کے فاصلہ پر افغانی چھرا ہاتھ میں لئے ہوئے آ پہونچا تھا
اگر نہ پکڑا جاتا تو میرا کام تمام ہو چکا تھا۔ گرفتار کیا گیا ہے۔ خیر اسکو کابل لیگئے اور وہاں اسکا
فیصلہ ہوا۔ کئی روز کے بعد جلال آباد پہونچے۔ یہاں غلام حیدر خاں کمانڈر انچیف نے بہت
اچھی طرح تواضع کی اور اس تکریم سے خوش ہو کر دارالخلافت کو روانہ ہوئے۔ سوا بجز ایک
واقعہ کے کہ باریکاب میں میرے قتل کا ارادہ کیا گیا بخیریت تمام کابل میں پہونچ گیا۔

کابل میں پہونچکر دس روز تک میں نے آرام کیا اور اس عرصہ میں امیر صاحب کی مدارات
کے متعلق میں نے ایسے عجیب و غریب قصے سنے کہ مجھے انکی مملکت میں آنے سے شبہات عائد
ہونے لگے۔ القصہ میری پہلی ملاقات کے واسطے ایک دن مقرر ہوا۔ اس روز ایک عظیم الشان
دربار عام تھا اور مجھے نہایت سنجیدگی کے ساتھ امیر عبدالرحمن خاں کے حضور میں حاضر
کیا گیا۔ لیکن مجھے بہت ہی تعجب ہوا۔ کہ امیر صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور دیر تک مصافحہ کیا
اور یہ امید ظاہر کی کہ میں کابل کو مثل اپنے گھر کے سمجھونگا اور ہر طرح خوش و خرم رہونگا
کرسی منگائی جو اس وقت کابل میں ایک انوکھی چیز تھی اور مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کو ارشاد کیا
میں وہاں آٹھ گھنٹے تک رہا اور امیر صاحب بیشتر مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ دوسرے دن پھر
بلانے کو کہا اور اسی طرح میں ہفتے تک ہر روز جاتا رہا۔ اسکے بعد بلا کسی تخصیص کے
کہا کہ تمکو کابل میں ایک جدید کارخانہ جس سے ملکی ضروریات بہم پہونچیں قائم کرنا ضرور ہے۔ میں نے

(دیکھو صفحہ ۱۳۰)

ہیں۔ اسلیئے میں اُنکو یاد دلاتا ہوں کہ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ"۔ کابل میں امیر صاحب کی سرکاری کارخانوں میں اُس وقت چار ہزار کے قریب آدمی کام کرتے ہیں یعنی شہر کابل کی آبادی کا ساتواں حصہ روٹی ورکشاپ کی بدولت حاصل کرتا ہے۔ ہر روز دس ہزار مارٹینی کارتوس اور دس ہزار سنائیڈر کارتوس تیار

کارخانوں کا فائدہ

جلد ہی سے کاروبار اور تعمیر شروع کر دی۔ بے تعداد روپیہ اور مزدور بھیج دیئے گئے تین مہینے کے بعد امیر صاحب میرے کام کو دیکھنے کو آئے اور ملاحظہ کے بعد بلا کسی تشریح کو مفصلہ ذیل تقریر فرمائی "آج کا دن میری زندگی میں سب سے زیادہ مسرت کا دن ہے۔ میں آج اُس کام کی بنیاد دیکھتا ہوں جو افغانستان کے واسطے ایک معاملہ عظیم ہونے والا ہے۔ قبل ازاں کہ یہ ورکشاپ ختم ہو تین چیزیں ضروری ہیں۔ اوّل خدا کی مدد دوم میرا روپیہ سوئم تمہارا کام۔ اور تمہارا اور میرا روپیہ بغیر خدا کی مدد کے بیکار ہے۔ خدا کی مدد اور میرا روپیہ بغیر تمہارے کام کے اور تمہارا کام اور میرا روپیہ بغیر خدا کی مدد کے بے حقیقت ہی۔ میں روپیہ لگاؤنگا تم کام کرو اور خدا کی مدد پر امید رکھنی چاہیے جب عمارت ختم ہو جائے تو میرے پاس آنا"

عمارت کے اختتام میں کوئی تین مہینے اور صرف ہوئے۔ اُسکے بعد امیر صاحب نے مجھے یورپ سے کلیں لانے کا حکم دیا۔ اگر ایسا آدمی میرا حامی نہ ہوتا جسنے ناکامیابی کی مشکلات کو کسیطرح راہ نہ دی تو عمارت ہی پر میرے کام کا خاتمہ ہو جاتا۔ بھاری کلوں کے لانیکے بے انتہا مصارف اور اُنکا پشاور ریلے ریل کے بعد پہاڑوں میں لیجانا معمولی آدمی کا کام نہ تھا۔ کلوں کے بہم پہونچانے اور اُنکی مخصوص تیاری میں اٹھارہ مہینے انگلستان میں لگے اور اتنے دنوں تک میں کابل سے غیر حاضر رہا اور یہ کچھ تعجب نہ تھا اگر مجھے بھی فرانسیسی مغرور کیطرح خیال کر لیا جاتا۔ لیکن قبل کسی الزام کے ایک لکڑی چیرنے کی کل جاری ہو گئی اور اس پہلی ہی کل کا یہ نتیجہ ہوا اور امیر اور اُنکی رعایا کو اسقدر تعجب ہوا کہ سارے ناگذیر تاخیر مطمئن بتجویز کے ساتھ فراموش ہو گئی۔ اسکے بعد ٹکسال جاری ہوئی جسمیں لاکھوں روپیئے تیار ہوتے ہیں۔ سکوں کا نقشہ بنایا گیا اور ٹھپے کاٹے گئے۔ یہ کام افغانستان کے کاریگروں کو بہت مشکل معلوم ہوا۔ لیکن بہت سے الٹ پھیر کے بعد دو چاندی کے سکے ادسر پانے تک بنے

ہوتے ہیں۔ ہفتہ وار دو توپیں مع کل سامان متعلقہ اور پندرہ رائفلیں یومیہ
بنتی ہیں۔ جلد جلد چلنے والی توپیں بھی ہفتہ میں دو تیار ہوتی ہیں۔ گولوں کے ڈھالنے
اور بارود بنانے کے لیئے جدید کلیں منگوائے گئے ہیں۔ ٹکسالوں میں یومیہ ایک
لاکھ بیس ہزار مختلف سکے مضروب ہوتے ہیں۔ چمڑے دیاسلائی صابون سازی
وغیرہ کے کارخانوں کے علاوہ حال ہی میں گلٹ سازی کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے
کارخانے اگر سیدھے خط میں رکھے جاویں تو انکا طول ½ میل اور عرض سو گز تک ہو۔

کارخانوں کا کام۔

[illegible]

کا بنایا گیا۔ جنکو میں خیال کرتا ہوں ایسے ہیں جیسے کہ اور کسی ٹکسال میں بنائے جاتے
نیز نئے سکوں کے رواج نے افغانیوں کی رائے کو اپنے حکمران کی نسبت بدلا اور اسکی
ترقی کرنے والی پالیسی کے بہت مداح ہوئے۔ لیکن ہمیشہ شبہ کرنے والے افغان میری
کوششوں کی اور حقارت کیو سے کی بھانے کے منتظر رہتے تھے اور یہ کہنا شروع
کیا کہ کیا سبب ہے کہ جو صاحب کارتوس اور لڑائی کا سامان ہمارے واسطے نہیں بناتا کوئی
کارتوس کے کارخانے سے واقف ہو وہ اِن مشکلات کی ضروری قدر کریگا۔ جو مجھے اِس
کام میں بغیر مدد کسی ہوشیار کاریگر کے پیش آئیں۔ تاہم صبر اور استقلال کے ساتھ
اِس مشکل کو بھی طے کیا۔ اور ہم سات ہزار کارتوس مارٹینی کے اور ۹ ہزار اسنائیڈر کے
روزانہ تیار کر سکتے ہیں۔ اِس سامان حرب کے کارخانے نے افغانوں کے شبہہ کو ٹھنڈا کر دیا
اور انکو یقین ہوگیا کہ انگریز انکے دوست ہیں ورنہ وہ اپنے ایک ہم وطن کو ہمیں ایسی
چیزیں بنانے کی اجازت نہ دیتے۔ دوسرے توجہ مارٹینی بندوق ڈھالنے کیطرف منعطف
ہوئی۔ ہنڈا ایک میکنی اور تھوڑا انسانی طاقت سے چلنے کے لیئے لگایا۔ سال گذشتہ
میں کوئی پچاس منہ کی طرف سے بھرنے والی اور بہت سی لوڈر توپیں بنائی گئیں یہ تو
ٹھیک نہیں کہ انکو ولیچ کے کارخانے سے مقابلہ کیا جاوے۔ لیکن ہر توپ سابق کی توپوں
سے عمدہ ہے۔ اور میں یقین کر سکتا ہوں کہ بہت ہی خوفناک حربے ہیں۔

یہانتک کہ بلیوں کو مطمئن کر کے میں نے صابون اور بتی اور بوٹ بنانا شروع کیا بوٹ کے
۱۵۰ جوڑے روزانہ فوجی استعمال کے لایق تیار رہتے ہیں اور ۵۰۰ تک بن سکتے ہیں

۱۸۹۰ء میں امیر صاحب نے مسٹر او میرا حکیم دندان کو کابل میں بلایا تھا اور
اُس سے اپنے دانت بنوائے تھے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ امیر صاحب راہ چلتے ہوئے
بلا لحاظ مرتبہ ادنے سے ادنے آدمی سے عرضی لیلیتے ہیں اور ہر بات پر خود
توجہ فرماتے ہیں۔ ایک دن اثنائے گفتگو میں امیر صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب
افغان لوگ بڑے سرکش ہیں۔ مالیہ یعنی محاصل کی ایک چوتھائی تو بآسانی وصول
ہوجاتی ہے۔ ایک چوتھائی لڑ بھڑ کر وصول ہوتی ہے۔ ایک چوتھائی بمشکل

افغانی رعایا کی جہالت

اور برانڈی کی آٹھ سو بوتل روزانہ بن سکتی ہے۔ ان تمام حالات سے معلوم ہوگا
کہ کابل میں کیسا کام ہوتا ہے اور میں مختصراً کہہ سکتا ہوں کہ بم کا گولہ بارود تلوار
فرنیچر گاڑیاں زیور اور ہر چیز جو مطلوب ہو کابل میں بن سکتی ہے۔

امیر صاحب کو کابل میں اس کام کی تکمیل سے اسقدر اطمینان ہوا ہے کہ انہوں نے جلال آباد
میں جہاں کنار اور کابل نامی ندیوں کا سنگم ہے ایک ورک شاپ قائم کرنیکا حکم دیا ہے
وہاں اتمار کے جنگل سے بہت قیمتی لٹھے آسکتے ہیں جو درست کر کے ہندوستان کو فروخت کے
واسطے بھیجے جاویں گے اور اس طرح ہم ایک برامد کی تجارت جاری کرنے والے ہیں
آخر دفعہ جبکہ امیر صاحب نے ورکشاپ کا ملاحظہ کیا تو اُسکو اسقدر پسند کیا اور شوق غالب آیا
کہ وہ خود بھی کام کرنے لگے۔ پس امیر کو دیکھنا کہ وہ ریتی سے دھات کو رگڑتے تھے اور لکڑی
کو خراد پر لگاتے تھے میں کبھی نہ بھولونگا۔

اخیر میں مسٹر پائن نے کہا کہ ان سب باتوں کا اثر آیندہ حالت افغانستان پر ایسا ہوگا کہ
جسقدر اوسکو بیان کریں کم ہے۔ امیر نے کبھی امید نہ کی تھی اور وہ خود کہتے تھے کہ ان کاموں
سے اونکو کوئی مالی فائدہ مقصود نہیں ہے بلکہ اپنے مذہبی گروہوں کو مہذب اور شائستہ
بنانا ہے تیرہ برس سے پہلے جبکہ امیر صاحب تخت نشین ہوئے جو افغانستان کی حالت تھی بالکل
اسکے خلاف ہے جو اب اُسکی کیفیت ہے۔ اسی طرح اب سے دس برس بعد اگر یہی امیر زندہ رہے
تو کچھ اور ہی صورت ہوگی چھوٹی چیزوں سے بڑے نتائج نکلتے ہیں۔ اگر امیر صاحب چھوٹا انجن
راولپنڈی میں نہ دیکھتے تو آج اس وسیع کارخانہ کا جس میں لاکھوں لگا بلکہ کروڑوں روپیہ
صرف ہوا ہے وجود نہ ہوتا اور نہ وہ بیمہ دولت و ثروت جسکے سبب لوگ کابل جاتے تھے آج دس گنا ہوتا۔

وصول نہیں ہوتا۔ اور ایک چوتہائی وہ لوگ نہیں جانتے کہ کسکو دیں۔ پس یہ اسی طرح خورد برد ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر گرے کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امیر صاحب دربار شریف میں تھے اور سر عام امیر صاحب نے اپنے مصنوعی دانت جو بسٹرا اومیرا نے بنائے تھے۔ منہ سے نکالکر برش سے صاف کیئے اور پھر منہ میں دہر لیئے۔ افغانوں کو بڑا تعجب ہوا اور وہ بہت ڈرے۔ یہہ عجیب امیر ہے جو اجزائے بدن کو بھی جس وقت چاہتے ریزہ ریزہ کرسکتا ہے۔ یا تو وہ زمانہ تہا کہ کابل کے نام سے غیر قوم و مذہب کے لوگ گہبراتے تھے۔ کابل کیا پشاور میں جانا غیر مامون سمجھتے تھے۔ یا اب وہ زمانہ ہے کہ خاص کابل میں یورپین لیڈیاں جاتی ہیں اور امیر صاحب کی فیاضی سے بہرہ ور ہوتی ہیں۔ بیشک اس امن و انتظام کے فخر کا تو لکہا ہار امیر صاحب کے گلے میں ہے اور وہ ہر طرح سے تحسین اور تعریف کے قابل ہیں۔ علاوہ سر سالٹر پائین کے مفصلہ ذیل انگریز امیر صاحب کے ملازم رہچکے ہیں۔

امیر صاحب کے مصنوعی دانت

افغانستان کے یورپین ملازم

ڈاکٹر جان گرے۔ ایم۔ ڈی۔ (حال مستعفی)

کپتان گرسباج۔ ماہر علوم طبقات ارض (ایضاً)

مسٹر آرتہر کالنس۔ ایف جی۔ ایس جیولوجسٹ اور نیا کا نہا۔ (حال مستعفی)

مسٹر کلیمنس میر اصطبل[1] (حال مستعفی)

اسکے علاوہ مس ہملٹن بہت مدت کابل میں رہیں۔ مس ہملٹن کی حکمت کی

---

[1] مسٹر فرینک اے۔ کلیمنس نے بھی جو امیر صاحب کے میر اصطبل رہ چکے ہیں۔ فروری ۱۸۹۷ء میں سوسائٹی آف آرٹس لنڈن میں ایک لکچر امیر صاحب کا نمبر پر ورشائستگی کو ترقی دینے کے متعلق دیا تہا جو دلچسپ سمجھکر یہاں ترجمہ کیا جاتا ہے۔

"امیر صاحب افغانستان کی تہذیب میں بڑی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ عقیل ہوشیار اور روشن صاف ادراک سمجھتے ہیں اور جو نوکر انکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اس سے بہت خوش ہوتے ہیں اور جو وہ کہتا ہے وہی کرتے ہیں۔ ذرا انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ افغانستان کی ترقی چاہتا ہے

ایسی تعریف کابل میں ہوئی کہ لوگ اُسے بقراط ثانی اور جالینوس زماں سمجھنے لگے مسز
کلامنس اور مسز والٹر ۱۸۹۵ء میں کابل گئیں اور موسم گرما بلستان وہیں گذارا مسز کلیمنس کا

[illegible]

بچہ جو وہ مانگتا ہے اُسے دیتے ہیں۔ امیر نے اپنی پوشاک محل دار السلطنت اسباب خانگی
اور فوج کو یوروپ کے ڈھنگ کا نہیں بنایا ہے۔ بلکہ وہ اپنی عملداری کو یوروپین بنایا چاہتے
ہیں۔ یہاں تک کہ گھوڑے اور مویشی بھی ویسے ہی کر لئے ہیں انکی فوج میں سوار بہت ہیں۔
اسلئے گھوڑے بھی اسی نسل کے اپنے ہاں پیدا کرا لیتے ہیں۔ عرب۔ آسٹریلیا اور ولیتی گھوڑوں کے
بچے لئے جاتے ہیں اور انگریزی عام گھوڑوں کی نسل میں بڑی ترقی کی ہے۔ مسٹر کلیمنس کہتے ہیں کہ
میری تحت میں جو گھوڑوں کا کارخانہ ہے اُسمیں، پورے گھوڑے پرنس آف ویلز نیو مارکیٹ نارفوک
اور چشایر سے مول منگوائے گئے ہیں اور سو ہزار گھوڑیاں آسٹریلیا کی ویلز عربی ترکمانی ہراتی
اور عام کابلی ہیں۔ ہاں عمدہ گھوڑے پرنس آف ویلز سے آئے ہیں اور جہاں کہیں عمدہ نسل سُنی
جاتی ہے وہیں سے منگائی جاتی ہے۔ خچر ہندوستان سے خریدے جاتے ہیں۔ غرضکہ ہمارا کارخانہ
خوب چل رہا ہے اور ہر صورت سے ترقی ہے۔ انگریزی نسل کے بچے جو ہوئے ہیں خوب پیدا ہوتے
ہیں البتہ نسل کی درستی میں کچھ زمانہ صرف ہوگا۔ امیر زین سواری کو پسند کرتے ہیں یا گاڑی کو؟
وہ زین سواری کے بہت شوقین ہیں۔ مگر چار پانچ قسم کی گاڑیاں بھی انکے پاس ہیں۔ انکے خاص
اصطبل میں ۸۰ گھوڑے ہیں اور ایسے عمدہ ہیں کہ اگر کہیں ہونگے تو ایسے ہی ہونگے۔ انمیں ۲۰ عربی
ہیں اور باقی سب ولیتی ہیں اور سب عجیب ہیں۔ افغانی گھوڑے بھی کچھ بُرے نہیں ہوتے
چار برس پہلے تو یہاں گھوڑے کا ساز و سامان مشرقی ہوتا تھا مگر جب سے مسٹر پائن نے یہاں
چمڑے کا کارخانہ کیا ہے۔ بڑے بڑے لوگ کابل کی زین کا استعمال کرنے لگے ہیں اور یہاں کی
زینیں عام انگریزی شکار کی نقل کی ہوتی ہیں۔ افغان شہسوار ہوتے ہیں اور سرپٹ چلاتے ہیں
گو شکار کا شوق کم ہے چاء نوشی اور مٹھائی کھانے سے دل بہلاتے ہیں۔ کبھی کبھی تھوڑی
گولی سے شکار کھیلنے یا باز کے شکار کو نکل جاتے ہیں جاڑوں میں تو وہاں انگلستان سے بھی
زیادہ سردی پڑتی ہے کابل کے قریب پرندے کچھ ملجاتے ہیں اور برف کے مارے بھیڑیئے
پہاڑیوں سے اتر آتے ہیں۔ انکا جی چاہے تو شکار کر لے۔ پہاڑی بکریاں ملجاتی ہیں مگر بڑے
جانور نہیں ملتے۔ حالانکہ ترکستان میں جنگلی سور اور شیر بھی ہوتے ہیں۔ امیر نے ایکدفعہ شیر کا

امیر صاحب کا اصطبل

چھوٹا بچہ بھی اُنکے ہمراہ تھا - وہ بیان کرتی ہیں کہ جب ہم گاڑی میں سوار ہو کر امیر صاحب کے درِ دولت پر گئے تو راہ میں لوگ ہمیں جُھک جُھک کر سلام کرتے تھے

[illegible]

بچے ترکستان سے لائے تھے - اور ہاتھی ہندوستان سے یہاں لائے گئے ہیں - امیر جیسے گھوڑوں کے شوقین ہیں ویسے ہی بھیڑ کی طرف بہت رجوع ہیں - اُنکے لیئے بھیڑوں کے بچے بھی لیئے جاتے ہیں - سو بھیڑیں مختلف نسل کی انگلستان سے منگائی ہیں اور سب ٹہ ہیں جنگلی اون بہت عمدہ ہوتی ہے - افغانستان کی بھیڑ کی اون ادنٰے درجہ کی ہوتی ہے

بھیڑونکی اون

اور بڑھ کے بال ہو جاتی ہے - اب دیکھیں کہ انگریزی بھیڑ کی نسل سے یہاں کیا نتیجہ نکلتا ہے - اگر اون یہاں اچھی ہونے لگی تو کپڑے کے لیئے اُسکی بڑی مانگ ہوگی - یورپ کے فیشن کی طرح کے کپڑے تو افغانوں میں پھیلگئے ہیں - یہہ محکمہ مسٹر والٹر کے ہاتھ میں ہے - جو اب انگلستان گئے ہوئے ہیں - وہاں سے امیر اور اُن کے دربار کے لیئے بہت سا مال خرید کر لائیں گے - اور کارخانہ کے لیئے کپڑا ابھی آویگا - انگریزی پوشاک افغانوں میں بہت رائج ہوگئی ہے - سب جاکٹ کوٹ پتلون قمیص گلوبند اور نکٹائی کا استعمال کرنے لگے ہیں - امیر تو اب بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں - مسٹر والٹر انگلستان سے امیر اور شہزادوں ہی کے لیئے کپڑے اور پوشاکیں خرید کے لاوینگے بلکہ افغانستان کے لیئے بھی انگریزی پوشاکیں آوینگی - بعض وقت امیر آرام کے لیئے اپنی ڈھیلی ڈھالی پوشاک پہنکے بیٹھے یا ٹہلتے ہیں - مگر پسند انگریزی ہی پوشاک ہے اور پہنتے بھی ہیں آپکو خوب سجتی ہے انگریزی وضع میں آپ بھلے معلوم ہوتے ہیں - ٹوپی استراخان ترکمانی دیتے ہیں - جو عموماً وہاں مستعمل ہے - جاڑوں میں وہاں عموماً پوستین پہنا جاتا ہے یہ ایک کوٹ بھیڑ کی کھال کا ہوتا ہے جسکی اون اندر رہتی ہے - اور چمڑا باہر ہوتا ہے - جسے پیلا رنگ لیتے ہیں اور اکثر اُس پر کام بھی کرایا جاتا ہے - وہانکے درزی انگریزی کپڑا خوب بنانے لگے ہیں - اور پھر مسٹر والٹر قطع کر دیتے ہیں - اور جن لوگوں کو اُنہوں نے اپنا شاگرد کر لیا ہے وہ سی دیتے ہیں - یورپین خیالات افغانی گروہ میں سماتے جاتے ہیں - انگریزی بولنے والے دنیا کی شاخ اب کابل میں آ پہنچی ہے - افغانستان کی عام زبان فارسی ہے - مگر امیر تھوڑی سی انگریزی بھی بول لیتے ہیں - اور درباری ترجمان نے شہزادہ حبیب اللہ خان کو اچھی

افغانوں کی پوشاک

اور بہ آبدار جواہر خانہ میں بیٹھے تھے۔ اور کہتے تھے اندرونی باتیں مسٹر [illegible] نے لکھا ہے
کہ ملکہ یعنی بی بی حلیمہ نہایت خوبصورت شائستہ اور باذوق بیگم ہے مسز کلیمنسن ہی

[illegible]

نے انگریزی بولنا سکھا دیا ہے۔ ارک کے محل میں بہت سے یورپین اسباب
ہیں کمروں میں یورپین میزیں اور کرسیاں ہیں اور دیواروں میں انگریزی
تصویریں لگی ہیں۔ اور انگریزی کلاک اور گھڑیاں وقت بتاتی ہیں انگریزی پیانو بجتے ہیں

سلطانہ۔ امیر صاحب یورپین لوگوں سے کیسا اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اور کابل میں یورپین لوگوں
کی زندگی کس طرح بسر ہوتی ہے۔ امیر صاحب کی لیڈی ڈاکٹر مس ہملٹن کی ہمشیرہ کی اس گفتگو
سے معلوم ہوسکتا ہے جو انہوں نے ہندوستان میں ایک اخبار کے نامہ نگار سے کی تھی۔ اسمیں سے ایک حصہ
اخذ کیا جاتا ہے۔ میری ہمشیرہ میزیں کرسیاں اور اس قسم کی دوسری چیزیں اپنے ساتھ
لیتی گئی تھیں۔ پھر امیر صاحب نے بھی انکو بعض نفیس قالین وغیرہ مرحمت کیے اور ہمارے آرام
کی چیزیں اس طور سے بخوبی مہیا ہوگئیں۔ بازار کابل میں کھانے پینے کا بہت اچھا سامان
پایا جاتا ہے ہمکو اپنی ضرورت کی چیزوں کی محتاجی کبھی نہیں ہوئی۔ وہاں بھیڑ کا گوشت
بہت اچھا ملتا ہے۔ لیکن ترکاریاں البتہ کم ہیں۔ خاصکر جاڑوں میں اور بھی کم ملتی ہیں۔
ہم لوگوں کی خبرگیری کے لیے سب ملاکر کوئی چھ سپاہی متعین کیے گئے تھے بعض اوقات تو
سب کے سب یہیں رہتے تھے اور کبھی تین ہی آدمی رہا کرتے تھے۔ لیکن اس سے ہمکو کچھ سروکار
نہ تھا۔ ہم جس وقت باہر نکلکر دیکھتے تھے تو ایک سپاہی ضرور بالضرور گھوم گھوم کر دروازہ کے
پاس موجود رہا کرتا تھا۔ زیادہ تر تو ہمکو اسی وجہ سے اس امر کا اطمینان رہا کرتا تھا
کہ ہماری پیغام وغیرہ وہی لیجایا کرتے تھے۔ پہلے تو میں چہل قدمی کرنیکو شہر میں پیدل
نکلا کرتی تھی۔ بعد اسکے جب لوگوں نے مجھسے بیان کیا کہ پاپیادہ چلنے کی حالت میں
دیسی باشندے تمکو حقارت سے دیکھتے ہیں تو اس وقت سے سواری پر نکلتی رہی جب
ہم لوگ باہر جاتے تھے تو ایک سپاہی ساتھ چلتا تھا۔ کابل کی گلیاں نہایت کی تنگ ہیں۔

اِس بات کی تائید کرتی ہے۔ جب یہ دونوں عورتیں امیر صاحب کے سلام کو گئیں تو مسز کلیمنس کا چھوٹا بچہ دوڑکر امیر صاحب کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اور مُنہ اُنکے آگے کر دیا کہ چومو۔ امیر صاحب اُس سے بہت خوش ہوئے۔

فیاضی امیر

اور بازار میں نہایت ہی ہجوم رہا کرتا ہے۔ لیکن لیڈی باشندے ہمکو ایک عجیب وغریب شئے تصور کرتے تھے۔ باغ میں ہم زیادہ ٹہل نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ بہت ہی چھوٹا تھا۔ لیکن اسپر بھی میوہ جات کے درخت سے بھرا ہوا تھا۔ خوبانی ۔ سیب ۔ انگور انجیر وغیرہ سب ہی قسم کے درخت موجود تھے اور گائے ہمارے گھر میں خاص اپنی پلی ہوئی تھی اس وجہ سے بڑی لطف سے گذران ہوتی تھی۔ امیر صاحب انتہا درجہ کے مہربان رہتے تھے مثلاً ایک روز ہم لوگ افسوس کر رہے تھے کہ ہمکو لیموں اور نارنگیاں میسر نہیں ہوتی ہیں۔ یہ خبر کسی ذریعہ سے امیر صاحب کو پہونچگئی اُنہوں نے ٹوکری بھر لیموں اور نارنگیاں بھجوادیں۔ جبتک میں کابل گئی صرف چھ مرتبہ امیر کی ملاقات کی نوبت آئی۔ آپکو معلوم ہوگا کہ وہ ہمیشہ بیمار رہا کرتے ہیں۔ البتہ میری بہن ایک زمانہ میں تو اُنسے ہر روز ملاقات کیا کرتی تھی۔ جب وہ پہلے پہل کابل میں پہونچی تو اُس وقت امیر بہت ہی علیل تھے اور کارخانجات کے قریب انکے ایک باغ میں رہا کرتے تھے اور میری بہن ہر وقت اُسکے احاطہ ہی میں بیٹھی رہتی تھی۔ آپ جانتے ہونگے کہ میری بہن وہاں ڈاکٹر کی حیثیت سے نہیں گئی تھی بلکہ نرس کے طور پر گئی تھی۔ اور امیر صاحب چونکہ علیل تھے اُنکو معلوم ہوا کہ ایک ڈاکٹر مل سکتی ہے تو اُنکو بلوا بھیجا۔ اور بعد ازاں میری بہن کی مہارت فن طب کا امیر صاحب پر بہت اثر ہوا۔ اُنہوں نے ترغیب دی کہ میری بہن کچھ زمانہ تک کابل میں مقیم ہو۔ اُنسے وہاں مستقل طور پر رہنے کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ اور امیر کے محلات سے اسکو کوئی سروکار نہیں رہا۔ جب امیر اچھے ہوگئے تو اُنہوں نے وہ مکان جسمیں ہم لوگ رہتے تھے عنایت فرمایا اور وہ خود اپنے مکان کو چلے گئے جو ایک نفیس خشتی عمارت ہے اور بستان سرائے نام سے مشہور ہے۔ نامہ نگار کے اِس سوال کے جواب میں کہ امیر تو بڑے مزے کے آدمی ہونگے مس ہملٹن نے ایسا جواب دیا کہ جو ایک عورت ہی اچھی طرح دے سکتی ہے کہ جو شخص اُسکو

جلا وطنی سے پہلے امیر صاحب کی شادی سردار فقیر محمد خاں کی دختر سے ہوئی تھی جو امیر دوست محمد خاں کا بھتیجا تھا۔ اِس زوجہ سے امیر صاحب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جسکا نام عبداللہ خاں تھا لیکن یہ دونوں ماں بیٹے امیر شیر علیخاں کے ہاتھ آگئے۔ جب امیر بیچارہ جلا وطنی میں بھٹک رہا تھا شیر علیخاں نے امیر کی والدہ کے ساتھ اِن دونوں کو بھی قید کر دیا اور وہ طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا رہے۔ جنوری ۱۸۸۰ء میں جرنیل ڈانلڈ سٹیورٹ نے قندہار پر قبضہ کیا تو سردار عبداللہ خاں جسکی عمر اُس وقت اُنیس سال کی تھی جرنیل کی ملاقات کو آیا۔ بیچارہ کی والدہ اور نانی نہایت محتاج تھیں اور بیچاریوں نے اپنے بچے بچائے زیور بیچکر عبداللہ خاں کے لئے کپڑے خرید دئے تھے کہ آدمیوں کی صورت میں جرنیل کے پاس جائے۔ چند دن کے بعد عبداللہ خاں کی والدہ ایسی بیمار ہوئی کہ اُسکے بچنے کی امید نہ رہی۔ آخر عبداللہ خاں نے انگریزی علاج شروع کیا اور وہ تندرست ہوگئی۔ امیر صاحب کی بیوی تو اچھی ہوگئی مگر بیچارہ عبداللہ خاں خود فوت ہوگیا۔ اور اُسکو باپ کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

امیر صاحب کا پہلا بیٹا

دیکھ کر پسند کرلے۔ وہ ایک اِس طرح کے آدمی ہیں جنکو جاذب القلوب کہنا چاہئیے اور کبھی کبھی تو وہ ہمپر خاص طور کی مہربانی کیا کرتے تھے۔ امیر صاحب نے ایک مرتبہ سنا تھا کہ ہم لوگ دیسی روٹی رغبت سے نہیں کہاتے۔ اِسپر اُنہوں نے اپنے باورچی کو حکم دیا کہ وہ انگلش طریقے کی روٹیاں یعنی پاؤ روٹی تیار کردے اور بعد اُسکے ہمکو ہمیشہ ویسی ہی روٹیاں ملتی رہیں اور خوب ہی کہائی گئیں۔ گو بوجہ کام کم ہوتے کے ہمارا جی وہاں نہ لگتا تھا۔ تاہم ہم لوگوں کے پاس ایک پیانو تھا جسکو امیر صاحب نے مستعار دیا تھا اور میری بہن نے امیر کے بعض کم سن غلاموں کو پیانو کے بجانے کی تعلیم دی تھی۔ اِنمیں ایک شخص اچھی طرح بجا سکتا ہے۔ پھر کوئی ایک سو بیس دیسی مریض میری ہمشیرہ سے علاج کرانے کیلیے مکان پر آیا کرتے تھے۔ اِس طرح پر وقت کٹ جایا کرتا تھا۔

دو شہزادے

امیر کی دوسری بیوی دختر جہاندار شاہ ہی۔ جو کسی زمانہ میں امیر بدخشان تھا
اس وجہ سے امیر کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اُسکی ایک پریچہرہ
کنیز کے بطن سے جسکا نام گلریز ہے سردار حبیب اللہ خاں اور سردار نصر اللہ خاں
دو شہزادے پیدا ہوئے۔ اول الذکر سمرقند میں سنہ ۱۸۷۲ء میں اور آخر الذکر بڑے
بھائی سے تین سال بعد پیدا ہوا۔ لیکن امیر صاحب کی چاہتی بیوی اور حرم سرائے
کی ملکہ بی بی حلیمہ ہیں جو بی بی شمس جہاں دختر امیر دوست محمد خاں کی صاحبزادی
ہیں۔ بی بی حلیمہ کے والد کا نام عتیق اللہ خاں تھا جو مشہور ملا سید سرور آغا
کا بیٹا تھا۔ ان سے امیر صاحب کو نہایت شغف ہی اور انہیں امیر صاحب کے
مزاج پر بڑا قابو ہے۔ اور کابل میں سلطانہ کے نام سے مخاطب کیجاتی ہیں۔
یہ بڑی دانا اور دقیقہ فہم ہیں اور فیاضی میں بھی بہت نام پایا ہے۔
ڈاکٹر گرے جب کابل میں تھے تو یہ کبھی کبھی ملکہ کا علاج بھی کیا کرتے تھے
بی بی صاحبہ ایک پردہ کے باہر اپنا ہاتھہ پھیلا دیا کرتی تھیں اور ڈاکٹر صاحب
نبض دیکھہ لیا کرتے تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب سے گفتگو بھی کیا کرتی تھیں۔ ایک
دفعہ اُنہوں نے اپنا مرقع اُنکو دکھایا اور اپنے پہننے کی چند انگریزی وضع
کی ٹوپیاں بھی دکھائیں۔ ایک ٹوپی سیل مچھلی کے چمڑے کی تھی جس پر
گلہری کی دُم اور مصنوعی پھول لگے ہوئے تھے۔ اور اپنا نام بھی خود بتلایا۔
یہہ حقہ پینے کے بیحد شایق ہیں۔ اور باوجود ڈاکٹر کے اصرار کے بھی
نہیں چھوڑا۔ بلکہ رات کو نیند لانے کے لیئے کلورل کھانے کی بھی عادی
ہیں۔ جو ہر چند کہ زہر ہے۔ مگر یہہ ہر شام کسی قدر کھا جاتی ہیں۔
جولائی سنہ ۱۸۸۱ء کو بی بی حلیمہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا!
جس کا نام شمس الدین رکھا گیا۔ مگر یہہ بچہ ستمبر سنہ ۱۸۸۳ء

بیش فوت ہو گیا جس سے بی بی صاحبہ کو بہت صدمہ ہوا۔ لیکن ۵ دسمبر ۱۸۹۹ء میں خدا نے انہیں بمقام مزار شریف نعم البدل عطا کیا۔ اور اس نئے مولود کا نام محمد عمر۔ کہا گیا۔ جو اسقدر ہونہار اور امیر صاحب کا ہمشکل نظر آتا ہے کہ امیر صاحب اُس سے بڑی محبت کرتے ہیں اور اُسکے بچپن ہی میں شاہانہ عادات اور رعب داب ظاہر کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر گرے نے اس بچہ کے پیدا ہونے پر امیر صاحب کے خوشی منانے کی مفصل کیفیت لکھی ہے۔ امیر صاحب نے ایک سال کی عمر ہی میں شہزادہ محمد عمر کو علیحدہ دو مکان بنام گلستان سرائے و بوستان سرائے اور علیحدہ نوکر چاکر اور کل سامان دیدیا تھا اور اُسکا مکان اور سامان بھی اپنے دونوں بڑے بھائیوں شہزادہ حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں سے بہت عمدہ اور بیش قیمت ہے شہزادہ حبیب اللہ خاں امیر صاحب کا سب سے بڑا بیٹا اور تخت کا حقدار موجود ہے۔ امیر صاحب کے مزار شریف کے سفر اور اقامت کے ایام میں انکی غیر حاضری میں حبیب اللہ خاں نے بڑی لیاقت سے کابل کی حکومت کا کام سرانجام کیا ہے۔ جو بڑا مشکل کام تھا اور وہی امیر صاحب کے ولیعہد بھی سمجھے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ اُنکی والدہ شاہی نسل سے نہیں اسلیئے خیال کیا جاتا تھا کہ شہزادہ محمد عمر آخر کار امیر صاحب کا جانشین قرار پائیگا۔ کیونکہ افغانوں کی نظر میں شاہی ماں کے بطن سے پیدا ہونا بہت بڑی وقعت رکھتا ہے۔ اور ایسی نظر سے امیر دوست محمد خاں نے کئی بڑے بیٹوں کے ہوتے ہوئے شیر علیخاں کو جو چھوٹا تھا اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں جب محمد عمر کی والدہ کے سامنے جاتا ہے تو بلا اجازت بیٹھ نہیں سکتا کیونکہ اسکی والدہ شاہی نسل سے نہیں تھی۔ گو امیر صاحب نے شہزادہ حبیب اللہ کو ولیعہد بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن اسکو مشتہر نہیں کیا مگر بعض

محمد عمر کا تولد

تقرر ولیعہد کا مسئلہ

سردار حبیب اللہ خاں

آرام کو منغص کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بقول ڈاکٹر گرے کے ابھی سے کابل میں دو فریق موجود ہیں۔ ایک حبیب اللہ خاں کا طرفدار سمجھا جاتا ہے اور دوسرا سلطانہ کا۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں بڑا باتمیز اور خوش مزاج خوبصورت نوجوان ہے جسم مضبوط اور اعضائے قوی مثل امیر صاحب کے ہیں شکل بھی اُنسے ملتی جلتی ہے کسیقدر انگریزی بھی سیکھی ہے اور بہت ہوشیار نہیں۔ تاہم گرے صاحب کی رائے میں یہہ طبیعت اور عزم کے بہت پکے مستقل نہیں۔ اور اسلیئے قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ امیر عبدالرحمٰن خاں کا جانشین کون ہوگا۔ مگر آنریبل جارج این کرزن حال نائب سکرٹری خارجہ نے افغانستان کے دلچسپ حالات جو اخبار ٹائمز میں شایع کرائے تھے اُنمیں سردار حبیب اللہ خاں کی نسبت بہت کچھ ہمدردی ظاہر کی تھی۔ بقول اُنکے سردار صاحب نہایت باخلاق نوجوان ہیں تمام ملک اُنکو پیار اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور اُنکی قابلیت بدرجہ نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہے۔ جو شخص اُنسے ملاقات کرتا ہے بے اختیار اُنکے اخلاق کی تاثیر اور لیاقتوں کی خوبی کا قائل ہوتا ہے۔ فی الحقیقت سردار حبیب اللہ خاں ہر طرح سے اس قابل ہیں کہ ولیعہد تصور کیئے جاویں۔

شہزادہ نصر اللہ خاں کا سفر انگلستان

شہزادہ حبیب اللہ خاں کا چھوٹا بھائی ایک ہی والدہ سے شہزادہ نصر اللہ خاں ہے کہ جسکی سرگذشت سفر انگلستان نے اُسے دنیا بھر میں مشہور معروف کر دیا ہے۔ یہ بڑا دیندار اور صالح نوجوان ہے جو صوم و صلاۃ کا بالتخصیص پابند ہے۔ جب امیر صاحب نے شہزادہ نصر اللہ خاں کو سفر لندن کے لیئے نامزد کیا تو ہر طرف تعجب ظاہر کیا گیا تھا کہ امیر صاحب نے اپنے بجائے اپنے بڑے بیٹے کو بھی نہیں بلکہ اُس سے چھوٹے بیٹے کو روانہ کیا ہے۔ اور یہہ شاید ایسی ذمہ واری کے کام سے بخوبی عہدہ برا نہ ہوسکیگا لیکن

نصر اللہ خاں نے جسطرح اِس اہم منصب کو انجام دیا اُس سے لوگوں کو ماننا پڑا کہ وہ بیشک لایق باپ کا لایق بیٹا ہے۔ ایک اور بیوی کے بطن سے امیر صاحب کا ایک لڑکا حفیظ اللہ ہے جسکی عمر سترہ اٹھارہ سال کی ہوگی۔

افغانستان کے محاصل میں ترقی

امیر صاحب نے اپنے زمانہ میں افغانستان کے محاصل کو بھی بہت کچھ ترقی دی ہے۔ گو افغانستان کے سرکاری مداخل و مخارج کا اندازہ تو گورنمنٹ ہند کو بھی امیر صاحب نے نہیں تبلایا ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ امن کے زمانہ میں ہرطرح سے کسی ملک کی سرکاری آمدنی بڑھ جاتی ہے۔ مگر امیر صاحب نے اِسکو بڑھانے کے لیئے طرح طرح کے طریقے اختیار کیئے ہیں۔ محصول چنگی تو اسقدر بڑھا دیا ہے کہ افغانستان کی چیزیں جو ممالک غیر کو آتی ہیں۔ اُنکی لاگت دفعتاً دوچند ہوگئی ہے۔ کابلی گھوڑے کابلی پوستین اور پستہ بادام کشمش وغیرہ اِسکے شاہد ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں امیر صاحب نے سہولت اِس بات میں سمجھی ہے کہ وہ خود ہی کسی خاص چیز کی فروخت کا اجارہ رکھیں۔ چنانچہ اِس وقت افغانستان کی پوستینوں بادا موں پستہ مغز اور کشمش کے وہ خود اجارہ دار ہیں۔ تمام ملک کی پیداوار ایک مناسب نرخ سے لوگ اُنکے پاس فروخت کرتے ہیں۔ اور وہ جس قیمت سے چاہتے ہیں اِن چیزوں کو ممالک غیر میں فروخت کرتے ہیں۔ پشاور میں امیر صاحب کا بادام بیچنے والا عہدہ دار ایک بہت بڑا افغان افسر ہوتا ہے اِسکے علاوہ افغانستان میں چھوٹی چھوٹی پلوں اور چوکیوں پر امیر صاحب نے محصول لگا رکھے ہیں۔ گورنمنٹ ہند جب تجارت کی رپورٹیں چھاپتی ہے تو افغانستان اور ہندوستان کے درمیان کی تجارت کو کم ہوجانے پر رائے دیجاتی ہے کہ امیر صاحب تجارت کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ اور کہ وہ اِس سے اپنی[سلطہ]

سلطہ جنکو ہم امیر صاحب پر تجارت کو نقصان پہونچانیکا الزام دیتے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۴۳)

آمدنی کا بھی نقصان کر رہے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں وہ اپنی آمدنی کے نفع نقصان کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اُنہوں نے اپنے عمدہ انتظام اور ٹیکسوں کے بڑھا دینے سے جو ترقی افغانستان کی آمدنی میں کی ہے اگر اسپر گورنمنٹ ہند کی سالانہ امداد اور امیر صاحب کے بڑے بڑے جرمانے اور تاوان جو وہ اپنی رعایا اور

ترقی تجارت

تو اُس وقت ہم اُنکے سب حالات سے واقف نہیں ہوتے وہ اپنی خاص طرز میں اپنی تجارت کو ایسا ہی زندہ بھی کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ کابل کو مہذب اور اہل کابل کو شائستہ بنانا چاہتے ہیں۔ اسکے متعلق مجھے ایک تاجر سے معلوم ہوا ہے کہ جب امیر صاحب راولپنڈی سے واپس جا رہے تھے تو دو روز پشاور میں قیام کیا۔ اور وہاں ایک پارسی جنرل مرچنٹوں کی دُکان کو جسکا نام جہانگیر اینڈ کمپنی تھا دیکھا۔ امیر صاحب نے چاہا کہ یہ دُکان ایک شاخ کابل میں بھیجدے چنانچہ امیر صاحب نے اِس دُکان سے کئی ایک رعایتیں کرنیکا بھی وعدہ کیا۔ اور اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ دوکان کو سرکاری مکان سرائے موتی دروازہ لاہوری میں بلا کرایہ دیگئی۔ دوکان کی اسباب پر سرکاری ٹیکس چنگی وغیرہ معاف کیا گیا۔ دوکان کے مالکوں کو ایک لاکھ روپیہ بلا معاوضہ دو سال کے لیے قرض دیا۔ دوکان کی حفاظت بذمہ سرکار رکھی اور دوکان کے ایک حصے بکری کی وصولی سرکاری اہلکاروں کے ذمہ کردی۔ اصل لاگت اور خرچہ پر ۲۰ فیصدی نفع دینا منظور کیا ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو اپنے دار الخلافہ میں ایسی دوکان رکھنے کا کسقدر شوق تھا تاوان کے ذکر کے متعلق اسقدر ضرور بیان کر دینا چاہیے کہ امیر صاحب کی نسبت مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے طامع ہیں کہ کسی رئیس یا امیر کے پاس زیادہ روپیہ دیکھ نہیں سکتے۔ اور کسی کسی حیلہ سے اُسکے روپیہ کو خزانہ شاہی میں داخل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جب کابل کی جامع مسجد امیر صاحب نے تعمیر کرائی تھی تب بھی مشہور ہوا تھا کہ وہ ایک سوداگر کا مال ضبط کر کے اِس رقم سے تعمیر کی گئی ہے۔ مگر میں اسکا بھی وہی جواب دونگا کہ بوجہ افغانوں ایسی سخت قوم اور جاہل اور بددیانت اہلکاران سے سابقہ پڑنے کے امیر صاحب کی نیک نیتی کی غلط تاویلیں کیجاتی ہیں۔ جو اہلکار رعایا کو لوٹ لوٹ کر موٹے ہوتے ہیں

اہلکاروں سے وصول کرتے رہتے ہیں بڑھا دیئے جائیں تو یقیناً افغانستان کے محاصل معقول مقدار تک پہونچ جاتے ہیں۔

امیر صاحب کے انتظام حکومت کی بڑی سے بڑی باتوں میں انکا سلسلہ خبر رسانی کا انتظام ہے۔ اور میرے خیال میں انکی زندگی کے حالات خواہ کیسے ہی اختصار کے ساتھہ لکھے جاویں وہ کبھی مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے جبتک کہ انکے محکمہ مخبری کا ذکر نہ کیا جاوے۔ امیر صاحب نے ہر قسم کی خبریں افغانستان کے اندر اور اسکے باہر صحت کے ساتھہ خفیہ طور پر حاصل کرنیکا ایسا عمدہ انتظام کر رکھا ہے کہ جس سے بہتر کی خواہش نہیں ہو سکتی۔

کابل میں سلسلہ مخبری

قدیم زمانہ میں ممالک مشرقی خصوصاً ملک عرب کے بادشاہ بھیس بدلکر رات کو رعایا کے حالات معلوم کرنیکو نکلا کرتے تھے۔ مگر معلوم نہیں کہ امیر صاحب کیا کرتے ہیں کہ افغانستان اور خصوصاً کابل کے ایک آدمی اور ایک واقعہ کا حال امیر صاحب کو معلوم ہوتا رہتا ہے۔ کابل کی دوکانوں اور مکانوں میں جب لوگ باتیں کرنے لگتے ہیں تو انہیں ہمیشہ اس بات کا شک رہتا ہے کہ امیر صاحب انکی بات کو بجنسہ سن رہے ہیں لیکن اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ امیر صاحب نے ہندوستان میں ایسا

(۱) اور امیر صاحب کے محاسبہ میں پورے نہیں اترتے انکا مال و اسباب امیر صاحب ضرور ضبط کر لیتے ہیں۔ اور در اصل جیسا کہ انکے ملک کا طریق انصاف ہے اسکے رو برو ایسا کئے بغیر اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ اب ضبط کیا ہوا مال اگر خزانہ سرکار میں نہ جاوے تو اور کہاں جاوے۔ سلطنت انگریزی میں بھی جرمانہ کا روپیہ سرکار کا ہی حق ہوتا ہے۔ ایک شخص نے جو امیر صاحب کے دربار میں رہا حاضر ہوا ہے مجھسے بیان کیا ہے کہ امیر صاحب کا قول ہے کہ اگر بادشاہ کی نیت میں طمع نہو تو رعایا سرسبز رہتی ہے اور پیداوار زمین کم ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھہ امیر صاحب کے نقد ہاتھ میں آتا ہے وہ انصاف کی غرض سے کرتے ہیں اپنی نیت کے مطابق وہ اسکا ثمرہ بھی دیکھہ رہے ہیں (مؤلف)

اچھا انتظام خبر رسانی کا کیا ہوا ہے کہ بمبئی میں کوئی افغان امیر صاحب کے خلاف ایک لفظ زبان سے نکالتا ہوا جھجکتا ہے اور اسے شک ہوتا ہے کہ میری یہی بات امیر صاحب کے کان تک جا پہونچے گی شہنشاہ محی الدین عالمگیر اورنگزیب کی نسبت مشہور ہے کہ اسکو اپنے کسی اہلکار پر اعتبار نہیں تھا بلکہ ہر ایک پر ایک مخبر چھوڑ رکھا تھا مگر امیر صاحب کی نسبت مشہور ہے کہ نہ صرف اہلکاروں پر بلکہ رعایا پر بھی مخبر چھوڑ رکھے ہیں۔

امیر صاحب کیسے باخبر رہتے ہیں

کچھ عرصہ گذرا ہے ہندوستان کے کسی انگریزی اخبار نے ایک دلچسپ امیر صاحب کے سلسلہ خبر رسانی اور جاسوسی کے متعلق لکھا تھا۔ جو غالباً ایک فرضی قصہ تھا۔ لیکن چونکہ وہ امیر صاحب کے اس ضروری محکمہ کی کارروائی کی بہت عمدہ مثال ہے اسلئے میں اسکا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

چند روز کا ذکر ہے کہ تین شخص مسافروں کی حیثیت میں سفر کرتے ہوئے کابل پہنچے اور نان بائی کی دوکان پر جا بیٹھے۔ ایک مسافر سے ایک شخص نے پوچھا کہ تم کابل کو کیوں جاتے ہو۔ اسنے جوابدیا کہ سفید پوش آدمی ہوں۔ لڑکے کی شادی درپیش ہے۔ پانسو روپیہ نقد ہو تو کار خیر ہوتا ہے۔ نہیں تو ناک کٹتی ہے۔ اب کابل کو امیر صاحب کا نام سنکر جاتا ہوں ممکن ہے کہ حاجت پوری ہو جائے۔ سائل نے یہہ سنکر فرمائشی قہقہہ مارا۔ اور کہا ارے میاں ہوش کی دوا کرو۔ اور عقل کے ناخن لو۔ امیر صاحب تو وہ ذات شریف ہیں کہ جنکا دیدار خدا کسی دشمن کو خواب میں بھی نصیب نہ کرے اور انکی شر سے بچاوے۔ آپ انسے پانسو روپیہ ٹھگنا چاہتے ہیں۔ یہہ سنکر یہہ صاحب تو خاموش ہوگئے۔ اور ایک اور صاحب جو اسی جماعت میں شریک تھے بولے کہ اب امیر صاحب درست ہو جائیں گے۔ خدا انکے امر کا علاج کرنیوالا بھیجدیا ہے کہ ... منحوس آ رہے ہے۔ یہ یہیں بیٹھے تھے

اُنکی باتیں اُسی وقت امیر صاحب کی خدمت میں پہونچگئی تہیں امیر صاحب نے اِن
تینوں کو دربار میں طلب کیا۔ سب سے پہلے امیر صاحب اُس شخص سے مخاطب ہوئے
جسنے پانچسو روپیہ کی آرزو ظاہر کی تہی وہ ڈر کے مارے بول نہ سکا لیکن آخر کو
سچ سچ بولنا پڑا۔ اُسکا حال سُنکر امیر صاحب نے اُسکو پانسو روپیہ دلوا کر رخصت کیا۔
اِسکے بعد اُس شخص کی نوبت آئی جو امیر صاحب کا دیدار نہیں کرنا چاہتا تہا اُسکا
حال سُنکر امیر صاحب نے اُسکو دو سپاہیوں کی حراست سے ملک بدر کر دیا۔ پہر وہ
اجل رسیدہ پیش ہوا جس نے کہا تہا کہ امیر صاحب کی مزاج پُرسی کے واسطے روز
آرہا ہے حکم ہوا کہ اِس شخص کو فلانے میدان میں درخت کی چوٹی پر باندہ کہو
پہر اُس شخص کیطرف مخاطب ہوکر بولے کہ خبردار ہوشیار رہنا جب روز آ رہا ہے تو
ہمکو خبر کرنا۔

آجکل بعض اینگلو انڈین اخبارات میں امیر صاحب پر یہ الزام لگایا گیا ہے
کہ اُنہوں نے اپنے چند رومی ملازموں کو افغانستان سے یہہ کہکر نکالدیا ہے کہ
تمہاری اہل قوم نے سلطنت عثمانیہ میں سلطان المعظم کے خلاف بغاوت کرکے
اِس سلطنت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اسلیئے میں تمکو اپنی قلمرو سے
خارج کرتا ہوں اور اِس بنا پر یہہ اخبارات امیر صاحب کو ایک متعصب بادشاہ قرار
دیتے ہیں مگر میری رائے میں امیر صاحب کا اپنی رعایا اور ملازموں سے برتاؤ اور
اُنسے انصاف کرنے میں امیر صاحب کے طریق عمل پر اعتراض کرنا مشکل ہے۔ افغانستان
میں ہندو بھی بہت آباد ہیں مگر امیر صاحب کے انتظام اور انصاف کے متعلق انہیں
ہرگز کوئی شکایت نہیں ہے اپنی عبادت کے وقت ہندو دہڑلے سے ناقوس بجاتے
ہیں۔ البتہ اذان کے وقت نہیں بجاتے۔ ویسے ہی امیر صاحب کی ملازمت میں ہندو
مسلمان پارسی۔ عیسائی۔ غرض ہر مذہب اور ہر قوم کے لوگ رہچکے ہیں اور

امیر صاحب متعصب نہیں

رہتے ہیں لیکن کبھی مذہب کے خیال نے انہیں کسی سے خاص سلوک یا بدسلوکی کرنے کی تحریک نہیں کی۔ وہ صرف لیاقت کو دیکھتے ہیں اور اسی کے مطابق عزت کرتے ہیں۔ جن چند آرمینوں کے کابل سے نکالے جانے کی شکایت کیگئی ہے انکی صورت پر غور کرنے کے لیئے امیر صاحب کے مندرجہ ذیل خط کو ضرور پڑھ لینا چاہیئے۔ وھو ھذا:۔

آرمینیوں کو دعوت۔

"بعد اظہار عنایات و مکارم کے کلکتہ کے ارمنی عیسائیوں کو معلوم ہو کہ مرحوم نادر شاہ کے عہد دولت میں ارمنی عیسائیوں کے چند خاندانوں نے جنمیں ایک سو آدمی شامل تھے کابل میں آکر سکونت اختیار کی اور آرام و راحت کے ساتھ اپنا گذر اوقات کیا۔ آجکل صرف ایک خاندان ارمنی عیسائیوں کا کابل میں باقی رہ گیا ہے جسمیں بوڑھے جوان اور بچے سب ملاکر اکیس آدمی ہیں۔ انکی ہمقوم کے یہاں نہ ہونے کے سبب سے انکو تنہائی کی تکلیف ہے۔ ہمارے ماسبق فرمانرواؤں اور موجودہ حکومت میں انکو کسی طرح کی تصدیع و تکلیف نہیں پہونچی۔ بلکہ بوڑھے جوان سب ارمنی لوگوں کو سرکاری خدمات اور معقول وظائف دیئے جاتے ہیں جس سے انکی زندگانی عیش و آرام کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ تمہاری مذہبی اور قومی ہمدردی کے لحاظ سے میری خواہش ہے کہ تم اپنے ہمقوموں کے دس بارہ خاندانوں کو جنمیں تعلیم یافتہ اور اہل حرفت اشخاص شامل ہوں افغانستان میں بودوباش کرنے کے لیئے کابل کو روانہ کردو جس سے یہاں کے ارمنیوں کی تنہائی کی تکلیف رفع ہو جاوے اور سب ملکر عیش و آرام کے ساتھ اوقات بسر کریں گے۔ اس ملک میں سکونت ہونیکے بارہ میں ہم تم کو یقین دلاتے ہیں کہ تنخواہ مرتب اور وظائف اور رہنے کے لیئے مکان ہر ایک شخص کی حیثیت اور لیاقت و مرتبت کے موافق عطا کیئے جاوینگے اور یہ کہ تمہاری جان و مال کی کامل طور سے حفاظت کیجائے گی"۔

یہہ خط امیر صاحب نے غالباً اپریل یا مئی ۱۸۹۶ء میں لکھکر ہندوستان کو بھیجا ہو۔ اور کلکتہ سے ارمنیوں کو کابل میں رہنے کے لیئے بلایا ہے۔ ظاہر ہے کہ اپریل یا مئی ۱۸۹۶ء میں ارمنیوں کے ٹرکی میں فساد کرنے کی خبر اظہر من الشمس تھی کیونکہ وہ بہت عرصہ پہلے سے شورش مچا رہے تہے۔ اور امیر عبد الرحمن خاں ایسے بیخبر نہیں کہ انہیں ارمنیوں کے ٹرکی کے خلاف مفسدہ پردازی کی پہلے خبر نہ ہو۔ پہر جبکہ انہوں نے اس بات سے بخوبی واقف ہوکر ارمنیوں کو بلایا تہا اور بعد میں انکو بہت جلد نکالدیا تو ضرور کسی انکے ذاتی قصور سے انہیں نکالا ہوگا۔ یہہ امر باور کرنیکے وجوہات موجود ہوسکتے ہیں۔ کہ امیر صاحب کو سلطنت ٹرکی سے ہمدردی اور سلطان المعظم سے ارادت ہو۔ لیکن اس صورت میں بہی ارمنیوں کو کابل سے نکالدینا لازم نہیں آتا جبکہ قسطنطنیہ میں وہ ہزاروں اور لاکہوں موجود ہیں۔

اوائل ۱۸۹۱ء میں امیر صاحب نے اپنی رعایا کی بعض سرکش قوموں کو جو شیعہ مذہب رکھتی تہیں بوجہ انکی شورہ پشتی کے خوب سرزنش کی تھی۔ ہزارہ جات کے لوگوں کو جو ہمیشہ سے سرکش چلے آتے تہے مطیع کیا تہا اور کسی وجہ سے اپنی ایک شیعہ رجمنٹ بالکل توڑ دی تہی۔ اسپر اخبارات میں امیر صاحب پر شیعوں کا دشمن ہونیکا الزام دیا گیا تہا۔ اس وقت بعض لوگوں نے یہہ بہی رائے دی تہی کہ یہہ اثر شہزادہ حبیب اللہ کا ہے جو شیعوں سے بہت بیزار ہیں امیر صاحب کا الا ہے مگر بعد کے معاملات نے ثابت کردیا ہے کہ امیر صاحب مذہبی اختلاف کی وجہ سے اپنی رعایا کے کسی فرد بشر سے دشمنی نہیں رکہتے انکے ملک میں ہندو بہی بہت سے آباد ہیں مگر امیر صاحب انسے ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا کہ مسلمانوں سے کرتے ہیں۔ اس سے پہلے افغانستان میں ہندو رعایا کے لیئے ضروری تہا کہ سرخ پگڑی پہنکر بازار میں نکلیں مگر آجکل یہہ قانون بہی منسوخ ہوچکا ہے

امیر صاحب کا غیر مذہب سے سلوک

امیر صاحب نے کافرستان میں اسلام پھیلانے کا ارادہ کیا ہے لیکن سختی سے
ہدایت کرنیکا ہرگز حکم نہیں صرف پولیٹکل مصلحتوں کے لحاظ سے اُن لوگوں کا مسلمان
ہوجانا مستحسن سمجھا گیا ہے۔

امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب کی اگر سب تحریریں فرمان اور مراسلات جمع کیے
جائیں تو رقعات ابوالفضل کے مقابلہ کی کتاب تیار ہو جاوے۔ لیکن کوئی ایسی کتاب
تیار ہو یا نہ ہو امیر صاحب کے مصنف ہونے میں کلام نہیں رہتا۔ امیر صاحب نے

امیر صاحب بطور مصنف کے

اپنے تزک کا ایک حصہ لکھکر ہی مصنفوں کی جماعت میں قدم نہیں رکھا بلکہ ایک
دوسری تصنیف تقویم الدین نے بھی انہیں مصنف کہلانیکا مستحق کر دیا ہے
اس کتاب میں جیسا کہ ذیل کے خلاصوں اور اقتباسوں سے ظاہر ہوتا ہے
اہل افغانستان کو قرآن اور حدیث کے احکام کے مطابق اپنے ملک کی حفاظت
کے لیئے مذہبی جنگیں کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور مسلمانوں کو حفاظت خود اختیاری
کے لیئے کافروں سے جہاد کرنے اور شہید ہونے کی تاکید کیگئی ہے۔

تقویم الدین ۱۳۰۶ھ میں فارسی زبان میں بہت خوشخط اور عمدہ
چھپائی کے ساتھ قریب ۲ سو صفحہ کے حجم پر امیر صاحب کے مطبع واقع کابل میں

تقویم الدین کا خلاصہ مطلب

چھاپی گئی۔ امیر صاحب کو اسکی تصنیف میں تیرہ علماء نے مدد دی کہ جنکی مہریں
اخیر میں ثبت ہیں۔ امیر صاحب کا اپنا دستخط بھی کتاب کے آخیر میں اس طور
پر چھپا ہوا ہے :-

"امیر عبدالرحمٰن خاں دستخط کردم فقط"

امیر صاحب کے حکم سے میر محمد عظیم خاں سارجنٹ میجر اور عبدالرزاق دہلوی
کے اہتمام سے یہ کتاب چھپی ہے جو چھ فصلوں یعنی چار ابواب ایک دیباچہ اور
ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اور کل کتاب میں ۳۶۰ آیات اور حدیثیں اقتباس

کی گئی ہیں۔

جہانتک میں کہہ سکتا ہوں یہ کتاب کسی نزد رعایائے انگریزی کی قبضہ میں یا قلمروئے سرکاری میں نہیں پائی گئی۔ اور جو کچھ اس کتاب کے مطالب کی نسبت لوگوں کو علم ہوا ہے وہ صرف دو تین انگریزی اخبارات کی تحریرات سے ہوا ہے۔ سب سے پہلے پاؤنیر یا ٹائمز آف انڈیا نے اس کتاب کی کیفیت سے اطلاع دی تھی۔ اور سول اینڈ ملٹری گزٹ نے ۱۸۹۶ء میں اسکا خلاصہ شایع کیا ہے چنانچہ میں اُن خلاصوں کو ذیل میں نقل کرتا ہوں۔ امیر صاحب نے قرآن حدیث اور فقہ سے وہ تمام مسائل جمع کر لیئے ہیں جو حفاظت سلطنت۔ خدمت بادشاہ اور مذہبی جنگوں کے متعلق وارد ہیں۔ اور جنمیں مسلمانوں کو اپنا ملک کافروں کے دستبرد سے بچانے کی تاکید کی ہے عیسائیوں کا اسمیں کہیں ذکر نہیں ہے۔ ساتھہ ہی ایک جگھہ یہہ بہی لکھا ہے کہ تمہارے بادشاہ کا خواہ کیا مذہب ہو اُسکی اطاعت کرو۔ بعض اخبارات نے اشارہ کیا ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کی مسلمان فوجوں میں امیر صاحب نے تقسیم کرائی ہے مگر یہ بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل انتخاب تقویم الدین کا سول اینڈ ملٹری گزٹ نے شایع کیا تھا۔

سبب تالیف کتاب کے متعلق تقویم الدین کے دیباچہ میں لکھا گیا ہے کہ ایک روز امیر صاحب اپنے محل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے علما کو طلب کر کے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کیجائے کہ جس سے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کا جوش پیدا ہو۔ اور اُنکے مذہبی اعتقادات نسیاً منسیاً ہونے سے محفوظ رہیں۔ اس بارہ میں جسقدر مضامین لکھے جائیں وہ پہلے میرے گوشگذار کر لیئے جائیں تاکہ مجھے بہی اُنپر غور و خوض کرنیکا موقع ملے۔ اور اسطرح ایک نہایت رسالہ مرتب ہو جائے۔ علماء حسب الامر امیر کے پاس کتابیں لکھکر لیگئے جنہوں نے اکثر مقامات میں اضافہ و ترمیم کے علاوہ قرآن کی بعض آیتیں بہی داخل

کروائیں۔ اور ایک حافظ کو بلانے کا حکم دیا۔ لوگ غلطی سے دیوان حافظ کو لیگئے تو امیر صاحب نے کہا کہ میرا یہ مطلب نہ تہا۔ خیر! اب چونکہ یہہ کتاب بلا طلب پہنچگئی ہے۔ اس لئے اس سے شگون لینا چاہئیے۔ جب امیر صاحب نے کتاب کہولی تو حسب ذیل مضمون کا شعر نکلا:

"نسیم سحری کل یہ مژدہ لیکر پہنچی کہ تیری تکلیف کا زمانہ ختم ہوچکا ہے۔ اور جب حافظ وصل جنت ہوگا تو اسکی فتح و نصرت کا پہریرا آسمان تک پہنچ جائیگا"

امیر صاحب اس شعر کو پڑھکر باغ باغ ہوگئے۔ گھڑی دیکھی تو ساڑھے بارہ بجے دوپہر کا وقت تھا۔ اسیوقت نماز جمعہ کی اذان کان میں پہنچی۔ شاہی منجم کو بلاکر پوچھا کہ کیا یہ اچھا وقت ہے؟ اسنے سوچ بچار کر کہا کہ "خدا سے دعا مانگنے اور علما کو فراہم کرنے کے لئیے یہہ نہایت ہی مبارک ساعت ہے" عین اسی وقت بارش بہی شروع ہوگئی جو مسلمانوں کے اعتقاد میں رحمت کی علامت اور اجابت دعا کا عمدہ وقت سمجہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہز ہائینس نے ہاتھ اُٹہاکر دعا مانگی جسکا خلاصہ یہ ہے۔

"اے قادر مطلق خدا! اپنے پیغمبر کے دین کی قیام قیامت تک محافظت کر۔ انسانوں کو آفات ارضی و سماوی سے بچا تمام مسلمانوں بالخصوص افغانوں کو صراط مستقیم کی ھدایت کر جس سے تیری خوشی حاصل ہو۔

وجوب جہاد پہلی فصل میں لکہا ہے کہ قرآن کی اس آیت کے بموجب کہ "ان بُت پرستوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں" جہاد تمام مسلمانوں پر واجب ہے لیکن بعض مفسرین نے جہاد کو فرض کفایہ لکہا ہے۔ گویا یہہ ایک ایسا فرض ہے کہ جسکو اگر چند مسلمان بھی انجام دیں تو سب سے ساقط ہوجاتا ہے۔ لیکن جب چاروں طرف سے مسلمان کافروں سے محصور ہوجائیں تو اُس وقت یہ کفایہ نہیں رہتا۔ بلکہ واجب ہوجاتا ہے۔ ایسی حالتمیں مجاہدین کو کفار سے اس وقت تک لڑنا چاہئیے جبتک کہ فساد فرو ہوجائے۔ یا کفار اطاعت نہ قبول کرلیں۔ یا خدا کی وحدانیت کے

مسلک کی اسمیں اشاعت نہو جائے۔ مزید برآں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے واسطے ان سے لڑو جو تمسے لڑتے ہیں۔ لیکن اپنی حد سے تجاوز نکرو۔ اور نہ تجاوز کرنیوالوں کو دوست رکھیو"

موعودہ ثواب :- خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو تبلیغ اور مذہب اور قوم کے بچانے کے لیے سر اندوار لڑتے ہیں پیغمبر فرماتے ہیں کہ "خدا مجاہد کے ان تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو کسی اور سے تعلق نہیں رکھتے" قرآن کی ایک آیت کا مضمون ہے "وہ لوگ جو اسکے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں اور جان و مال کو دکا فروں سے لڑکر خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں وہ اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ دوسری دنیا میں آراستہ باغ انکو عطا ہونگے۔" پیغمبر کی ایک حدیث ہے "جب مجاہد بہشت میں داخل ہوگا تو خدا اس سے فرمائیگا کہ تو ہماری خاص شفقت اور عنایت کے سایہ میں آگیا۔ اور یہ عطیہ عظمے بہشت کی تمام نعمتوں پر فوق رکھتا ہے۔"

قرآن میں وارد ہے کہ "جو کچھ تم مقدس جہاد کے قائم رکھنے میں صرف کروگے بلا ناکامی اسکا بہت بڑا اجر ملیگا۔ وہ اشخاص جو اشاعت اسلام میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ انکی گیہوں کے دانوں کیسی مثال ہے کہ ایک دانہ میں سات خوشے لگتے ہیں اور ہر ایک خوشے میں صد دانے۔ خدا اس سے دوگنے بھی عطا کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بڑا فیاض اور علیم ہے۔ اور جو اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ اسمیں خرچ کرتے ہیں وہ سچے مسلمان ہیں۔ انھیں کیواسطے معافی اور بہشت ہے۔"

پیغمبر فرماتے ہیں کہ "جو شخص خود تو میدان میں نہ جاسکے مگر مجاہدین کیواسطے ہتھیار خوراک اور دیگر ضروری سامان جنگ مہیا کرے اسکو سات سوگنا اجر ملتا ہے۔ اگر وہ خود بھی شامل جہاد ہو تو سات لاکھ گنا ثواب عطا ہوتا ہے۔ جو لوگ کہ اسلامی ممالک کی حدود کی محافظت کریں انکی ایک نماز ان مسلمانوں کی پانچ سو نمازوں کے برابر ہے جو گھروں میں ادا

کیجائیں گے"

جب اسلامی ممالک پر کفار حملہ کریں تو ہر ایک مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت جوان
ہو یا بوڑھا۔ آقا ہو یا غلام۔ جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ انکو شوہروں۔ آقاؤں۔
محافظوں وغیرہ کی بلا اجازت فوراً میدان جنگ کا رُخ کرنا چاہیے۔ مسلمان مذہباً
پابند ہیں کہ وہ کسی بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے۔ خواہ وہ عادل ہو یا ظالم جہاد
کریں۔ اُنکو مقدس جنگ کے واسطے اپنی جانوں اور روپیہ کا ذرا بھی خیال نہیں ہونا
چاہیے اور اپنی عزت اور ایمان کی ذلت ہرگز گوارا نہیں کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ
فرماتا ہے کہ "تم اُن لوگوں کو جو خدا کی راہ میں میدان جنگ میں شہید ہوئے مرا ہوا
نہ سمجھو۔ نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور خدا کی بخششوں سے خوش و خرم ہیں" پیغمبر کا
قول ہے کہ مجاہد کے واسطے یہہ چھہ خاص اعزاز ہیں (۱) اُسکے تمام گناہ بخشے جاتے
ہیں (۲) افشار قبر سے امون رہتا ہے (۳) روز باز پرس کے تفکرات سے بچ جاتا ہے
(۴) سر پر جلال کا تاج پہنتا ہے (۵) ستر سیاہ چشم حوریں اُسکو عطا ہوتی ہیں۔
(۶) نیز وہ اپنے ستر رشتہ داروں کو بھی اپنے ساتھ بہشت میں لیجاتا ہے۔ جو شخص
جہاد کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور رستہ میں مر جائے۔ خواہ گھوڑے سے گر کر
یا کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے یا اجل طبعی سے وہ بھی شہید سمجھا جائیگا۔ اور
بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جو جہاد سے زندہ مراجعت کرینگے۔ اُنکے بھی اجر ہیں۔
لڑائی میں ثابت قدمی ہو۔ قرآن میں لکھا ہے کہ "اے سچے مسلمانوں
جب تم کسی گروہ کفار سے مقابلہ کرو۔ تو استقلال سے ڈٹے رہو۔ اور اکثر خدا کو
یاد رکھو تاکہ تمہیں کامیابی ہو۔ خدا اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو۔ مغرور رہو ورنہ
نصرت تم سے رخصت ہو جاسے۔ بلکہ ثابت قدم اور صابر رہو۔ کیونکہ خدا صابروں کو
دوست رکھتا ہے۔ جب تم بُت پرستوں کے مقابلہ کو جاؤ جو بہت بڑی تعداد سے

تمہارے سامنے آئیں تو اُنکو پیٹھ نہ دکھاؤ کیونکہ جو شخص اُسدن پیٹھ دکھائیگا- یا
اپنی [illegible] اپنی جماعت سے علیحدگی اختیار کریگا- وہ خدا کی سخت
ناراضی کا مستوجب ہوگا جہنم میں جائیگا- اور یہ ایک نہایت ہی بُرا سفر اسکے لیئے ہوگا۔

فرض اطاعت: اسلامی دنیا کے انتظام کے واسطے خدا نے جو حکم دیا ہے تمام
مسلمانوں کو اسپر غور کرنا چاہیئے جو یہ ہے کہ خدا اُسکے رسول اور اپنے بادشاہ کی فرمانبرداری
کرو- خواہ بادشاہ کوئی بھی کیوں نہو۔ رسول خدا فرماتے ہیں اپنے بادشاہ
کے حکم کو سنو- اور اسکی اطاعت کرو- خواہ وہ حبشی ہی کیوں نہو- اگر تمکو بادشاہ
کے ہاتھوں سے کوئی تکلیف پہونچے تو صبر سے برداشت کرو- اور اسکی اطاعت سے
مونھ نہ موڑو- بادشاہ ظل اللہ ہوتے ہیں- اور مظلوم اُنکی پناہ ڈہونڈتے ہیں- جو
شخص بادشاہ کی اہانت کرتا ہے وہ گویا خدا کے غضب کو اپنے اوپر نازل کرتا
ہے- اور جو عزت کرتا ہے- خدا کی برکتیں اُسکے شامل حال ہوتی ہیں- بہ نسبت عام
بدنظمی کے ایک ظالم بادشاہ کا ہونا بہتر ہے-

بادشاہ کی ضرورت:- تقویم الدین کی دوسری فصل میں لکھا ہے کہ تمام
مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنا فرمانروا منتخب کریں- تاکہ وہ رعایا کا پشت پناہ
اور اُنکے مذہب کا محافظ ہو- ہر ایک بادشاہ کو ان اوصاف سے متصف ہونا لازم
ہے کہ وہ مسلمان- آزاد- مرد بالغ اور فہمیدہ شخص ہو- اور بادشاہ کے یہ تین فرائض
ہیں (۱) اسلام سے پھر جانے والوں- اور دہریوں- اور دین میں تغیر و تبدل
پیدا کرنیوالوں کا قلع قمع کرے- اور سرکشوں- دغابازوں اور چوروں کے شر سے
لوگوں کو امان دے (۲) مدبرانہ خیالات عقلی طاقتوں- فیاضی اور بہادری
کے اوصاف سے متصف ہو- (۳) اور اسلامی محافظوں اور سرداروں کا [illegible]
[illegible] ہو-

رعایا پابند ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی نسبت حسبِ ذیل فرائض انجام دے۔ بادشاہ کی اطاعت اور اُسکے نائب کی احکام کو مانیں۔ ایک دفعہ اپنا بادشاہ منتخب کر لیں تو پھر اُسکی متابعت سے سرتابی نہ کریں۔ خواہ اسمیں مندرجہ بالا اوصاف بھی موجود نہ ہوں۔ اُنکے ظاہری خط وخال اور لباس میں عیب نہ نکالیں۔ گفتگو کے وقت نہایت مودبانہ لہجہ اختیار کریں۔ اس سے محبت کریں۔ اُسکی تعریف و توصیف اور تعمیل احکام میں ہمیشہ مستعد رہیں ضرورت کے موقع پہ بادشاہ کو مدد دیں۔ اور ہمیشہ اِسکو دیانتداری سے مشورہ دیا کریں گے

وہابیوں کے اقوال : تیسری فصل میں وہابیوں کے اقوال کا رد کیا گیا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ "پیغمبر اور اولیاؤں سے دعا مانگنا درست نہیں ہے۔ مُردہ کسی بات کو سُن نہیں سکتا۔" "پیغمبر اور اولیا کسی کو نفع یا ضرر پہونچانے کی طاقت نہیں رکھتے" اُس قسم کے نام رکھنے بھی درست نہیں جیسے کہ غلام محمد وغیرہ" مسئلہ نبوت کے متعلق وہابیوں کے اُن اعتقادات کی بھی تردید کی گئی ہے کہ پیغمبر صلعم کسی بات میں عام آدمیوں پر فضیلت نہیں رکھتے۔ اور حضرت محمد صلعم خاتم الرسل نہ تھے۔ اِس بات کا یقین نہیں کہ قیامت میں شفاعت بھی ہوگی یا نہیں اگر اِسکو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو یہ معلوم نہیں کہ شفاعت کرنے والا کون ہوگا؟ علاوہ بریں وہابیوں کے اُن خیالات سے بھی انکار کیا گیا ہے کہ جو عالم قرآن اور احادیث سے خود مسائل استخراج کرے اُسکو فقہ میں چار اماموں کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ عوام الناس بھی اِن اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ تمام مسلمانوں کو کسی ایک عالم ہی کی پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ہر ایک شخص آزاد ہے کہ وہ جس عالم کی رائے کو درست سمجھے اُسپر عمل کرے۔ کیونکہ اِن چاروں اماموں سے اکثر مسائل غلط میں حضرت رسالت

سنے فرمایا ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھا لو۔ اِسی طرح دوبارہ
سیدھا کھڑے ہونے کے وقت کرو۔

خاتمۃ الکتاب:۔ وہابی اگرچہ بظاہر پارسایانہ زندگی بسر کرتے ہیں مگر اعتقادات
کے لحاظ سے وہ کافروں سے کچھ بہتر نہیں ہیں۔ اسلیئے اُنکی نماز اور عبادات
قبول نہیں ہوسکتیں۔ اِس فرقہ کا بانی عبدالوہاب تھا۔ جو سنہ ۱۱۱۱ھ میں عرب بمقام
نجد پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ یہودی النسل تھا۔ اور دل میں اسلام کی نسبت سخت
عداوت رکھتا تھا۔ اسلیئے اُسنے مسلمانوں میں اختلاف کا بیج بونے میں نہایت کوشش
کی۔ اخیر میں صحت کتاب کی تصدیق کے متعلق علمائے افغانستان اور ہز ہائینس امیر
عبدالرحمن خانصاحب کے دستخط ہیں۔

رویائے امیر:۔ ۲۰ ذیقعد جمعہ کی صبح کو پو پھوٹنے سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا
کہ پہولوں کا ایک نہایت خوبصورت اور وسیع و عریض قالین نما اور قالینوں کے ساتھ
رکھا ہوا ہے۔ اِسی اثنائے میں محمد خاں (امیر کا ایک ملازم) داخل ہوا۔ اور اُسنے کہا
"یہہ جاجم" ہے۔ میں نے کہا "جاجم" کے کچھ معنے نہیں ہو سکتے۔ زیادہ صحیح طور پر یہہ "جائے جمع" (لوگوں کے
فراہم ہونیکا مقام) ہوگا۔ امیر اِس خواب کی یہہ تعبیر کرتے ہیں کہ اُنکی دس نسلیں
افغانستان اور اُسکے ملحقات پر فرمانروا رہیں گی۔

تقویم الدین کا ایک مختصر خلاصہ

اخبار پاؤنیر میں اِس کتاب کا اختصار حسب ذیل چھپا تھا۔

فصل اول میں جہاد کا ذکر ہے جو ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اِس میں کسقدر منافع اور
انعامات مجاہد کو حاصل ہوتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو مجاہدین کے خاندانوں کی حفاظت
مدد اور نگہبانی کرتے ہیں اور اُنکو ہتھیار دیتے ہیں اور جنگی سامان مہیا کرتے ہیں بہت
ثواب ہوتا ہے۔ نظیر ا صفحہ ۲ کو معائنہ کرنا چاہیئے جسمیں یہ مسطور ہے کہ تمام ایماندار اور
پیغمبر کے پیروان سے مخفی نہ رہے کہ خداوند کریم نے جہاد کو تمام ایمانداروں پر فرض

اور واجب کیا ہے جو اس فرض کے ماننے سے انکار کریگا وہ کافر ہوگا۔ یہ بات
قرآن شریف اور احادیث نبوی سے صاف صاف ثابت ہے۔ بعد ازاں عربی میں بتائید
اپنے بیان کے قرآن مجید اور احادیث شریف وغیرہ سے بہت کچھ اقتباس کیا ہے
پھر یہ بیان ہے کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو اس سے ایک ساعت کی بھی تقدیم
تاخیر نہ ہوگی اور مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ تم آخر کار دنیا سے رحلت کروگے لہذا
جہاد سے غافل نہ رہو۔ اسکے اصول کے برخلاف نہ چلو کیونکہ شہادت بھی حیات ابدی ہے
اور۔ اگر کوئی شخص جہاد نہ کرے اور مرجائے تو منافق ہوگا۔

۲۲ صفحہ میں قرآن شریف کی ایک آیت ہے۔ اسکی یہ تفسیر کی ہے۔ منشا آیت کا
یہ ہے کہ تم کافروں سے لڑو جو تمہارے قریب ہوں اور یہ ضرور ہے کہ دشمنان مذہب سے
ناملائم گفتگو کرو۔ اور قبل از جنگ اور جنگ کے وقت تم جفاکشی اور بہادری ظاہر کرو۔
موت سے نہ ڈرو اور اپنے دشمنوں کو کامل زیر کرو اور آگاہ ہو کہ خداوند کریم صالحین کے
ساتھ ہے جنکی وہ یاری کرتا ہے اور انکو وہ نصرت دیتا ہے اور مشرکوں اور گمراہوں
کی نصرت نہیں کرتا ہے۔ بعد اسکے حدیث شریف کا مضمون ہے۔ کہ اے میرے لوگو
مشرکوں سے لڑو۔ اپنی جان و مال راہ خدا میں صرف کرو۔ اور کلام خدا کی بزرگی
کو قائم کرو۔ اگر تمہارے پاس مال و دنیا نہیں ہے تو تم خود کافروں سے لڑو۔ اگر تم
ضعف نقاہت علالت وغیرہ کے سبب نہیں جا سکتے ہو تو ایسی صورت میں تم انکی
لوٹنے یا انکے خلاف شان زبان سے کام لینے میں تامل کروگے۔ کافروں کو قتل اور
لوٹ کے خوف دلاؤ انکی ہزیمت اور شکست کی دعا کرو اور فتح اسلام اور مال غنیمت
ہاتھ آنے کی دعا طلب کرو۔ لیکن دوسرے صفحہ کی ہدایت کسیقدر مذکورۂ بالا کے
برخلاف ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عمدہ ایماندار وہ لوگ ہیں جو راہ خدا
میں اپنے جان و مال سے لڑتے ہیں۔ لیکن یہ جہاد صرف بزرگی کلام خدا قائم کرنیکے لیے

[illegible] جو شخص بہت مشغول [illegible] حظ نفسانی پوری کرنے خواہشات پر
[illegible] جب بہت مال غنیمت کے ہو۔

چوتھا جہاد [illegible] بہت دور ہے۔ چکر خواہش ظاہر کی ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کرو۔ آلات
[illegible] حاصل کرو۔ ہتھیار خریدو اور غازیان مذہب اور سچے مجاہدین کو تقسیم کرو اور
[illegible] اور نیکنامی کو نہ چھوڑو۔ اس کی خوشی کے چاہنے میں بہت کچھ کوشش کرو
[illegible] مذہب کی قوت اور جنت کے لیے قابل ہو۔
[illegible] تمام ایسا نا جہاد کو سکھلیں اور عورتوں کے مانند خانہ نشین ہوں
مثل مجاہدوں کے انکو راہ خدا میں غزا لازم ہے۔ موت سے نہ ڈریں۔

دوسرے باب میں ذکر ہے۔ خدا کا فضل اور عنایت ان مسلمانوں کو شامل حال
ہوگا جو [illegible] پر [illegible] انکی حفاظت کے جائیں گے۔ یہ بات ان لوگوں
کو حاصل نہ ہوگی جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے۔ ان مجاہدوں اور غازیوں
کا بڑا مرتبہ ہے جو اپنے گھروں سے غیر حاضر رہیں گے۔ اور یہ نہایت ضروری ہے
کہ سب آدمی کمربستہ ہوں جیسے وقت ہتھیار باندھنے کا آدمی۔ [illegible] ایک
جگہ پر دشمن کے لیے براہ خدا بیٹھنا تمام دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے کیونکہ اگر ایک
شخص کا قبضہ تمام دنیا اور اسکی تمام اچھی چیزوں پر ہو جائے تو یہ سب ایک
وقت میں فنا ہو جائیں گے لیکن عقبیٰ کی عمدہ چیزیں ہمیشہ کے لیے قائم ہیں۔ ایک
چوکی پر ایک رات دشمن کے لیے براہ خدا بیٹھنے اور اہل اسلام کی چوکسی کرنے سے
اسکو زیادہ تر بہ نسبت ایک ماہ کے کامل صوم اور صلوٰۃ کے ثواب حاصل ہوگا۔
کیونکہ اگر اس حالت ایک شخص مصروف ہو اور وہ اسی عالم مصروفیت میں ہلاک
ہوا تو اسکے [illegible] کا [illegible] جنت میں پہنچیگا۔ اور قیامت تک وہ اس سے محروم
نہ رہیگا [illegible] تمام آزمائشات اور عذاب قبر اور سوال منکر و نکیر سے [illegible]

حشر سے اور ملعون دجال اور شیاطین سے محفوظ رہیگا اور قیامت کے دن وہ شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائیگا اور رات دن قید یا تلف شدہ کی ماند آرام کریگا اور قیامت کے روز وہ دنیا سے نہ جائیگا جبتک کہ اسکے گناہ صغیرہ اور کبیرہ معاف ہوں اور گناہوں سے ایسا پاک ہوگا جیساکہ بطن مادر سے پیدا ہوا تھا جنت میں اسکو جگہ ملیگی اور حوروں کی صحبت میں رہیگا جو اُسکی ہمدم ہونگی اور اپنے بہتر عزیزوں کی بخشش کا ساعی ہوگا۔

سرحد اسلام کی حفاظت کے لیئے لوگوں کو مسلح کرنا قطعی امر ہے اُسپر یہ بیان کیا لہذا ضروری ہے کہ پختے اور پکے مسلمان خواہ پیدل ہوں یا سوار ہوں سرحدات کو بڑھ ہیں اُنکی چوکسی کریں اور محفوظ رکھیں۔ شریروں کا فروں کو روکیں عملداری اسلام میں نہ آنے دیں۔ مقابلہ کے وقت اُنسے بہادرانہ جنگ کریں اور بڑی بڑے انعامات کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں اور اپنے کو جنت کے لایق کریں۔ اور خوبصورت اور مکلل بہ جواہرات حوروں سے ہم آغوش ہوں اور اپنے مذہب کی نگرانی کی ہر طرح کی کوشش کریں۔ ہم تمام باشندگان اعلیٰ و ادنےٰ کی واقفیت کیلیئے خواہ وہ شہر قصبہ یا دیہات کے باشندے ہوں مشتہر کرتے ہیں کہ سب پر بموجب کلام خدا کے واجب ہے کہ دین اسلام کی اُسی طرح مدد کریں جسطرح نماز روزہ اُنپر فرض ہے یہ فرض جہاد میں ہے اور تمام ایماندروں کو واجب ہے کیونکہ اسوقت عام تہدید رہندی ہورہی ہے اور سرحدات اور عملداری اسلام کا مل قبضہ ظالموں میں آگئی ہے پس غضبناک شیروں کی مانند جنگ کو نکلیں اور شریر کافروں کا جنگ میں مقابلہ کریں اور اُنکی ہمراہیوں کی لاشوں کو اپنی شمشیروں سے قطع کرکے چہار دیں اور اُنکے سروں کو گیند اپنے پاؤں کی ٹھوکر بنائیں۔

جب تم طلب کیے جاؤ کہ تمہارے امام سے کافروں کو رد کرو تو تم پر واجب ہے کہ
جس جگہ تک پہونچی ہے وہاں جاؤ اور کافروں کو ملک کے اندر نہ آنے دو۔ حدیث
شریف کا یہاں ذکر کیا اور صاف تصریح کی ہے کہ ایمان والوں پر واجب ہے کہ سب ایک
بادشاہ کے زیر علم جہاد کریں خواہ وہ شاہ عادل ہو یا ظالم۔ جب تم جنگ میں کافروں
کا مقابلہ کرو تو پیٹھ کشی ظاہر کرو۔ بھاگو نہیں۔ کیونکہ مسلح مسلمان کا دو کافروں کے مقابلہ
میں بھاگنا سخت گناہ ہے۔ جبتک کہ ہتھیار اسکے ہاتھ میں ہے۔ یہ گناہ مثل گناہ خون
اور زنا کے ہے۔ اگر جنگ میں تین کافروں سے مقابلہ ہو تو بھی تحمل سے مقابلہ کرنا
انسب ہے۔ بھاگنا نہ چاہیے اور ایک نوع پر اُنسے بھاگنا بھی درست ہے۔
بعد تذکرہ حدیث شریف کے جسمیں نہایت دلچسپ بیان جنت کی مکین شہدا کا
ہے۔ یہ بیان ہے۔ پس اے ایمان والو تم جنت میں اعلے درجہ حاصل کرنے کی کوشش
کیوں نہیں کرتے ہو۔ خدا کا فضل و کرم حاصل کرو اور اس دنیا میں عزت و عظمت
حاصل کرو اور پھر جنت میں جا کر نہایت خوش و خرم عمدہ مسندوں پر بیٹھو جہاں
ادنے درجہ کے شخص کو بھی خدمت کے لئے بہتر حوریں ملتی ہیں اور بیاسی ہزار
غلمان اور بہت مسندیں ملیں گی اور چھوٹے سے چھوٹا موتی جو حوروں کے تاج
اور زیور میں لگا ہوگا مشرق سے مغرب تک اُنسے روشنی پھیلے گی اگر دنیا میں
ایک حور آجائے تو تمام دنیا منور ہو۔ اور زمین سے آسمان تک خوشبو پھیلے جو ریں
جو چادریں اوڑھتی ہیں وہ تمام دنیا اور اسکے مال کی بہ نسبت زیادہ قیمتی ہیں
تیسرے باب میں ذکر ہے کہ کسقدر اعزاز خوشی و خورمی ان لوگوں کو نصیب
ہوتی ہے جو راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں اور جو لوگ جہاد پر گئے اور گھوڑے سے
گر کر یا سانپ یا کسی جانور کے کاٹنے سے مرے ہیں وہ بھی شہید اور غازی خیال کیے
جاتے ہیں +

چوتھے باب میں کافروں سے جنگ کیوقت صبر و تحمل کا ذکر ہے اور وہ چند آلحدد دشمن سے بہاگنے اور قدم ہٹانے کا بہت زیادہ گناہ ہے۔ اگر تعداد چند کم ہے تو گو بھاگنا بڑا جرم ہے تب بھی جائز کرلیا ہے کہ ایماندار تکلیف اور نقصان سے بچیں۔

باب پنجم میں شاہوں کی فرمانبرداری اور انکے بغاوت کا ذکر ہے اور جن باغیوں نے سرتابی کی ہے انکو ایک آیۃ قرآن شریف یاد دلائی گئی ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ خدا اور اُسکے نبی کے مطیع رہو اور جو تم میں سے حکومت پر ہو۔ اور اُس راہ پر چلو جو پیغمبرؐ نے بتائی ہے بطور شاہ اسلام کے یہ نائب پیغمبر ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ جو کوئی میرے حکم کی تعمیل کریگا اُسنے گویا خدا کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جو میری نافرمانی کریگا گویا اُسنے خدا کی نافرمانی کی۔ جو کوئی امیر کے حکم کو نہ مانیگا اُسنے گویا میرا حکم نہ مانا۔ واقعی امام ایک سپر ہے جسکے پیچھے ایک شخص لڑ سکتا ہے اور ضرر سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جو کوئی بات امیر میں پائے جسکو وہ پسند نہ کرتا ہو تو خاموش رہے اور سرکشی نہ کرے۔ جسنے عہد اُٹھا مان لیا وہ اُنہیں لوگوں کی موت مریگا جو قبل از زمانہ اسلام کے مرے تھے۔ اگر والی جابر اور ظالم اپنی رعایا پر ہو تو اُسکا جرم بہت بڑا ہے وہ خود اوسکا مواخذہ دار ہوگا۔ اور یہ کارروائی شاہونکی خود نتیجہ اعمال رعایا کا ہے۔ شاہ کا اسمیں قصور نہیں ہے۔

تمام ایمانداروں کے لیئے یہ امر ضروری ہے کہ موافق آیۃ کریمہ اور بزرگ احادیث اور تفاسیر علما کے شاہان مذہب کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں۔ بلکہ اُنکے احکام بجا لائیں اُنکے احکام کی تعمیل میں دست بقبضہ شمشیر ہوں۔ اور نہایت عاجزی سے اُنکی اطاعت کریں۔ اور اُنکے آستانہ کی خاک سرمہ چشم بنائیں۔ وہ باغی اور سرکش رعایا وغیرہ کے شریک نہ ہوں۔ جو کوئی شاہ سے عہد و پیمان کرے اور دل سے اسکو قبول کرے تو اُسپر تعمیل واجب ہے اگر کوئی اور شخص آئے اور شاہ سے لڑے اور اُسکی

سلطنت میں فساد اور عناد پیدا کرے تو اُنکو لازم ہے کہ وہ سرکشوں کو قتل کریں
اور اُنکے سر قلم کریں جو ایسے شخص کے شریک ہوئے ہیں۔ ایک فقرہ میں ایک اور مذہبی کتاب
کا حوالہ دیا ہے جس سے اسکو اپنے شاہوں کے حکم کی تعمیل خواہ وہ عادل ہوں یا ظالم ہوں
واجب ہے۔ اول مذہبی فرض ہے کہ لوگوں کو اپنا شاہ اپنے مذہب کی حفاظت کیلئے قبل از جنگ
جدل شروع ہونیکے منتخب اور مقرر کرنا لازم ہے جو شخص شاہ منتخب کیا جائے اسمیں یہ اوصاف
ضروری ہیں۔ وہ مرد ہو اور عمر طبعی تک پہونچے۔ آزاد ہو غلام نہ ہو۔ پکا مسلمان ہو
اور عقیل اور مضبوط ہو جو عدل کرے اور ظلم کو مٹا دے اور اصول شریعت اسلام کو
کامل طور پر جاری کرے۔ اور بخوبی اُسکے لائق ہو کہ اپنی رعایا کے دینی اور دنیوی
فائدوں کی نگرانی کر سکے تاکہ اُسکے ذریعہ سے اُنکے مذہب کو قوت ہو۔

بعد ذکر آئیہ کریمہ کے کتاب میں سطور ہے۔ تھوڑے زمانہ میں خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا
جو ایمانداروں سے کیا تھا۔ اُنکو جزائر عرب اور عملداری کسریٰ اور ملک روم دیا۔ امید
کیگئی ہے کہ تمام ممالک مشرق اور مغرب کو بموجب حکم خداوند عالم کے مسلمان بندے فتح
کرینگے۔ جو پیرو پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ پہلے یہ ذکر ہے کہ
خلیفہ کو ان لوگوں کا قتل کرنا کیسا فرض ہے کہ جنہوں نے اسلام کو اُسکے قبول کرنیکے بعد
ترک کیا۔ اور اُن لوگوں کی نیا دشانا جو مذہب اسلام میں نئی ایجادیں کرتے ہیں اور
باغیوں اور لٹیروں اور غیبت کرنے والوں کا قتل واجب ہے۔ دوسری دفعہ میں
عقلمندی و فراست اور فہم اور دانش بہادری اور فیاضی شاہوں کی جانچ کا بیان ہے
تیسری دفعہ میں اُنکے الطاف اور رحم کا اپنی رعایا کی بابت ذکر ہے اور بہت سی آیات اور
احادیث کا بتائید مذکورہ بالا حوالہ دیا ہے۔ اسی تیسری دفعہ میں رعایا کی لازمات
کا مستحق اپنے شاہ کے بیان ہے اُسکے نو حصے ہیں۔

(۱) میں ذکر ہے کہ شاہوں کی اطاعت کس طرح کرنا چاہیئے تمام مسلمانوں پر واجب ہے

گروہ اپنے علماء اور خلفا کے احکام کی تعمیل کریں جس سے فایدہ اسلام کا ہو اور جو برخلاف حکم شرع کے نہیں ہی وہ اُسکے حکم کی تعمیل کریں خواہ وہ عادل بے لوث یا ظالم طرفدار ہو یہاں پر تائید مذکورہ بالا کے اُنہوں نے بہت سے حوالے دئیے ہیں

تقویم الدین کے مطالب کی تو

(۲) میں فرمانبرداری ولی یا گورنر یا حاکم جسکو امام یا دشاہ اسلام مقرر کرے ہو حدیث کا حوالہ دیکر اس طرح تصریح کی ہی۔ اگر خلیفہ کیجانب سی امیر تم پر بموجب احکام قرآن شریف اور شرع کے حکومت کریں تو تمکو خوشی خوشی رضامندی کے ساتھ حکموں کی تعمیل لازم ہی۔ اگر ولی مذکور حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور اُسکا سر منقی کے مانند ہی چھوٹا کیوں نہ ہو یعنی یہ عقیل اور فہیم نہ ہو۔

(۳) میں وجہ اور حالت اون لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے امام کی قطعی اطاعت کرتے ہیں اور اونکو کیا صلہ حاصل ہوتا ہے۔

(۴) جو لوگ مسلمانوں میں شرارت اور نفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اُنکو بھی باغی اور شریر قرار دیں حکم ہے کہ جہاں کہیں ملیں قتل کیئے جائیں انکے قاتلوں کو بہت ثواب حاصل ہوگا۔

(۵) یہ مناسب نہیں ہی اور یہی بات کافروں میں مناسب نہیں ہی کہ اونکی عورات اور بوڑھے آدمی قتل ہوں جو لڑنا نہیں چاہتے یا اُنکے بچوں کو قید کریں مگر اونکی جایداد ضبط کرلیں تاوقتیکہ وہ نادم اور خجل نہ ہوں اُس وقت اُنکی جائداد واپس ہوجائے۔

(۶) میں ذکر ہے کہ جو لوگ اپنے شاہوں کے نقص ظاہر کرتے ہیں کہ اونپر عایا کی لوگ مضحکہ کریں اور قہقہہ لگائیں۔ تمکو اوس پوشاک میں عیب جوئی لازم نہیں ہے جو تمہارے شاہ پہنتے ہیں اور نہ اونکے کہنے سُننے کو حقارت سے دیکھو کیونکہ اگر تم نے نفرت کی نگاہ سے امیر کو دیکھا تو سب کو ضرر پہونچیگا۔ کیونکہ جب وہ خاص کپڑے پہنے اور کوئی بات کہے تو وہ خاص مقصد اور مصلحت سے ہے جس سے موجب اُسکے

اعزاز اور عبرت کا رعایا کو ہو۔
(۷) شاہوں کے حقوق کا بیان ہے۔ شاہوں کے بہت سے حقوق ہیں سے ایک حصہ یہ کہ جو لوگ اُسکے سایہ میں ہیں دل سے اُسکی محبت کریں جب کبھی اُسکا ذکر زبان تک آئے کلمات تعریف کے ساتھ ہو۔ اور حتی الوسع اُسکے احکام کی تعمیل کریں اور بغیر بڑبڑائے ٹیکس او دیگر کاموں کو پورا کریں اور ذرا بھی اعزاز و ادب ظاہر کرنے سے تامل نکریں خواہ وہ عام ہو یا پرائیوٹ ہو اور اپنا مال ہمیشہ او سپر تصدیق کرنے کے لیئے تیار رہیں۔ کیونکہ اوسیکی موجودگی سے اُنکے دینی اور دنیوی معاملات اور اہل و عیال محفوظ رہتے ہیں۔ بعد کچھ ذکر آئیکر یہ کے مسلمانوں کی نسبت یہ بیان کیا۔
بعوض اقبال شفقت اور مہربانی کے جو تم پر ہوئی ہے اور بغرض اظہار شکریہ کے تم ایسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ جس سے کافر تم پر افسری کریں جس سے موجب تباہی اور ابتری تمہاری البلادقات اور پیشوں میں پیدا ہو۔
(۸) میں ذکر ہے کہ شاہ کی کیونکر مدد اُسکی فتح نصیب ہونے کے لیئے کریں مسلمانوں پر شاہ اسلام کی مدد واجب ہے۔ اگر انمیں سے ایک مصیبت اور دقت میں پہنس گیا تو لازم ہے کہ ایک اور شاہ کی مدد کریں۔ کیونکہ کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر مسلمان ایک دوسرے کی مدد نہ کرینگے تو کافر انپر حاکم ہونگے۔ اسلام کو ضرر اور زوال ہوگا۔
۹۔ اخیر میں وہابیوں کا ذکر ہے۔ اور بیان کیا کہ اُنکے خیالات عقاید اور رہا مسلمان فرقہ سنت جماعت کے خلاف ہیں۔ اِس اشاعت میں مع الاحادیث و آیات کا بتردید اُنکے خیالات کیا گیا ہے
اخیر میں بیان ہے کہ وہابی گو بظاہر خدا پرستی کا جامہ پہنے ہیں مع مسلمانی کا دعوی کرتے ہیں مگر وہ اصل میں کافر ہیں۔ وہ لامذہب ہیں اور ظاہر پرست ہیں ح اُنکو سلام کرنا یا اُنکے پیچھے نماز

پڑھنا درست نہیں ہے۔ وہ دشمن مذہب ہیں ہمیشہ سچے مسلمانوں میں نفاق پیدا
کرنیکا ارادہ کرتے ہیں اور مذہب کو خراب کرنا چاہتے ہیں تا کہ اپنے مذہب کو ترقی
دیں اور کل اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیں ؎

امیر صاحب کے ہزارہا مراسلات اور خطوط میں سے دو چار کا بطور نمونہ یہاں
درج کرنا مناسب ہے۔ سال گذشتہ میں جب ہندوستان میں وبائے طاعون کا زور شور پیدا ہو گیا
تو امیر صاحب نے اپنے سفیر مقیم ہندوستان کو اس وبا کی کیفیت سے اطلاع دینے کے متعلق حسب
ذیل مراسلہ بھیجا۔ جسکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک عام اور خاص بات کو وہ کسقدر
تحقیقات کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُنکے سوالات کیسے جامع ہوتے ہیں :-

عالیجاہ عزت نشان غلام رسول خان وکیل دولت خداداد را واضح خاطر باد

تحقیقات وبا کے متعلق امیر صاحب کا فرمان

درباب کوائف حدوث مرض طاعون کہ در محل بمبئی و کراچی بندر سانح و شائع شدہ که
مسلسل لاینقطع است شمارا اظہار ارشاد مے شود کہ از نزد گروہ اطبا یونانی و جمہور
ڈاکٹرہا وغیرہ مردم دانستہ و فہمیدہ استفسار کردہ جویا شوید کہ مثلاً در ابتدائے
مرور ایں ورم بچہ عنوان است صغیر الحجم مثل باقلا و یا کوچکتر ازاں یا کبیر الحجم
بقدر گردگان و یا بزرگتر ازاں یا سوزش شدید سوزی متجاوز از حد چنانکہ
مریض نیارد کہ انگشت بر آں موضع نہادہ اند و یا غیر آں در اعضاء غددی اللحم
حساس چون پستان و بیخ زبان و خصیہ یا اعضا غیر حساس چوں بغل و کنج ران و پس
گوش عارض مے شود و یا در دیگر موضع از بدن عارض میشود با تپ یا بغیر تپ
قے وغشی و خفقان و اختلاط عقل عوارض دارد یا نہ رنگ آں بچہ و تیرہ و آماس
سُرخ و یا زرد گونہ و یا مائل بسیاہی۔ و مریض چند یوم دوام میکند و یا بروز
دوم و سوم مے میرد۔ و پانچ و ہفت یوم مہلت میدہد ؟ و اشخاصیکہ ندرتاً از ایں
مرض صحت یاب میشوند و خلاصی مے یابند۔ و رکدام مواضع بدن ایشاں
بر مے آید ؟ یکے میباشد و یا متعدد ؟ قابل چرک و ریم میشود کہ خون و زرداب

ازاں تشریح کند یا نہ؟ اطبائے یونانی در مداوا وتدابیر آں بچہ نہ بہمے کوشندہ از معالجات
اقدام بفصد ومسہل ویا شرط در موضع ورم شرط عبارت از پاکی زدن است
وبعد آں ملیدن وور موضع ماؤف در ابتدا رواد عات باردہ در اطراف آں
مالیدن معمول وداشتہ بکار مے بردیا نہ ۔ واز اغذیہ و اشربہ چہ میدہند؟ واز
مقویات ومفرحات داد ویہ خواص خاصیت کدام قسم را العمل کردہ معمول میدارند ۔
گردہ ڈاکٹرین بچہ وضع تفقد و اہتمام آں بجا مے آرند ۔ اطبا ریونانی ہم مثل ڈاکٹرہائے
بمبئی علاج میکنند ویا بالضد؟ مراد از مثل انیست کہ در مرض کدام کدام از خارج و
داخل استعمال مے نمایند ۔ از حد زیادہ سعی وکوشش کردہ کو الف آں سوء بخوبے جہ
مدلل خود کردہ بزودی عریضہ نگار بارگاہ خسروی شوید ۔ زیادہ خیریت است ۔

تحریر یوم دوشنبہ
۴ شہر شوال ۱۳۱۲ھ

مہر و دستخط امیر صاحب

مندرجہ ذیل مراسلہ امیر صاحب نے ڈاکٹر جی ڈبلیو لائیٹنر کی ایک چٹھی کے جواب
میں اُس وقت لکھا تھا جبکہ اُنکے انگلستان جانے کے متعلق رائے زنی ہو رہی
تھی اور یہ ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو میں چھپا تہا ۔ وہو ہذا ۔

ڈاکٹر لائیٹنر صاحب کے نام امیر صاحب کا دوستانہ خط

زبدہ ماہران علوم وکمالات وعمدہ و اتقان فنون و فطانات ومحبت و موقت آیات
ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر الملقب بمولوی عبدالرشید ۔ ال ۔ ال ۔ ڈی ۔ سی ۔ ای ۔ و ایل را
بعد اظہار خیالات محبت و اشفاق ہمایوں والا و اشتیاق ملاقات وضع خاطر
مودت مظاہر باد ۔ آنکہ مراسلہ آں دوست از ملاحظہ والا گذشت چوں مبنی بر خیالات
خیر خواہانہ ودوستانہ واحوالات فتحمندی دوستاں بودہ باعث انبساط و فرحت
خاطر عاطر والا گردید ۔ در باب اشتیاق ملاقات وتیار نمودن نشیمن دوستانہ
در لندن برائے حضور انیجانب کہ نوشتہ اید چوں بنا بامید قائم است امید نہ

از خداوند داریم که بکدام وقت اتفاق ملاقات حاصل شده موجب حظوظ خاطر
جانبین گردد و چون عزم کار سی عین کار راست بدین دلیل قصد مهماندارئ دعوت
حضور را الا که بدل و اشتید قبول و منظور شده خورسند و رضامند شدیم و آنچه
نوشته اند که در مسجد لندن که بجهت استفاده مسلمانان تیار کرده ام دعائے دوام
عمر و مملکت سرکار والا کرده میشود چون و عالم الغیب سمیع الی والا جابة مشهور است امیدواریم
که دعائے غائبانه آن دوست مستجاب درگاه مجیب الدعوات خواهد بود شما نیز مرقوم
داشته اید که بعض اشخاص بد طینت بوسطه اخبارات میگویند که جناب امیر صاحب
مخالف دولت انگریز شده اند بنابرین ترجیه اوشان را در مجالس شرقا و هم تصنیفات
مختلفه کرده ام که این سخن بے بنیاد است و دو نسخه ازان کتاب بحضور فرستادم
و انشاء الله کوشش این دوست خالی از اثر نیست سو استدعا دارم که یک قطعه تصویر
خود باسع حالات خیریت مرحمت فرمایند حسب خواهش شما یک قطعه تصویر خود را
بطور یادگار دوستانه برائے شما فرستادیم و در باب خیالات مردم غرض جوئے اینکه
البته مردم مخالف بد طینت لیل و نهار در نفاق دهائے دوستان بسهم کردن
محبت و دوستی دولتین استعمالاً و طمعاً و طبعاً مدام کوشیده اند و میکوشند اما چون
از جانبین مع اوصاف پاک مثل شما صادق و قابل دوستان در میان بودند گنجائش
ناخن زدن نیافته اند و نخواهند یافت و ثمره کوششهائے باطلانه و کاذبانه
اوشان بجز حسرت و ناکامی و خجالت ندامت چیزی نخواهد شد ازین خیالات صدق
مقالات شما که مبنی بر فوائد و منافع دولت بهیئه برطانیه و دولت خداداد
افغانستان استند بسیار خوش و ممنون شدیم سو بعد ازین امید خیالات خیرخواهانه
و دوستانه از شما داریم ثالثاً در شمله از کلکته هم مراسله شما بحضور رسیده
ذات لانه ضرور جواب قوم میفرمودیم سن بعد ازین حالات صحتمندی و روز نیکا رهمے

خود نویساں باشند۔ کہ احوال خیریت مآل دوستان ما مدلیل فرحت خاطر فزا شدہ
جوابات آں از حضور ارسال فرمودہ خواہند شد۔ اختتام مراسلہ بنا بر ان خیالات
محبت و آرزوئے عزت و صحتمندی آں دوست نیز دیگر دوستان مشفقان
رسائل خیرخواہانہ مرسلۂ مذکور میفرمایم۔ تحریر یازدہم صفر المظفر ۱۳۱۱ھ
۲۴ اگست ۱۸۹۳ء۔ امیر عبدالرحمن امیر افغانستان دستخط کردم از برائے دوست
خود ڈاکٹر لیٹنر جواب خط دوستانہ او را فقط۔

ذیل میں امیر صاحب کے ایک خط کا ترجمہ انگریزی اخبار اسلامک ورلڈ سے
لیا جاتا ہے جو انہوں نے مسٹر عبداللہ کوئیلم شیخ الاسلام جزائر انگلستان
کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسٹر عبداللہ کوئیلم شیخ الاسلام انگلستان کو ایک خط

یہ خط آپکے سچے اور محبت کرنیوالے بھائی کیطرف سے بنام شیخ عبداللہ ڈبلیو کوئیلم
پیشوائے مسلمانان انگلنڈ و لیورپول اور اسکے نواح کے مسلمانوں کے نام۔ خدا
آپ سبکے دلوں کو اسلام کے نور ہدایت اور اسکی نعمتوں سے منور فرمائے۔ اس واسطے
کہ نیک اور پرہیزگار بندوں کا پیغمبران علیہم السلام کے نزدیک بھی مذہب اسلام بہتر
و برتر ہے۔ اور خدا اپنے پیغمبر کے نائبوں کی طرح آپکو پاک روحانی ہدایت اور دین و
دنیا کی کامیابی عطا فرماوے۔ آپکا نوازش نامہ جسکو کہ ہم نے نہایت ہی شوق سے
پڑھا اور جسکے مضمون نے ہمیں از حد محظوظ کیا۔ ۳ مئی ۱۸۹۵ء کو مطابق ۸ شوال
۱۳۱۲ھ کے صادر ہوا۔ الحمد للہ خدا کی رائے ہر ضمنی جسکا کلام شاہد ہے جاری ہوگئی
جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ یعنی حق ظاہر ہوا۔ باطل جاتا رہا
اور یہ کبھی عود نہ کریگا۔ پیغمبر صلعم آخر الزماں اور اسکے نائبوں کا کامل سچا
اور تثلیث کا رد کرنیوالا مذہب جسکو زمین پر روز افزوں ترقی پذیر ہے

بُت پرستی اور شرک کے تمام طریقے کمزور اور نیست و نابود ہوتے جاتے ہیں
اور کیوں ایسا نہ ہو اسلئے کہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا بڑا زبردست
اور صاحب قوت ہے۔ اسنے اپنی عنایت خاص کی تجلی کا پرتو آپکے مردہ دلوں
میں ڈالدیا کہ آپ مشرف باسلام ہوئے۔ اور آپکو تثلیث کی گمراہی کے راستوں سے
نکالکر وحدانیت کے سیدھے اور صاف راستہ سے بمصداق آیۂ کریمہ۔ اِن اللہ
یخرج المیت من الحی و یخرج الحی من المیت کے لگا دیا۔ چونکہ ایسی نعمت غیر مترقبہ کا حاصل
کرلینا صرف ایک ناچیز انسان کی کوشش سے کبھی نہیں ہے بلکہ یہ محض خدا ہی کی
رحمت کا جسکا کوئی مانع نہیں جوش میں آجاتا ہے اس واسطے ہم سب ہول کا شکریہ
اس خدا کے واسطے کبھی کافی وافی نہیں ہوسکتا یہ سچ ہے کہ نہ تو اس پاک
اور قادر مطلق خدا کو ہمارے اظہار اسلام کی تصدیق و حدانیت کے لیے
کوئی حاجت اور نہ اُسے ہماری مدد کی کوئی ضرورت۔ کیونکہ وہ پاک اور
قادر مطلق ہے تاہم ہمارا یہ کام ہے کہ ہم اسکا شکریہ کریں تاکہ اسکی نعمتیں ہمیں
دن بدن زاید ہوں۔ ہم آپکی مسجد اور مدرسہ کا حال سنکر نہایت ہی خوش ہوئے
اور اب ہم آپکے بڑے ممنون ہیں کہ آپنے ہمارے واسطے ہماری غیبت میں اس
مسجد میں دعا مانگی۔ ہمارے پیغمبر کی اسبارہ میں ایک مشہور حدیث ہے کہ حاضر کی دعا
غائب کے واسطے بہت جلد پایۂ اجابت کو پہنچتی ہے۔ ہم آپکی دعا کو جو آپنے ہمارے
واسطے فرمائی ایک نعمت سمجھتے ہیں جسکے عوض میں ہم آپکے ممنون و مشکور ہیں
ہم اس امر کے مقر ہیں کہ اُس شہنشاہ نے ہم کو اور مسلمانوں کی حفاظت ہمدردی
اور خبر گیری کے واسطے امیر المومنین مقرر فرمایا ہے اسلئے ہم جہانتک کہ ہمارے
امکان میں ہے آپکی مدد کرنے میں کبھی اور کسی وقت دریغ نہ کرینگے۔ ہم آپکی خیریت
نیز آپکے نئے مسلمانوں کی جماعت اور انکی خیریت اور ترقی اسلام کی خبر کی

ہمیشہ خوش ہونگے۔ ہم اس خط کو اسلام اور سچی خیر خواہی پر ختم کرتے ہیں جو ان پر جو صراط مستقیم کے متبع ہیں رحمت ہو جیو۔

دستخط امیر عبد الرحمن۔ ایک عاجز حامی اسلام باشندہ افغانستان اور بہائی مسلمانوں کا دوست۔ میں نے خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کیئے۔

امیر صاحب کی معاملہ فہمی اور ضرورت کے وقت سوچ سمجھکر مانع جواب دینے کی لیاقت کو تو گورنمنٹ ہند کا فارن آفس اور گورنمنٹ برطانیہ ہی خوب جانتی ہوگی۔ لیکن جب کبھی پلیٹکل مشکلات کے سلجھانے سے وہ فارغ بھی ہوتے ہیں تب بھی جواب ایسے ہی مانع لکھتے ہیں کہ انکی وسعت نظر پر تعجب ہوتا ہے۔ حال میں امیر صاحب نے دو انگریز سیاحوں کو جو بحصول رخصت افغانستان کا سفر کرنا چاہتے تھے مندرجہ ذیل جواب بھیجا تھا:۔

امیر صاحب کے جامع جواب کا ایک اور نمونہ

"بعد اظہار دوستی میں کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری چٹھی میرے پاس پہنچکر منکشف حالات ہوئی لہذا میں اسکے جواب میں تحریر کرتا ہوں کہ اگر میں تمکو اجازت دوں کہ افغانستان میں ہوکر براہ ہرات کابل میں میری ملاقات کو آؤ تو میں خود کو چند پیچیدگیوں کا ذمہ دار کروں جنکا پڑنا ممکن ہے۔

اول یہ کہ میں ایک گارڈ مقرر کروں جو شب روز تمہارے گرد رہیگا اور اس گارڈ کو اس سفر عظیم میں سخت تکلیف ہوگی اور یہ گارد نمائی صرف اس غرض سے لازم آئیگی تاکہ تم ملک کی کیفیت دیکھو۔

دوم۔ اگر میں نے تمہاری درخواست منظور کی تو میں تقرر گارڈ کا اپنی رعایا کے لیئے ایک دروازہ کھولدوں جو رستہ پر رہتے ہیں۔ کیونکہ دیگر یوروپین سیاحوں کے لیئے یہ ایک نظیر ہوگی اور وہ کہیں گے کہ جب ان لوگوں نے بلا وجہ سفر کیا تو ہمکو کیوں نہیں اجازت دیجاتی لہذا میں ایسی درخواست منظور کرنا

قرین مصلحت نہیں سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میرے گارڈ اور رعایا کو بمعاوضہ مصائب سفر کے کوئی فائدہ نہ پہونچے گا۔

سوم۔ اگر تمکو سڑک پر کوئی نقصان پہونچا اور تمہاری جان معرض ہلاکت میں پڑی تو ویسا ہی قصہ پیش آئیگا جیسا کہ مردہ بکری کے سونے کے سینگوں کا مشہور ہے۔ پس میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ایسی کارروائی نہ کرنا چاہیئے جس سے اُن سونے کے سینگوں کا دعوے کیا جائے۔

اگر تم میرے پاس انگلش پارلیمنٹ یا وائسرائے ہند کی چٹھی بھیجو گے جسمیں وہ تمکو اپنے دوستوں سے ملنے کی اجازت دیں تو میں تمکو براہ پشاور کابل میں آنے کی اجازت دیسکتا ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے ہو تو تم امید نہ کرو کہ تمکو یا کسی سیاح کو براہ ہرات کابل میں داخل ہونے کی اجازت دیجائیگی"

میرے خیال میں اگر لارڈ سالسبری صاحب وزیر اعظم انگلستان بھی امیر صاحب کی جگہ ہوتے تو اِس سے اچھا جواب نہ دیسکتے۔ سر وسٹ ریجوے نے صحیح کہا ہے کہ امیر عبد الرحمن زمانہ حال کے معدودے چند قابل آدمیوں سے ایک ہیں گو میرے خیال میں اِس وقت سوائے سلطان عبد الحمید خاں ثانی اور میکاڈو شاہ جاپان کے ایک شخص بھی انکے برابر پولیٹکل قابلیت کا کام نہیں کر رہا ہے امیر صاحب کے جتنے خطوط یا مراسلات ہوتے ہیں وہ بخلاف دوسری سلطنتوں کے مراسلات کے صرف ایک شخص واحد کے دماغ کے نتیجہ ہوتے ہیں کہ جو ایسی باتوں میں نہ کسی وزیر کا محتاج ہے اور نہ کسی کونسل یا کیبنٹ کے مشورہ کا۔

باب دہم

بقیہ ذاتی عادات طبعی سوشیل حالات و اصلاح حکومت

ایک معتبر شخص جو مدت تک کابل میں رہا ہے امیر صاحب کے سوشیل اور بعض دیگر
حالات کا ایک شمہ اس طرح پر قلمبند کرتا ہے:-

بالا حصار اوڑا دیا گیا ہے۔ اسلئے ایک اور قلعہ (ارک) تعمیر کیا گیا ہے۔ اسکے
باہر خندق ہے جسکا محیط ایک میل سے زیادہ ہوگا۔ اس ارک میں حرم سرائے امیر
صاحب کی کوٹھی۔ صندوق خانہ (خزانہ) اصطبل لنگر اور کئی کوٹھیاں اور حمام
وغیرہ ہیں۔ اسکے بیرونی دروازہ پر توپخانہ ہے۔ جہاں چار بجے سے نو بجے
تک نوبت اور انگریزی باجہ بجتا ہے۔ اسکے باہر خندق ہے۔ دروازہ مشرق
رویہ ہے۔ اسکی بیرونی فصیل کے اندر سلام خانہ یعنے مکان دربار عام ہے

امیر صاحب کا دربار

یہہ بہت لمبا چوڑا مکان ہے۔ سقف سنہری ہے۔ اسی کے قریب دفتر ہیں۔ امیر صاحب
ارک سے نکلکر سلام خانہ میں جاتے ہیں۔ جہاں دربار ہوتا ہے۔ شاغاسی درباریوں کو
لاکر درجہ بدرجہ بٹھلاتا ہے۔ شاغاسی کے ہاتھ میں چوب طلائی ہوتا ہے یہہ
سلام کرنے والے کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے۔ سلام جھک کر اور بازو دوہرے
کرکے کیا جاتا ہے۔ جواب میں امیر صاحب بڑے اخلاق سے پوچھتے ہیں۔ "شما
جوڑ ہستید" "خوش ہستی" وغیرہ۔ پھر سلامی کہتا ہے "ہاں صاحب جوڑ ہستم
بسر شما دعا میکنم تخت بخت قائم باشد"۔ سلام خانہ کے دروازہ پر قابچی دربان
بعد پیشی خدمت کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دربار کی جانب پشت کرکے امیر مستغیثوں

کی عرضداد سنتا ہے۔ مدعی پچیس قدم کے فاصلہ پر کہڑے ہوجاتے ہیں پچاس
پچاس آدمی جن کو عرض بیگی سامنے لاتا ہے اور ایک ایک کی عرضی پیش
کرتا ہے۔ عرض بیگی دو ہوتے ہیں۔ ایک پشتو کی عرضیاں پیش کرتا ہے اور
ایک فارسی کی۔ داد خواہ شور مچاتے ہیں اور فیصلہ امیر صاحب بانی سناتے
ہیں۔ کسی کو حاکم شرع کے پاس بہیجدیتے ہیں۔ کسی کو دفتر میں۔ اگر حاکم جلال آباد
یا ترکستان نے ستایا ہو تو انکے نام فرمان جاری کر دیتے ہیں۔ شنبہ اور چہارشنبہ
کے دن یہہ دربار ہوتا ہے۔ جب عرضداد ہو چکتی ہے تو امیر صاحب درباریوں
کیطرف مُنہ کرتا ہے۔ اس وقت دستر خوان بچھایا جاتا ہے اور ہاتھ دہلا کر کہانا
چُنا جاتا ہے۔ دو دو پیالے شیریں اور ایک ایک نمکین حاضرین کو جائے ملتی ہے
بعض اوقات دو دو تین تین ہزار آدمی روٹی کہانیکو جمع ہو جاتے ہیں۔
یہانتک کہ سفید پوش نانان بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ امیر صاحب کے سامنے
دس غوریاں رکھی جاتی ہیں اور اپنے ہاتھ سے اچھے اچھے کہانے اپنے پاس
والوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ امیر صاحب اس بات کی بھی بڑے شایق ہیں کہ جسپر
وہ بہت مہربان ہوں اُسے اپنے ہاتھ سے مشروبات دیا کرتے ہیں۔ طعام کے
بعد موسمی میوہ تقسیم ہوتا ہے۔ ہر ایک کو ایک ایک قاب میوہ تر و خشک ملتا ہے
امیر کے پاس بیٹھنے والے اختلاط اور گپ شپ شروع کر دیتے ہیں بچا ہوا کہانا
غلام بچہ کہاتے ہیں یہہ لوگ عام دربار میں نہیں آسکتے تہوڑی دیر گپ شپ
مار کر پھر امیر صاحب دادرسی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور سہ پہر پانچ بجے تک
مشغول رہتے ہیں۔ امیر صاحب شام کو شطرنج یا تختہ نرد کہیلتے ہیں کبھی پاس
ایک تھیلی پانسو روپیہ کی شرط بندی کے لیئے رکھی رہتی ہے اور کہیلنے والوں
کو امیر صاحب حسب ضرورت شکر بند یا پیش قبض گرو رکھنے پر روپیہ قرض

امیر صاحب عرضیاں کسطرح سنتے ہیں

امیر صاحب کا دستر خوان

شتقیتری کا سامان

دیتے ہیں کبھی آپ کام میں مصروف رہتے ہیں اور کہیلنے والوں میں سے ایک کو بتلاتے جاتے ہیں - امیر صاحب پیانو باجے کا بھی شوق رکہتے ہیں -

موسیقی کا شوق

۔۔۔

اِس شہر کلکتہ کے سوداگران ہیون اینڈ کو کے نائب مسٹر رچز امیر کی فرمایش کے مطابق پیانو باجہ خود کابل لیکر گئے تہے - وہ وہاں کے قیام کے بعد یہہ کلکتہ واپس آگئے ہیں - اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں، ایک انگریزی اخبار کے رپورٹر نے اِن سے ملاقات کی اور جو بات چیت ہوئی اُسکا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

"چونکہ ہمارے کارخانہ نے امیر صاحب کی فرمایش کے مطابق خاص نمونہ کا پیانو باجہ طیار کیا تہا - اِس لیئے امیر نے درخواست کی کہ اِسکے ہمراہ کارخانہ کا ایک نائب بھی آوے لہذا میں افغانستان جاتا ہوا - امیر سے میری ہمیشہ ملاقات ہوتی تہی اور وہ مجہہ سے نہایت مہربانی سے پیش آتے تہے - جولائی کے شروع میں دوپہر کو میں کابل پہونچا اور پہونچتے ہی امیر نے باجہ طلب کیا - اُنکا اشتیاق حد سے زیادہ تہا - مینے محل کے صحن میں فوراً پیانو نکالنا شروع کیا - اور جب باجہ درستی سے لگا دیا گیا تو امیر صاحب نے مجہہ سے فرمایش کی کہ اِسکو بجاؤں امیر صاحب کو تو باجہ بجانا نہیں آتا تہا مگر درباری کچہہ فارسی گیتیں نکال لیتے ہیں مینے دو گہنٹہ تک بجا کر چلا آیا - تو امیر نے مس ہملٹن کو بلا کر پیانو بجلانے کی فرمایش کی - اور سنکر خوش ہوئے - مجہسے امیر صاحب نے باجہ سکہلانے کی فرمایش کی - اور مینے کہا کہ جو کچہہ مجہے آتا ہے اُسے خوشی سے سکہلا دونگا - مگر چونکہ اونہیں نقرس کے پرانے آزار سے تکلیف تھی اِسلیئے مینے رائے دی کہ اپنی نشست کے پاس ایک چہوٹا سا پیانو رکہوا لیئے - کیونکہ کئی چہوٹے چہوٹے پیانو محل میں موجود تہے - مگر اُنہوں نے نہیں مانا اور نئے باجہ کو طلب کرکے کہا کہ نہیں میں برابر بیٹہوں گا گو اِس سے پہلے وہ کئی دن سے نہیں بیٹہے تہے - وہ اِس نئے باجہ کو کامل تین گہنٹہ تک بجاتے رہے - اور مجہہ سے اِسکے متعلق ذرہ ذرہ سی باتیں پوچہتے رہے - ہماری گفتگو ایک منشی کی وساطت سے ہوتی تہی - بعد ازاں ایک مستری یاقوت کی انگوٹہیاں لایا - اور اُنہوں نے یہہ میرمنشی کو کہا کہ اول آپ پسند فرمالیئے - امیر صاحب موسیقی کے بہت شایق تہے - ایک دفعہ مجہسے کہنے لگے کہ جب میں دربار راولپنڈی میں شریک

امیر صاحب سر شام کمر کھول دیتے ہیں۔ ورنہ دن بھر مسلح رہتے ہیں۔

ہونے سے پہلے گیا تھا تو وہاں فوجی باجہ میرے بہت پسند آیا اور میں نے بھی کابل
کی فوج میں ویسے باجہ کو رواج دینا چاہا۔ مگر بینڈ ماسٹر کے نہ ملنے سے کام نہیں چلا آخر
باجہ کی کتابیں فارسی میں ترجمہ کرا کر خود سیکھیں۔ اور پھر اپنے لوگوں کو سکھلائیں۔ امیر نے
کہا کہ مینے اپنے آدمیوں کو لکڑی کا سامان بنانا سکھایا ہے۔ مینے خود ایسا اسباب بنا ہوا دیکھا
اور مجھے پہلے یقین تھا۔ کہ یہ ولایت کا بنا ہوا ہے۔ مگر میرا یہ خیال غلط نکلا۔ جہانتک مجھے دیکھنے
کا موقعہ ملا ہے امیر صاحب ادنے سے ادنے آدمی سے بھی ملتے ہیں۔ مجھے دربار عام کے کمرہ میں بہت
دفعہ جانیکا اتفاق ہوا۔ یہاں دیکھنے میں آیا کہ امیر خود مقدمات سماعت کرتے ہیں اور انکا فیصلہ
بھی خود ہی کرتے ہیں۔ افغانستان میں یورپین بغیر خطرہ کے سفر کر سکتے ہیں۔ جبتک میں
کابل میں رہا۔ اکثر تنہا بعض اوقات بغیر چھڑی کے چاروں طرف پھرتا رہا۔ کسی نے آنکھ اٹھا کر
بھی نہیں دیکھا۔ گو میرے پہرہ کے لیئے سپاہی ہر وقت موجود رہتے تھے مگر مینے اونہیں کبھی
ساتھ نہیں لیا۔ اہل کابل نہایت مروت اور اتحاد سے پیش آئے۔

امیر صاحب معاملات تعلیم میں نہایت شوق لیتے ہیں۔ وہ تعلیم کو سب کے لیئے لازمی قرار دینے
والے ہیں۔ کیونکہ اونہیں یقین ہے کہ تعلیم سے انکے ملک کی حالت سدھر جائیگی۔ وہ صنعت و حرفت
کے معاملات میں بہت دلچسپی ظاہر کرتے ہیں چنانچہ کابل میں انہوں نے کئی مرتبہ زراعتی تجربے
کرائے ہیں۔ مسٹر سالٹر پائن کے زیر اہتمام صنعت و حرفت کے کئی کارخانے جاری ہو گئے ہیں
صابن تک کا کارخانہ کھل گیا ہے۔ امیر کابل شراب بھی کچھ لیتے ہیں۔ برانڈی اور وسکی
کابل میں تیار ہونے لگی ہے۔ غالباً ادویات کے استعمال کے لیئے۔ یورپین لوگوں کے ساتھ
کابل میں اچھا سلوک ہوتا ہے۔ مسٹر کلیمنس امیر کے داروغہ اصطبل ہیں اور اس اصطبل
میں [illegible] آئرلینڈ ویلز کے اصطبل کی بھی نسل موجود ہے۔ ولایت کے گھوڑوں کو یہاں کی آب و ہوا
موافق [illegible] اور بہت عمدہ اور تیار ہیں۔ امیر کے خیاط مسٹر والٹر ہیں جنہوں نے فارسی سیکھ

پتلون اور روسی کرتے جو اکثر پہنتے ہیں۔ رات کو اتار دیتے ہیں شام کے وقت ململ کی پگڑی یا انگریزوں کی طرح سیاہ کلاہ پہن لیتے ہیں۔ کبھی کبھی طلائی کوٹ پہنتے ہیں پتلون کے نیچے شلوار رہتی ہے۔ سر پہ لنگی باندھتے ہیں۔ دم سکٹ کی ایک جیب نہیں

امیر صاحب کا لباس

سینے اور قطع کرنے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ امیر مسٹر دیا آلٹر کی بہت قدر کرتے ہیں مس ہملٹن کو وہاں کے قیام سے کوئی خطرہ نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کابل کی سکونت کو پسند کرتی ہیں۔ انکی بڑی خواہش یہ ہے کہ افغان عورتوں کے علاج معالجہ کے لیے کابل میں ایک شفاخانہ جاری کریں کابل میں تین انگریزی لیڈیاں ہیں۔ ایک مسٹر الٹر صاحب کی میم۔ دوسری کلیمنس صاحب کی میم۔ اور انکی خادمہ مس ہملٹن انکے علاوہ ہیں۔ امیر بہت اچھے آقا ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کو ترقی دیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کابل میں کوئی شخص تجارت کا بڑا کارخانہ کھولے تو وہ روپیہ بغیر سود پیشگی دینے کو آمادہ ہیں میں نے امیر صاحب کے کارخانجات دیکھے۔ فی الحقیقت بہت ترقی پر ہیں۔

۵ امیر صاحب لباس اکثر انگریزی وضع کا زیب بر کرتے ہیں۔ اور یورپین فیشن کو پسند کرتے ہیں۔ صبح شام کبھی کبھی دیسی لباس بھی پہنتے ہیں۔ اور اسکے ساتھ سفید ململ کی پگڑی باندھتے ہیں لیکن یورپین لباس کے ساتھ استرخانی ٹوپی پہنتے ہیں۔ امیر صاحب کے یورپین لباس پسند کرنے کے باعث کابل میں یورپین طرز پوشاک کو بہت ترقی ہو گئی ہے۔ اکثر رئیس اور بڑے بڑے لوگ بلاتکلف کوٹ پتلون اور بوٹ پہنتے ہیں۔ عوام الناس میں بھی یورپین فیشن کا خیال پھیل گیا ہے جب سے امیر صاحب نے یورپین درزی ہندوستان سے بلوا کر کابل کے درزیوں کو کاٹنے اور سینے کا کام ان سے سکھلوایا ہے۔ تب سے جو درزی انگریزی فیشن کے اچھے کپڑے قطع کرتے ہیں ان کا کام بہت پسند کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے انگلستان و فرانس کے پرانے سوال اور پرانے کوٹ ہندوستان کی راہ سے کابل میں جا کر ہزار ہزار روپیہ کا اندازہ سکتے ہیں۔

بڑا ہونہار ہے اور امیر صاحب کا بڑا لاڈلا ہے۔

امیر صاحب بڑے فیاض ہیں جسکو کوئی وزیر یا امیر پیش کرے [illegible] انعام [illegible]
ہیں ہندوستانی ہنرمندوں کی بھی قدر افزائی کرتے ہیں۔ حرم سرا [illegible]
چوتھے مہینہ ایک دفعہ جاتے ہیں۔ اور دو تین شب قیام رکھتے ہیں کابل شہر کی کل

مسجدوں کا خرچ

مسجدوں میں تیس روپیہ ماہوار اول درجہ کے ملاں کو۔ دس روپیہ درجہ دوم کے
ملاں کو۔ اور چھ روپیہ موذنوں کو ملتا ہے خرچ تیل [illegible] آپ [illegible]
ہے۔ امیر صاحب صرف عید کی نماز مسجد میں پڑھتے ہیں۔ لوگ ملاؤں کو کچھ نہیں دیتے۔
باوجودیکہ شراب [illegible] ہونیکے لوگ گھروں میں شراب بنا کر پیتے ہیں۔ کابل میں

درباری خطاب

سب سے بڑا خطاب دربار کا "عالیجاہ" ہے جس عورت کا خطاب "حشمت نشان" ہو صرف
وہ ملکہ کے دسترخوان پر بیٹھکر کھانا کھا سکتی ہے۔ بادام کا ٹھیکہ امیر صاحب کا اپنا ہے

امیر صاحب کے نکتہ چین انپر سب سے بڑا الزام یہ لگاتے ہیں کہ وہ بڑے ظالم۔
سنگدل اور بے رحم ہیں۔ انسان کو سخت ترین سزا دینے اور جان سے مار ڈالنے
کا حکم دینے کے وقت انکی طبیعت پر ذرہ میل نہیں آتا۔ ہندوستان کی انگریزی
اخبارات نے وقتاً فوقتاً اور خصوصاً [illegible] کی [illegible] کرنے کے وقت
امیر صاحب کو جسقدر برا بھلا کہا ہے اور انکے ظلموں اور سختیوں کے واقعات کو
[illegible] پبلک کے پیش کیا ہے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر عبدالرحمن
ایسا سفاک اور ظالم بادشاہ ہے کہ چنگیز خان اور امیر تیمور اسکے سامنے [illegible]

لہ جس زمانہ میں [illegible] ڈیورنڈ کی کمشن کابل آیا ہوا [illegible] کے مقالات ہندوستان
کے اخبارات چھپ رہے تھے ایک اخبار نے یہ بھی لکھا تھا کہ [illegible] میں چنگیز خاں کی
[illegible] کر کبھی [illegible] گیا تھا کہ امیر عبدالرحمن خاں [illegible] ایشیا کے [illegible]
[illegible] قیصر [illegible] ہیں۔

تھے۔ میں نے اس وقت بھی "پیسہ اخبار" میں ان مبالغہ آمیز الزامات کی تردید اور
امیر صاحب کی حالت مجبوری کا ذکر کیا ہے۔ اور اب چونکہ کسیقدر زیادہ مناسب
موقعہ ہاتھ آیا ہے میں زیادہ تفصیل سے اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ
جسکا چھٹے باب کے اخیر میں بھی وعدہ کر چکا ہوں۔

امیر صاحب کی سختی اور ظلم کے الزامات کی تردید۔

جس قدر حالات امیر صاحب کے سخت سزائیں دینے کے مختلف وسائل سے معلوم ہوئے
ہیں انہوں نے کوئی شبہ نہیں چھوڑا کہ وہ سزائیں عموماً سخت دیتے ہیں۔ اور اس
طرح بڑے ظالم اور ستمگر مشہور ہوگئے ہیں۔ بتلایا جاتا ہے کہ رحم اور شفقت نے
انکے سینہ میں ذرہ بھر جگہ نہیں پائی۔ مگر یہ باتیں صحیح نہیں۔ اسمیں کلام نہیں
کہ امیر کی قسمت نے اسکو کس طرح اسقدر پلٹے کھلائے ہیں کہ اسنے اسے پختہ مغز اور
تجربہ کار بنا دیا ہے۔ طبعاً وہ مستقل مزاج اور اپنے ارادہ پر قادر ہے۔ اور جس کام
کو وہ کرنا پسند کرتا ہے ایک ہی دفعہ ہمیشہ کے لیئے اسکا فیصلہ کر دینا چاہتا ہے
وہ خود ان قابلیتوں کے ساتھ ایک پکا افغان ہے۔ اور جاہل ضدی سرکش اور
شورہ پشت جنگجو افغانوں کے ساتھ اسے واسطہ پڑا ہے۔ ان سب اسباب کے جمع ہوجانے
سے وہ نتائج پیدا ہوئے ہیں کہ جنکو لوگ امیر کے ظلم وستم سے منسوب کرتے ہیں۔ مرحوم
امیر عبدالرحمن خان نے اپنی پرائیویٹ زندگی کے کئی واقعات سے ثابت کر دیا ہے کہ
اسکی طبیعت میں شفقت محبت اور رحم بھی موجود ہے۔ گو ان صفات کو عمل میں
لانیکا کم موقع ملتا ہے۔ تاہم نادرشاہ کی طرح امیر عبدالرحمن نے اپنے اکلوتے بیٹے
کو اندھا نہیں کرا دیا۔ نہ نپولین بونا پارٹ کی طرح اپنی فوج کے ایک بہت بڑے
حصہ کو اپنے سامنے مروا ڈالا کہ فتح کی ضرورت سے زیادہ تھی۔ بلکہ چنگیز خاں یا امیر
تیمور سے جیسی خونریزی اور غارتگری منسوب ہے یا جو اس قسم کے واقعات امیر
عبدالرحمن خان کو پیش نہیں آسکے۔ اسنے ایک سلطنت کو مستقل کرنے اور ترقی دینے کو

رام بنانے کے لیئے بیشک سختی کا برتاؤ کیا ہے جو مدت سے غیر مستقل اور سرکش رہنے کے عادی ہوگئے تھے۔ اور اسلیئے اُسے ضرورت سے زیادہ سختی کا برتاؤ کرنا پڑا۔

تاریخ افغانستان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبد الرحمن خان نے شاہ زمان سدوزی کی طرح افغانوں کو سختی سے زیر کرنا چاہا ہے کہ آئے دن بغاوتیں کرنے کا انہیں حوصلہ ہی نہ رہے مگر ساتھ ہی بیشک باپ تیمور شاہ کی نرمی اور اُسکے دادا احمد شاہ کا حد بھی اسکی ذات میں جمع ہے جو سزائیں تعزیرات ہند کے مطابق ہندوستان کی پالتو رعایا کو دیجاتی ہیں یہ بیشک زیادہ شائستہ اور کم ہولناک ہیں۔ لیکن بدمعاشوں کی نظر میں یہ بجائے جرم کو کم کرنیکے یہ جرم کو بڑھانے میں ممد ہوتی ہیں۔ مگر اسپر بھی ہندوستان اور افغانستان کی رعایا کو یکسان سمجھکر دونوں کی اصلاح کے لیئے یکسان وسائل عمل میں لانا صریح غلطی ہے۔ افغان پتھروں کی سرزمین میں رہتے ہیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ انہیں طبیعتیں اور مزاجیں بھی ایسی ہی پتھریلی ہوگئی ہیں۔ اس لیئے امیر عبد الرحمن خان کو انہیں قابل عبرت سزائیں دینی پڑیں۔ امیر عبد الرحمن خان کا عزم اور استقلال قوت فیصلہ اور ارادہ کی مضبوطی اسی بات کی مقتضی تھیں کہ وہ افغانستان ایسے ہر وقت ڈگمگانے والے تخت کو مستقل بنیاد پر نصب کرتے۔ انکے ملک کی تاریخ سے انہیں یہی سبق ملا اور ہر شخص جو افغانستان کی دو تین گذشتہ صدیوں کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کریگا وہ اُس سے ایسا ہی نتیجہ نکالیگا۔ احمد شاہ ابدالی نے سختی کے ساتھ اتنی وسیع سلطنت میں اپنا رعب قایم رکھا ہوا تھا کہ اسکے بیٹے تیمور کے نرمی سے سلطنت میں جابجا بغاوت شروع ہوگئی۔ افغانوں کے خیال کے مطابق بادشاہ کی رحمدلی اور نرمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ مضبوطی سے

حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اور جو ہیں کہ رعایا کو اس بات کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ قوموں کے سرکش سردار خودسری دکھلانے کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اگر انہیں سخت سرزنش نہ کیجا دے تو وہ تخت کو شنٹے عوید آرکی کی اوٹ میں بادشاہ کو چین نہیں لینے دیتے۔ امیر صاحب نے ہر موقعہ کی بغاوت کو سختی کے ساتھہ فرو کیا ہے۔ اور ہر مجرم کو نہایت سنگدلی کے ساتھ سزا دی ہے۔ یہانتک کہ بارہا ہم لوگوں کی زبان سے بے تحاشا خوفناک کلمات ایسی وحشیانہ سزاؤں کو سنکر نکل گئے ہیں۔ مگر زیادہ غور اور فکر کے بعد قائل ہونا پڑا ہے کہ تخت افغانستان کی حفاظت اور افغانوں کی سرسبزی اور بہتری کے لیئے یہی سزائیں ضروری تھیں۔ دانشمند طبیب خوب جانتا ہے کہ اگر ایک نازک مزاج آرام طلب لکھنؤ کے امیرزادہ کو ایک تولہ گلقند دیگئی ہے تو اسی مطلب کے لیئے ایک پنجابی دیہاتی جفاکش جاٹ کو ایک تولہ جمال گوٹہ دینا پڑیگا۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

اس بیان سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ میں ایسی سخت اور خوفناک سزاؤں کو پسند کرتا ہوں جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے اخبارات میں امیر صاحب سے منسوب کیگئی ہیں۔ بلکہ میں انہیں وحشیانہ سزائیں قرار دیتا ہوں لیکن یہہ جہاں افغانوں کے مزاج کے کسیقدر موافق ہیں ساتھ ہی افغانستان کے طریقہ حکومت کے لیئے موزون نہیں[1]۔

---

[1] جون ۱۸۹۲ء میں ایک اخبار کے ایک نامہ نگار نے امیر صاحب کے ڈیفنس میں لکھا تھا کہ امیر عبدالرحمن خاں سب کو سزا ہی نہیں دیتے ہیں بلکہ بغاوت کی سزا دیجاتی ہے پھر اگر انکو معاف کیا جاتا ہے تو انکے ساتھ بڑی عالی حوصلگی سے سلوک کرتے ہیں۔ چنانچہ میر محمد حسین خاں مستوفی و میر احمد شاہ ضابطہ وغیرہ کے ساتھ عمل [illegible]

امیر صاحب نے خود اسقدر قتل کی سزائیں دینے کی وجہ ایک شخص سے یہ بیان کی تھی کہ
جبکہ بادشاہ کا فرض ہے کہ رعایا کو جرم سے بچا دے۔ لیکن یہ کام کوئی بادشاہ
اپنی ساری عمر بھر میں بھی نہیں کر سکتا۔ اور نہ کوئی قانون لوگوں کو ارتکاب
جرم سے روک سکتا ہے اسلیئے میں نے سزائے قتل میں یہ اثر دیکھا ہے کہ نہ مجرم کو ہی آئندہ
کے لیئے ارتکاب جرم سے روک دیتی ہے۔ بلکہ دوسروں کو بھی اسکی مثال سے عبرت
پیدا ہوتی ہے۔

امیر صاحب کا سخت سزائیں دینے کا جواب۔

یہی قاعدہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ آجکل امیر عبدالرحمن خاں کی شکایت بیجا ہے امیر
عبدالرحمن خاں کمال رحم کیساتھ رعیت پرور ہیں۔ انہوں نے کابل کی رعایا کو جو آرام چوروں
قزاقوں۔ رہزنوں و حیلہ داروں کے ظلم اور غارت گری سے ملا ہے وہ اس ملک کی رعیت
کو پہلے کبھی کسی امیر کے زمانے میں حاصل نہیں ہوا۔ جنہوں نے پچھلے زمانے کے ظلم اور جبر
اوٹھائے ہوئے ہیں انسے پوچھنا چاہیئے کہ امیر عبدالرحمن خاں کا زمانہ امارت کیسے آرام
و آسایش کا ہے۔ امیر کسی رعیت کو کبھی بے ثبوت جرم سزا نہیں دیتے اور مجرم کو اس
خیال سے سخت سزا دیتے ہیں کہ پھر کسیکو ایسا جرم کرنیکا نہ ہو۔ اس سے پورا پورا
رعب امیر کا بدمعاشوں اور ظالموں اور جرائم پیشہ لوگوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے
جس کام کی وہ ممانعت کرتے ہیں اگر کوئی اس جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اسکو بے تامل
دیتے ہیں۔ ان دنوں پولیس کا انتظام ایسا رہتا ہے کہ چور اور قزاق اسملک میں نام کو
نہیں ہے۔ پہلے امیروں کے زمانہ میں کوئی دو میل شہر سے باہر تنہا نہ جا سکتا تھا۔
اب تمام ملک میں سونا اچھالتا پھرے تو کوئی نظر بھر کے نہیں دیکھتا۔ پچھلے زمانے میں فوجی سپاہی
دوکانداروں کو تنگ کرتے تھے۔ ہر شے مفت لیتے اور کچھ دام نہ دیتے تھے۔ اب کسی سپاہی کی یہ
مجال نہیں کہ دمڑی کی چیز بھی [illegible] جبر سے یا کوئی شئی [illegible] اوٹھالے۔ چنانچہ
ایک دفعہ ایک سپاہی نے پیسے [illegible] جب کوتوال کا [illegible]
[illegible] ظلم کی بنیاد کو اوکھاڑ کے پھینکا [illegible] امن و آسایش

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے افغانستان کے ایک رستہ پر روپیوں کی
تھیلی پڑی ہوئی پائی۔ وہ اٹھا کر امیر صاحب کے پاس لے آیا۔ اسے امید تھی کہ امیر
صاحب مجھ کو انعام دینگے اور خوش ہونگے۔ امیر صاحب نے دریافت کیا کہ کس جگہ
سے اس نے تھیلی اٹھائی تھی۔ جب اس نے بیان کیا تو امیر نے اسکے کاٹنے کا
حکم دیدیا اور ساتھ ہی کہا کہ اگر تم اس تھیلی کو رستہ ہی میں پڑا رہنے دیتے تو شاید
اسکا مالک جستجو کرتا ہوا وہیں سے گذرتا اور رستے سے اٹھا لیتا۔ اگر یہ واقعہ
صحیح ہے اور حال صحیح ہوگا تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ افغانستان میں
چوری کسقدر کم ہو گئی ہے۔

(حاشیہ: ایسا ... چیز کو بھی نہ اٹھائے)

مگر اس سخت گیری اور شدید عقوبات کا جو امیر صاحب کی طرف سے عام طور پر
رہزنوں ڈاکوؤں اور قاتلوں سے مرعی رکھی گئی ہیں نہایت عمدہ نتیجہ نکلا ہے
کہ جسنے آج افغانستان کو پندرہ بیس سال گذشتہ کے افغانستان سے امن اور
آسایش کے رستہ میں بہت فاصلہ آگے بڑھا دیا ہے۔ آج افغانستان کے رستے
قاتلوں اور ڈاکوؤں سے بہت کچھ پاک و صاف ہو گئے ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے اندازہ
ہو سکتا ہے کہ سابقہ اور حال کے افغانستان میں اس معاملہ میں کسقدر فرق ہو گیا ہے

(حاشیہ: زمانہ سابق کے افغانستان اور موجودہ میں)

افغانستان میں کسی رستہ پر ایک مسافر گذر رہا ہے۔ ایک دوسرا شخص کچھ دور سے
فرض کرو کہ ایک پہاڑی کی چوٹی سے اسے دیکھتا ہے۔ اسکے ذہن میں فوراً سما گیا
کہ مسافر کوئی مالدار آدمی ہے۔ غالباً ہندو ہی جو پاس کے گاؤں سے کچھ قرضہ وصول
کرکے لا رہا ہے یا شاید اسکے بقچہ میں جو پیٹھ پر ڈالے جا رہا ہے چاندی سونے
کے زیور یا اشرفیاں ہونگے۔ فوراً بندوق میں گولی ڈالکر بدنصیب مسافر کو نشانہ بنا لیتا ہے
وہ کمبخت گر گیا۔ قاتل نے پاس جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چاندی سونا تو کچھ نہیں
البتہ ایک ہندوانہ تھا جسنے اسکو دھوکا دیا اور اپنے ایک فائر کے بارود کو ضائع جانا پڑا

افسوس کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ ایک دوسرا مسافر جو بہت غریب اور خستہ حال تھا کسی دوسرے راستہ پر جا رہا تھا۔ اُسکے پیچھے کمین گاہ سے ایک اور شخص نمودار ہوگیا۔ اور پھرتی سے ایک ہی تلوار کے ایک وار میں مسافر کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اِسکو بھی پیچھے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ جبکہ مقتول کے کپڑے ایسے ویسے نکلے اور سوائے دو روٹیوں کے اُسکے پلے سے اور کچھہ برآمد نہ ہوا۔ یہہ واقعات سابقہ افغانستان کے ہیں ممکن ہے کہ ان پر مبالغہ کا رنگ زیادہ چڑھ گیا ہو تاہم اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس ملک میں انسان کی جان کی قدر اسقدر کم تھی۔ اب اُسکی نسبت انگریز مسافر شہادت دیتے ہیں کہ جب وہ سفر میں رات کی تاریکی میں بھی سپاہیوں سے الگ ہو گئے ہیں تو افغانوں نے انہیں مدد دی ہے۔ اور یہہ سب تغیر امیر عبدالرحمٰن خاں کی اُس سختی کا نتیجہ ہے جو وہ مجرموں سے برتا کرتے ہیں[۱]۔ اُنکے سزا دینے کے ڈھنگ نرالے اور ہولناک ہیں۔ پھانسی یا قتل تو معمولی باتیں ہیں۔ لیکن رات کے وقت لوگوں کا گھروں سے غائب ہو جانا یا جیلخانہ میں گلا گھونٹ کر مار جانا یا فاقوں سے مارنا بھی اُنکی سزائیں ہیں۔ ڈاکٹر گرے جو امیر صاحب کا ملازم رہ چکا ہے جیلخانہ میں گلا گھونٹ کر مارنے کی سزا کی نسبت حسب ذیل کیفیت لکھتا ہے:۔

گلا گھونٹ کر مار ڈالنے کی سزا

"امیر صاحب نے میری حفاظت کیلئے جو گارڈ مقرر کیا ہوا تھا اُس میں سے ایک سپاہی کا یہہ کام تھا کہ جب میں گھر پہونچتا تو میری سواری کے بوٹ اُتارتا اور جب میں

---

[۱] جمرود سے لالپور تک انگریزی اسکورٹ مسافروں کی حفاظت کیلیے دیا جاتا ہے اور جبتک قافلہ اکٹھا نہو جاوے کوئی شخص جانکی جرأت نہیں کرتا [illegible] زیادہ قافلے (یعنی بغیر محافظت) کے سوائے نہیں جاتے۔ لیکن جب لالپور میں قافلہ پہونچتا ہے تو [illegible] امیر صاحب کا [illegible] وقت کسی اسکورٹ کی ضرورت نہیں رہتی۔ [illegible] قافلہ کی حاجت [illegible] اکیلا دوکیلا جہاں چاہے چلا جاوے اور یہہ امن اسی سختی کا نتیجہ ہے جو امیر صاحب [illegible] کرتے ہیں۔

بستر پر لیٹ جاتا تو یہہ چراغ گل کر دیا کرتا تھا۔ یہہ خوبصورت اور رقد آور آدمی تہا مگر اسکی آنکھوں میں ایک عجیب بہیانک نظر موجود تہی۔ مینے دریافت کیا کہ میرے گہر کی حفاظت کے سوائے یہہ شخص اور کیا کام کرتا ہے۔ تو مجہے بتلایا گیا کہ کیا تمنے کبہی خیال نہیں کیا کہ بعض بعض راتوں کو کوئی دوسرا شخص اسکی جگہہ کام کرتا ہے۔ مینے اس بات کو پہلے بہی تاڑا تھا۔ تب مجہے اطلاع دیگئی کہ یہہ شخص سرکاری جلاد ہے اور اسکا کام یہہ ہے کہ جیلخانہ میں بعض آدمیوں کا گلا گہونٹ کر مار دیا کرے۔ بد قسمت قیدی کو کہا جاتا ہے کہ آج رات تم ایک الگ کمرے میں سو رہو۔ جب وہ وہاں جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک اور شخص بہی وہاں موجود ہے جب وہ سو جاتا ہے تو دوسرا شخص یعنے میرا دوست سونیوالے کی گردن کے گرد آہستہ سے ایک پہانسی کی گرہ کہسکا کر دفعتاً اسکو گہونٹ دیتا ہے اور جہٹ سے اپنے شکار کے سینہ پر سوار ہو کر سارا زور اسپر ڈالکر دلیر خوب ضربیں لگاتا ہے۔"

یہی مصنف ایک دوسری جگہہ لکہتا ہے کہ نائب میر سلطان جو بڑا ظالم آدمی تھا جسکو امیر صاحب نے بعد میں پہانسی بہی دلادی کئی طرح لوگوں کو خفیہ مروا دیا کرتا تہا ایک اسکا یہہ بہی طریق تہا کہ شام کی تاریکی کے بعد لوگوں کو گہروں سے منگوا کر مروا دیتا۔ مثلاً آدہی رات کے پس وپیش کسی شخص کے دروازہ پر دستک پڑتی ہے۔ جب اُسنے باہر نکلکر دیکھا تو دو تین شخصوں نے جو پولیس کی وردی پہنے کہڑے تہے اُسے بتلایا کہ امیر صاحب نے اُسے یاد کیا ہے۔ چونکہ امیر صاحب اکثر رات کو بہت دیر تک بیٹھکر کام کرتے ہیں۔ وہ بیچارہ جہٹ پٹ کپڑے پہن اُنکے ہمراہ روانہ ہو جاتا ہے پہر دوسرے تیسرے روز اُسکا سر کہیں اور تن کہیں ہی پڑا پایا جاتا ہے۔ اسکی بیوی امیر صاحب کی خدمت میں فریاد کرتی ہے کہ میرے شوہر کو آپنے بلایا تہا۔ امیر صاحب انکار کرتے ہیں۔ اور آخر نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ مقتول کا کسی

وہی رات کو امیر صاحب نے یاد کیا ہے

ذاتی دشمن کا کام ہے۔ ساتھ ہی اس قصہ کا ناقل کہتا ہی کہ اس واقعہ کے معنے اور بھی بیانات سُنے ہیں۔ یعنی یہہ کہ امیر صاحب ہی کے حکم سے اسطرح بہی لوگ قتل کیئے جاتے ہیں اور جن لوگوں کے رویہ پر امیر صاحب کو شک ہوتا ہی اُنکا اس طرح قصہ پاک کردیتے ہیں۔ مگر اسپر اعتراض وارد ہوسکتا ہی کہ جبکہ امیر صاحب کو روز روشن میں کوئی اُس شخص کے قتل سے روک نہیں سکتا تو وہ رات کو خفیہ کیوں ایسا کرنے لگے تھے اور در اصل یہی بات صحیح بھی ہے۔

مسجد سے جوتے چرانے کے جرم میں آنکہ نکلوا دیں

ایک دفعہ مجھے ایک کابلی نے سنایا تھا کہ ایک کمبخت مسجد کی جوتیاں چُراتا ہوا پکڑا گیا۔ امیر صاحب نے اُسکی دونوں آنکھیں اس جرم کی سزا میں نکلوا دیں۔ اور ایک جوڑہ جوتیوں کا جو اُسنے چُرایا تہا ڈوری سے باندھکر اُسکے کندھوں سے نیچے لٹکا یا گیا اور بایں ہئیت اُسکو شہر میں پھرایا گیا۔ جبکہ اُسکی ماں بہی اُسکے ہمراہ تھی۔ آہ کیسا دردناک اور رقت انگیز نظارہ ہوگا۔ مگر امیر صاحب نے اسکو عبرتناک سزا سمجھا تہا۔ اور یقیناً اس سے یہ مطلب حاصل ہوا ہوگا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی رجمنٹ میں کچھ فتور ہوگیا۔ اسپر چہہ سو سپاہیوں کی آنکھیں چونہ ڈالکر پھوڑدی گئیں۔ جنٹلمین یعنی جو امیر صاحب کی خدمت میں کچھ عرصہ تک رہ چکا ہی اس گلا گھونٹنے کی سزا کے متعلق مجھے یقین دلایا کہ یہ سب کام نائب میر سلطان کا ہوتا تہا۔ امیر صاحب کو اُسکا بہت بڑا اعتماد تھا اور وہ ظالم لوگوں سے کینہ نکالنے اور روپیہ اینٹھنے کے لیئے ان پیچارں کو بہی میر حیمی سے اسطرح مروا دیا کرتا تہا۔ اسکے پاس ایک کتاب تھی کہ جسمیں خفیہ پولیس رپورٹیں لکھکر لا کے پیش کرکے امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتا تہا۔ امیر صاحب شام کو جب اپنے کمرہ میں جاتے تو اُسکی مہر توڑکر پڑہتے تہے۔ اور نمبر وار حکم لکہتے۔ وہ پھر اُسی طرح لا کر سر بمہر کرکے نائب میر سلطان کے پاس بہیجدیتے۔ مثلاً اسمیں کسی شخص کی نسبت خبر ہی ہوتی کہ فلاں شخص کے پاس فلاں مقدار کا روپیہ امانت ہے تو امیر صاحب حکم دیتے کہ اسے وصول کر۔ اور اُسے ملک سے خارج کردو۔ یہہ شخص روپیہ وصول کرکے اُسکو ایسی بےرحمی سے مروا دیتا تا کہ روپیہ کی مقدار کا کسیکو علم نہ ہو اور امیر صاحب کو تہوڑا سا روپیہ بہیجکر باقی آپ ہڑپ لیتا۔

پہرہ دیا گیا۔ ایک شخص جسنے کسی دوسرے کو ناحق [illegible] اُسکے
بدن کی کہال اوتار ڈالی گئی۔

قزاقوں کی سزا

ایک دفعہ امیر صاحب نے کوہستان کے قزاقوں کو گرفتار کیا اور اُنسے پوچھا کہ وہ اپنے
مذموم کام کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ اُنہوں نے کہا کہ پیٹ بڑا ظالم ہے۔ امیر صاحب نے
کہا کہ تم کو دس روپے ماہوار سرکار سے وظیفہ ملا کریگا۔ اگر یہ کام چھوڑ دو۔ سب نے منظور
کیا۔ مگر انمیں سے ایک نے کہا کہ امیر صاحب سچ ہے تو یہ عادت مرتے دم تک نہیں چھوٹ سکتی۔
امیر صاحب نے خفا ہوکر عبرت کے لیئے اُسکو ایک آہنی چوبی پنجرے میں بند کرکے پنجرے
کو لکڑی کے بہت بلند کھمبے کے سرے پر نصب کر دیا۔ اور وہ بے آب و دانہ چند روز میں
بڑے عذاب سے اسی معلق حالت میں مر گیا۔ وہیں اُسکا گوشت بھی سڑ گیا۔ اور ہوا نے
ہڈیوں کو صاف کر دیا۔ لیکن ابھی تک وہ ہڈیاں اُسی پنجرے میں آویزاں ہیں۔
اور جبتک کہ وہ بلی خود بخود نہ گر جائے وہ عبرتناک پنجرہ وہیں کھڑا رہیگا۔

روپیہ کا چمڑا چرانے پر ہاتھ کاٹا گیا۔

ایک شخص نے صرف دو پیسے کا چمڑا ایک دوکان سے چرا کر قرآن شریف میں
رکھ لیا تھا اُسکو پہلے تو پھانسی کی سزا کا حکم ہوا۔ مگر ایک یورپین کی بڑی کوشش اور
سفارش سے صرف اُسکا ایک ہاتھ کاٹنے پر اکتفا کیا گیا۔

روسی اندیشہ کا علاج

ایک دفعہ ایک بدنصیب سردار نے بخیال خیر خواہی امیر صاحب کی خدمت میں
عرض کیا کہ روسی قریب آرہے ہیں۔ ایک شریف آدمی نے جو اُس وقت امیر صاحب کی خدمت
میں حاضر تھا مجھے یقین دلایا کہ اُس وقت امیر صاحب بہت خوش بیٹھے ہوئے تھے اور
ہنستے ہنستے امیر صاحب نے اُسے حکم دیا کہ یہاں ایک بلند درخت پر چڑھکر دیکھو کتنی دور
ہیں۔ اور جب وہ اجل گرفتہ درخت پر چڑھ گیا تو نیچے پہرہ مقرر کر دیا کہ جبتک
روسی نہ آجائیں [illegible] نیچے نہ اُترنے پائے بلکہ یہ اوپر ہی بیٹھا ہوا روسیوں کو
تاکا کرے۔ چنانچہ وہ [illegible] درخت سے گرا اور مر گیا یقین ہے کہ

اس سے موثر علاج روسی اندیشہ کو افغانوں کے دلوں سے قطعاً دور کر دینے کا
دوسرا نہیں ہو گا۔ اور اسی لئے امیر صاحب کو اس شخص کے عبرتناک مثال قائم کرنے
میں تامل نہ ہوا۔ امیر صاحب کی طبیعت کی یہہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ جب وہ بات
کرتے ہوں تو کوئی اسمیں دخل نہیں دے سکتا۔ اور غالباً اس شخص سے اسی قسم کا قصور
سرزد ہوا تھا۔

امیر صاحب نے افغانستان کے تخت پر بیٹھنے کے بعد اسمیں کلام نہیں کہ جن ہزاروں
بندگان خدا کو جائز یا ناجائز طور پر قتل کیا ہے انمیں زیادہ تر وہ لوگ تھے کہ جنپر امیر
صاحب کو کسی نہ کسی قسم کا شبہہ یا یقین بغاوت یا سرکشی کا تھا۔ افغانستان کے
بہت بڑے بڑے سردار کچھ تو ہندوستان میں انگریزی وظیفہ پر آ پڑے اور کچھ
امیر صاحب کی ناراضگی سے جاں بحق ہو گئے۔ ایک مرتبہ ایک قندھار کا افغان سردار نے
افسوس اور حسرت کے ساتھ ذکر کیا تھا کہ امیر صاحب نے بڑے بڑے سربرآوردہ
افغانوں کو مار کر اپنے تئیں محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن یہ انکی حیات تک ہی ایسا
محفوظ رہیگا۔ اور [illegible] اپنے اس بیان کی تائید میں [illegible]
اہل الرائے کے غور کے قابل ہے۔ اس بوڑھے سردار نے بیان کیا کہ افغانستان
میں [illegible] بڑی بڑی سلطنتیں [illegible]
قائم رہسکی ہیں کہ قوم افغان کسی غیر قوم کو اپنا بادشاہ بنانا
منظور نہیں کرتی۔ وہ چاہتی ہے کہ اسکا بادشاہ خود اسکا ہمقوم ہو لیکن
جس طرح امیر عبدالرحمٰن خان نے افغانوں پر سختی کی ہے۔ اور قوم کے سربرآوردہ
آدمی چنوا چنوا کر مروا ڈالے ہیں۔ اس طرح افغان امیر کی حکومت سے
دل سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ اور اگر اب انکو موقع ملے کہ امیر صاحب کی
حکومت سے کسی دوسرے کو بدل سکیں تو وہ خوشی سے اسکو [illegible]

اس سختی کا قوم پر برا اثر

کہہ سکتا کہ یہہ خیال کہانتک صحیح ہے۔ لیکن امیر صاحب نے جو دو تین سال کا عرصہ گذرا
ہے بعض بعض پناہ گزین افغان سرداروں کو ہندوستان سے واپس طلب کر لیا تھا
وہ واقعہ ضرور اس پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ امیر صاحب کو یقیناً ضرورت محسوس
ہوئی ہوگی کہ ملک میں سربرآوردہ آدمیوں کی موجودگی ضروری ہے جو بہت کم
ہوگئے ہیں۔

انتظامی ضرورتیں امیر صاحب کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اسقدر سختی کریں ورنہ وہ نرمی
اور چشم پوشی بھی کر جاتے ہیں۔ خصوصاً جب کوئی شخص اُنکے روبرو سچے سچے حالات
بیان کردے تو وہ درگذر کر جاتے ہیں کبھی کبھی درباریوں سے مذاق کا شوق بھی
کرتے ہیں۔ چنانچہ کئی سال کی بات ہے کہ ایک مرتبہ جب امیر صاحب چڑیوں کا شکار کھیلنے
کے لیئے ایک جماعت کثیر کے ساتھ جنگل کو گئے تو اثنائے راہ میں ایک ندی پڑی
جسمیں کیچڑ بہت تھی۔ امیر نے کہا کہ جو شخص اِسکو پھاندکر نکل جائے اِسکو بھاری انعام
دیا جائیگا۔ بہتیرے لوگوں نے آزمائش کی اور دو ایک آدمی اِسمیں کامیاب بھی
ہوئے لیکن ایک بدنصیب شخص کودنے کی کوشش میں سر کے بل کیچڑ میں گر پڑا
اور اُسکی ایڑیاں اوپر کو ہوگئیں۔ اسپر بڑا فرائشی قہقہہ بلند ہوا اور اُسکو فوراً
لوگوں نے نکال لیا اور خوب ہی ریشخند بنایا تا آنکہ امیر نے کہا کہ انعام اِسی شخص
کو ملنا چاہئیے کہ اسنے ایسا کام کیا [illegible] ہوگا [illegible]
ہوئے تھے انہیں [illegible] گئے۔ امیر [illegible] بھی [illegible]
لیا کہ اپنی جوانی [illegible] بہت آسانی سے پھاند جاتا تھا۔

ایک مرتبہ [illegible] اسپر پہلے لکھا تھا کہ امیر صاحب میں یہ کمزوری
بھی ضرور پائی جاتی ہے کہ جب اُنسے کوئی شخص کوئی بات بیان کرتا ہے تو
وہ اُسپر کچھ اضافہ کرکے اسی طرح کی ایک حکایت خود بھی بیان کردیتے ہیں چنانچہ

جس وقت اُنسے ایک سوٹن کی قد اور قوت کی توپ کا حال بیان کیا گیا۔ تو اُنہوں نے کہا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جب میں سفر کرتا تہا تو اثنائے راہ میں ایک مرتبہ میٔنے ایک ایسی توپ دیکہی تھی کہ جسکا گولہ اتنا بڑا تہا کہ جتنی بڑی توپ کا ابھی تمنے ذکر کیا ہے۔ اور یہہ توپ اتنی لمبی تھی کہ اس دروازہ سے جتنی دور تک تمہاری نظر جا سکتی ہے۔" میرے خیال میں امیر صاحب ایسی بات اُس شخص کو مذاقاً کہتے ہیں کہ جنکی مبالغہ آمیز بات اُنہیں غلط معلوم ہوتی ہو۔ اور وہ چونکہ کسی بات میں بند رہنے والے نہیں۔ ایسا جواب دیتے ہیں کہ قائل حیران رہ جاتا ہے۔

امیر صاحب کا مبالغہ یا مذاق +

اسی طرح ایک پارسی سوداگر نے مجھے بتلایا تہا کہ اسنے ایک مرتبہ چند بڑی بڑے جاپانی پہولدان جنکے مُنہ تنگ ہوتے ہیں امیر صاحب کے لیے منگوائے تھے۔ مگر جب امیر صاحب کے پیش کیے گئے تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ یہہ کیا چیز ہی سوداگر نے پہولدان بتلائے۔ لیکن امیر صاحب نے اُسکی بات کو باور نہ کیا اور فرمایا کہ یہ ضرور گلقند یا مُربہ کے مرتبان ہونگے۔ اور اگر مرتبان نہیں تو ہمیں اِنکی ضرورت نہیں۔ چنانچہ سوداگر بیچارے نے مجھے اپنا بل جو امیر صاحب کے خزانچی کو پیش کیا تو اُسمیں انکا نام مرتبان لکھا۔ بصورت پہولدان لکھنے کے اُسکا خیال تہا کہ امیر صاحب اُنہیں لینا منظور نہ کرتے۔ کیونکہ اُس صورت میں انہیں اپنی ناعلمی یا غلطی تسلیم کرنا پڑتی تھی۔ اور یہ بات کرنا وہ کبھی منظور نہیں کرتے۔ ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو یہ جتلانا کبھی منظور نہیں کہ کسی بات سے وہ ناواقف ہیں۔ اور درحقیقت اُنکے ایسے خود مختار اور زیرک بادشاہ کے لیئے جو افغانوں کی ایسی جاہل قوم کی قسمت پر حکمران ہو ایسا ہی کرنا شایاں بھی ہے۔ کیونکہ امیر صاحب کا رُعب قائم رہ سکنے میں یہ بات بڑی

اپنی لاعلمی کبھی تسلیم نہیں کرتے

مدد دیتی ہے - علاوہ اسکے امیر صاحب ایسا واقف اور باخبر شخص کم موجود ہوگا -
اسمیں کلام نہیں کہ امیر صاحب میں ایک دو کمزوریاں بھی ہیں جس بددیانت
اہلکار کے پاس انہیں بہت سا روپیہ نقد آتے اور ہی کبھی کسی حیلے سے وہ روپیہ
کھسکا لیتے ہیں - اور بعض اوقات انکا یہ فعل قریب انصاف ہوتا ہے - چنانچہ ایک دفعہ
کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ جب امیر صاحب دربار میں بیٹھے تھے تو ایک شخص [illegible] امیر کے حضور
پیش کرنے آیا تھا امیر کے سامنے چند اشرفیاں فرش پر گر پڑیں - اتفاق [illegible]
شخص جو امیر کے خاص مقربوں میں تھا اور جسپر امیر بہ نسبت [illegible] اشخاص
کے زیادہ اعتبار کرتے تھے اسپر بھی حرص غالب ہوئی - اور [illegible]
جسقدر اشرفیاں ملسکیں اپنے بوٹ کے اندر ڈال لیں - اس واقعہ کو [illegible] حرم کی
ایک کنیز نے جو کھسک کر امیر کی پشت پر چلی آئی تھی انکو توجہ دلائی - امیر تھوڑی
دیر تک خاموش رہے - بعد ازاں ہر شخص سے خطاب کرکے کہا کہ میںنے اس بات کا تجربہ
کیا ہے کہ ہر شخص کے خصائل اسکے پاؤں کی ہیئت سے معلوم ہو جاتے ہیں چنانچہ
اس آزمایش میں میںنے کبھی خطا نہیں کی ہے اور ایک شخص خاص کی طرف اشارہ کرکے
کہا کہ تمہارے پاؤں بہت بڑے بڑے معلوم ہوتے ہیں لیکن تمہارے خصائل
بہت عمدہ ہیں - اس وقت جو لوگ یہاں موجود ہیں سب اپنے اپنے بوٹ اوتار لیں
کہ میں پھر اس بات کی آزمایش کروں - امیر کے اس حکم پر ہر شخص نے اپنے اپنے
بوٹ بجز ایک شخص خاص کے اوتار ڈالے لیکن وہ شخص کانپنے لگا اور یہ بہانا کرکے
کہ مجھکو یکایک کیا جانے کیا عارضہ ہوگیا ہے چاہا کہ [illegible] لیکن امیر نے
اسکو روک کر کہا کہ نہیں جب تک میں تمہارے پاؤں نہ دیکھ لوں نہ جانا - اب جو
اسکے بوٹ اوتارے گئے تو اشرفیاں اس میں سے زمین پر گر پڑیں - وہ سلطنت کا سب سے
زیادہ ذی اثر شخص اور سب سے زیادہ امیر آدمی اس طرح سے علانیہ ذلیل کر ڈالا گیا -

امیر صاحب لوگوں کے پاؤں سے انکے خصائل جان سکتے ہیں

اس وقت تو امیر نے اسکو اور کچھ نہیں کہا لیکن بعد کو اسپر چار لاکھ روپیہ جرمانہ کر دیئے اور ایک برس قید کی سزا دی۔

امیر صاحب ہر چند کہ اکثر ہنستے رہتے ہیں مگر انکا رعب اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ کوئی شخص انکے سامنے جاکر حواس بمشکل درست رکھ سکتا ہے۔ یہہ مقولہ ایک ایسے تعلیم یافتہ ہندوستانی کا ہے جو دو تین سال تک امیر صاحب کی خدمت میں رہا ہے اور امیر اُسپر بہت مہربانی کیا کرتے تھے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ امیر صاحب کی خدمت میں ایک نان بائی کی نسبت شکایت پہونچی کہ وہ کم وزن کی روٹی پکاکر بیچتا ہے۔ وہ امیر صاحب کیخدمت میں طلب کیا گیا۔ تو امیر صاحب نے اسکی وجہ دریافت کی۔ اسنے بتلایا کہ میرے آٹا تولنے والے کا قصور ہے۔ مگر امیر صاحب نے یہہ سمجھکر کہ کم وزن فروخت کرنے سے آخر فائدہ تو اسی کو ہوتا ہے۔ نان بائی کو حکم دیا کہ جاؤ اسی تنور میں جاکر گر جاؤ اور اپنے وارثوں کو کہہ جاؤ کہ وہ تمہارے گرنے کے بعد تنور کا منہ بند کر دیں چنانچہ سنا ہے کہ نان بائی کو سوائے امیر صاحب کی حکم کی تعمیل کے کوئی چارہ نہ بن پڑا۔ ہرچند اسکی نگرانی کے لیئے کوئی سپاہی متعین نہ تہا۔

نان بائی کی قبر تنور میں بنادی

امیر صاحب کی علمی لیاقت ہر چند کہ بہت کم ہے مگر وہ بڑے واقفکار اور ایک لحاظ سے عالم آدمی ہیں۔ ڈاکٹر گرے امیر صاحب کی ہمہ دانی پر تعجب ظاہر کرتا ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش ہوا ہے امیر صاحب کو اسمیں نہایت باخبر پایا گیا ہے۔ مثلاً اگر طب یا ڈاکٹری کا ذکر آگیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ امیر صاحب تو خاصے طبیب ہیں اسکے متعلق مجھے ایک قصہ یاد آگیا ہے۔ ایک دفعہ ایک انگریز کے حلق میں پہوڑا نکل آیا اور اتفاق سے اُسنے اپنی یہہ حالت امیر سے بیان کی جنہوں نے اپنی بڑی ہمدردی ظاہر کی اور اس بات پر اصرار کیا کہ مجھکو اسکا ایک حکمی علاج معلوم ہے مکھی تم جیسی [illegible] مالش کرو . . . علاج یہہ تہا کہ ایک چڑیا ذبح کرکے حلق پر رکھکر بند [illegible]

امیر صاحب کو ہر بات کی واقفیت

اور جب تک ٹھنڈی نہو جاوے اُس وقت تک اِسی طرح رکھی ہی چنانچہ چھ چڑیاں ذبح کرکے اِسی طرح سے یکے بعد دیگرے اِسکے حلق پر رکھی گئیں۔ اور اِس بات کی بیان کرنے کی حاجت نہیں معلوم ہوتی کہ دوسرے روز عارضہ بالکل ہی جاتا رہا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو دوسرے روز پھر وہی ترکیب کیجاتی۔

ڈاکٹر گرے ایم ڈی کہ جسکو امیر صاحب نے ایک معقول تنخواہ پر ملازم رکھا تھا دو تین سال تک اُنکی خدمت میں رہا۔ اور اِس دوران میں امیر صاحب کئی مرتبہ بیمار ہوئے۔ مگر ایک مرتبہ بھی اُس ڈاکٹر کا علاج نہ کرایا۔ بلکہ صرف یونانی اطبا کا علاج اپنی مرضی کے مطابق کرتے رہے۔ اور ڈاکٹر گرے کا بیان ہے کہ مینے اِسی رنج کی وجہ سے اُنکی ملازمت چھوڑ دی کہ اُنہوں نے میرے علاج پر اعتبار نہ کیا۔ خواہ وجہ ڈاکٹر کی سے علاج نہ کرانے کے ہو۔ مگر اِسمیں شک نہیں کہ امیر صاحب کو ہر بات میں اپنی ذات پر بڑا اعتماد ہی اور یہی وہ بات ہی کہ جس سے دنیا میں لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ڈاکٹر گرے خود بہت اچھا مصوّر تھا۔ مگر جب امیر صاحب کے حکم سے اُسنے امیر صاحب کی تصویر کھینچی تو امیر صاحب نے اُسمیں بھی اصلاح کی ضرورت دیکھی اور ڈاکٹر مصوّر کو اُنکی تصویر فہمی کی لیاقت کا قائل ہونا پڑا۔ بلکہ امیر صاحب کو مصوّری اور نقاشی کا خاص شوق ہے۔ اُنہوں نے گرے صاحب سے کابل کے مصوّروں کو شاگرد بناکر کام سکھلا دیا۔ مینے کسی اخبار میں یہہ بھی دیکھا ہے کہ امیر صاحب لندن کے تصویر دار اخبار السٹریٹیڈ لندن نیوز کو شوق سے دیکھا کرتے تھے۔ الغرض وہ زمانہ جو امیر صاحب نے قلمرو روس میں جلاوطنی میں کاٹا ہے۔ اِسمیں ہی اُنہوں نے دنیا کے ہر باب کے معلومات فراہم کرلیے ہیں اور نہایت پختہ مغزی حاصل کی ہے۔ یہہ عربی ترکی فارسی اور پشتو زبانوں میں بات چیت کرسکتے ہیں۔ اردو سمجھ سکتے ہیں۔ مگر بول نہیں سکتے۔

امیر صاحب کی اولوالعزمیوں اور بلند ارادوں کی نسبت ایک اخبار نے ایک دفعہ

امیر صاحب کا مصوّری کا شوق

خوش مذاقی

اس طرح لکھا تھا کہ ایسے بلند ارادوں کو دیکھکر کوئی شخص اونکی اولوالعزمی سے انکار نہیں کرسکتا۔ انکے پوشیدہ خیال پر انکے دوست اور درباری بہت کم اطلاع رکھتے ہیں۔ انکی طبیعت میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ایک ہوشیار شخص بہ نسبت ایک مجمع کے اچھا کام کرسکتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی رائے کو درباریوں پر بھی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر انکا زبردست رعب کسی شخص کو مخالفت کی جرأت نہیں دلاتا۔ جب سے حکومت کی باگ انکے ہاتھ میں آئی ہے اُس وقت سے انکے ترقی خیز خیالات دن بدن افزوں ہوتے جاتے ہیں۔ افغانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو ابتک آزاد تھیں انکی آزادی کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے۔ کافرستان جہاں کے باشندوں سے دوسری قوم میل جول نہیں کرسکتی تھی اور جہاں کے برفستانی پہاڑ اور بیچدار گھاٹیاں دور ہی سے اپنی طرف آنے والوں کو اشارہ کرتی تھیں کہ اس مصیبت خیز خطہ میں تم قدم نہ دھرنا۔ اب امیر کا رعب اور دبدبہ بیٹھتا جاتا ہے۔ اِن کامیابیوں کی وجہ سے وہ کبھی کبھی بھرے دربار میں امیر یعقوب خاں اور انسے پہلے امیروں کو بودا اور کم ہمت اور کم عقل کہہ بیٹھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ریاست کابل کو انہیں لوگوں نے ضعیف کردیا تھا لیکن میں اپنی زندگی میں پہلے سے زیادہ وسیع اور خوشحال کرکے چھوڑونگا۔

الوالعزم ارادے

سر لیپل گریفن ہی وہ انگریزی افسر تھا جنے سرکار انگریزی کیطرف سے تخت کابل امیر صاحب کے سپرد کیا تھا۔ اُس نے امیر صاحب کی طبیعت کی بیباکی اور بلند نظری کے متعلق اپنے ایک مضمون میں حسب ذیل رائے دی تھی:۔

امیر صاحب کی بیباکی اور بلند نظری

”امیر نے اپنا استغنا تخت نشینی کے وقت ظاہر کردیا تھا۔ وہ تخت نشینی سے پہلے ایک بے مایہ شخص تھے جو انکے ہمراہی تھے وہ بھی شکستہ حالت میں تھے اُس وقت کابل پر انگریزی فوج کا قبضہ تھا۔ امیر جب تخت نشین ہونے کے لیے آئے تو

اُنہوں نے ایسی بے پروائی سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوتا تہا کہ اُنہیں
کچھ بھی پروا نہیں کہ سلطنت ملے یا نہ ملے گویا اُنکو سلطنت کا کچھ اشتیاق نہ تہا۔
اُنہوں نے مجھسے زردسیوں کی بُرائی بیان کی نہ اُنکی عداوت کا اقرار کیا حالانکہ
موقع یہ تہا کہ وہ بطور خوشامد کے سلطنت حاصل کرنیکیلئے مجھسے اِس قسم کی باتیں
بہت کچھ کرتے مگر اُنہوں نے ایسی باتوں کیطرف کچھ بھی توجہ نہ کی جب اُن سے
زر امداد کا وعدہ کیا گیا اور روم ہتہیار دیئے گئے جو اُنکے دینے کے لیے تجویز ہوئے
تہے۔ اِن امور کو بھی بڑی بے پروائی سے اُنہوں نے سُنا۔ جو بات پوچھی گئی
اُسکا صاف جواب دیا کچھ ہماری خوشامد نظر نہ رکھی۔ اُنہوں نے یہہ بھی کہا کہ تم
لوگ صرف اِس وجہ سے یہہ تاج مجھکو دیتے ہو کہ یہ بار اب تمہاری اُٹھائے نہیں
اُٹھتا ہے اِسلیئے اُسکو اب میری پیٹھ پر لادے دیتے ہو۔ ہمیشہ اُنکا طرز گورنمنٹ
انگریزی کے ساتھہ ایسا ہی بےباکانہ گفتگو کا رہا چنانچہ اُنسے یہہ بھی کہا گیا تھا کہ
آپ گفتگو میں اب تقریر کا لحاظ رکہیں گے۔

دیگر مذاہب کی نسبت خیالات

اِس سے پہلے امیر صاحب کے مذہبی خیالات کی نسبت ذکر ہو چکا ہے کہ ہر چند کہ وہ پکے
مسلمان ہیں تاہم دیگر مذاہب کی نسبت اُنکے خیالات سے نہایت وسیع اور روشن ہیں
نومبر [illegible] کی بیبل سوسایٹی کی رپورٹ میں امیر صاحب کا ایک عجیب خط چھپا ہے
جو [illegible] میں اُنہوں نے پادری ورنگٹن صاحب کے نام لکھا تہا۔ اِس خط کے لکھے جانے
کا باعث یہہ ہوا کہ پادری صاحب نے امیر صاحب کو ایک جلد پشتو کی انجیل بھیجی تہی۔
امیر صاحب نے اُس انجیل کی رسید بھیجی اور حسب ذیل جواب لکھا:۔
آپکا خط وصول ہوا۔ آپ افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ مجھسے ملاقات بوجہ کم فرصتی نہ
ہوسکی مجھے بھی بہت افسوس ہے کہ میں سرحد ہندوستان پر پہونچا۔ اور انگلستان کے
سب سے زیادہ عالم اور عقلمند آدمی سے ملاقات ہوسکتی آئی مگر کل امیر مرھون

باوقا تھا جو جلد انجیل کی اپنے بھیجی ہے وہ مجھے پہونچی۔ اور میں نے بہت تعظیم کیساتھ
اُسے قبول کیا۔ اگرچہ ہمکو اُسکے مضامین سے کوئی سروکار نہیں مگر چونکہ وہ منزل من اللہ
ہے۔ ہم اُسکی تعظیم کرتے ہیں۔ میں بہت خوشی سے اُسے پڑھونگا اور اُسکی جو آیات ہمارے
قرآن شریف سے ہم مضمون ہیں اُنکا خلاصہ کرونگا۔ علاوہ ازیں جو مضامین عجیب ہیں اُنپر
عمل کرونگا۔ مجھے اس تحفہ کے حاصل ہونے سے بہت خوشی حاصل ہوئی کیونکہ حقیقت میں یہہ بہترین تحفہ ہے۔

باب پانزدہم

ہندوستان کی حد شمال مغربی پر ۱۸۹۷ء کی شورش اور امیر صاحب کے تعلقات

ہر چند کہ یہہ اوراق ۱۸۹۷ء سے پہلے کے لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ابھی چھپکر شائع نہیں
ہوئے تھے کہ وسط ۱۸۹۷ء میں ہندوستان کی سرحد شمالی و مغربی پر سرحدی قوموں
نے آتش فتنہ و فساد بلند کر دی۔ اور یہہ آگ اس تین سو میل لمبے سرحد کے ایک
سرے سے لیکر دوسرے سرے تک تمام پہاڑی قوموں میں پھیل گئی جب سے گورنمنٹ
انگریزی نے پنجاب پر قبضہ کیا تھا اور اُسکو ان سرحدی قوموں سے سابقہ پڑا
تھا۔ ہر چند کہ ایک ایک اور دو دو قوموں سے گورنمنٹ کو ضرور لڑنا پڑا تھا۔
لیکن کبھی یہہ واقعہ پیش نہیں آیا تھا کہ تمام سرحدی قومیں جو سرحدات
افغانستان و بلوچستان و ہندوستان کے مابین آزاد ہیں وہ ایک ہی وقت
میں اور آپسمیں اتفاق اور مشورہ کرکے بگڑ جائیں اور گورنمنٹ انگریزی
کے علاقہ پر حملہ کر دیں۔ ان قوموں کے دفعتاً آتش فساد مشتعل کر دینے سے
بہت لوگوں کو بلکہ خود سرکار کو بھی گمان ہوا کہ شاید امیر عبدالرحمن خاں
کی ترغیب اور تحریک سے قوموں نے فساد بلند کیا ہے۔ یہانتک کہ انگریزی اخبارات نے

بلا محابا امیر صاحب کے ایک جنرل غلام حیدر خاں کو اس فساد میں شریک بتلایا۔
اور بیان کیا کہ ابتدائے فساد میں خود امیر صاحب کی سرحدی چوکیوں کے سپاہی
سرحدی پٹھانوں کے ساتھ شریک ہوکر انگریزی فوج کے مقابلہ میں آتے رہے ہیں
اور یہ شک تو اخیر تک باقی رہا ہے کہ سرحدی قوموں کے پاس اتنا گولی بارود
اور اتنی بندوقیں کہاں سے آگئیں جو یہ اس کثرت سے چھ سات ماہ تک استعمال
کرتے رہے ہیں۔ ہو نہو امیر صاحب نے انہیں بہم پہنچائی ہونگی۔ لیکن بعد کے واقعات
اور نیز امیر صاحب کے طریق عمل نے ان شکوک کو بالکل غلط اور بے بنیاد ثابت
کردیا ہے۔ اور چونکہ ان واقعات کو بالواسطہ امیر صاحب کی ذات سے تعلق پیدا
ہوگیا ہے۔ اسلئے انکو اختصار کے ساتھ بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

امیر صاحب پر سرحدی فسادوں میں سازش کا شک

۱۰ جون ۱۸۹۷ء کو مسٹر گی پولیٹیکل آفیسر وادی توچی میں سکھوں اور پنجاب
انفنٹری کی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ ایک سرحدی فوجی چوکی کے لیئے تجویز
کر رہے تھے کہ وزیریوں نے اس جماعت پر حملہ کرکے کئی افسر مار ڈالے۔ اور اگر
کمک وقت پر نہ جا پہونچتی تو ساری جماعت ماری جاتی یا گرفتار ہو جاتی۔
اس واقعہ کو سرحدی شورش کے ایک لمبے چوڑے سلسلۂ واقعات کی ابتدا
سمجھنا چاہیئے۔ ۱۷ جون کو گورمنٹ ہند نے ان لوگوں کی دغابازی اور شورش
کی سزا دینے کے لیئے ایک مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وادی توچی کے
واقعہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام سرحد پر پھیل گئی اور ۲۶ جولائی کو وادی
سوات میں جہاں کی قومیں دوست سمجھی جاتی تھیں فساد کھڑا ہوگیا
ایک لیوانہ ملا نے سواتیوں میں جہاد کا وعظ کہنا شروع کیا۔ ہزارہا پیر و
جوان اوستہ تے اسکے جھنڈے کے گرد جمع ہوگئے۔ اور ان لوگوں نے قلعہ ملاکنڈ
پر حملہ کرکے بازار کو لوٹ لیا۔ اور اس سے آگے قلعہ چکدرہ کا بھی محاصرہ کرلیا۔

وادی توچی کا فساد

سوات میں بھی فساد پھیل گیا

قلعہ مالاکنڈ سے یہ لوگ پسپا کیئے گئے۔ مگر دوسرے روز تمام وادی فساد پر آمادہ
پائی گئی۔ تعزیری مہم جو وزیریوں کے خلاف بھیجی گئی تھی وہ اس اثناء میں لوی
میز کے دیہات تباہ کر رہی تھی۔ مردان سے فوراً کمک مالاکنڈ کو بھیجی گئی اور جنرل
سر بنڈن بلڈ تمام فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ مالاکنڈ سے دشمن کو بھگا کر ۲ اگست
کو چکدرہ کو محاصرہ سے چھوڑایا گیا۔ اور قوموں کے بہت سے آدمی مارے گئے ابھی
یہ فساد فرو بھی نہ ہوا تھا کہ ایک شخص ملا ہڈا نے جسکا افغانستان اور سرحدی
قوموں میں بہت رسوخ اور اعتبار تھا مہمندوں اور دوسری قوموں کی ایک
بڑی فوج تیار کرکے دریائے کابل کے شمالی کنارہ پر جمع کی۔ کہا جاتا ہے کہ انمیں سے
بہت لوگ امیر صاحب کی رعایا تھے۔ اور ۸ اگست کو قلعہ شبقدر (شنکر گڈھ) پر جو
پشاور سے صرف دس میل کے فاصلہ پر ہے حملہ کر دیا۔ لیکن نقصان اوٹھا کر

ملا ہڈا کا حملہ

پسپا ہوئے۔ اس وقت یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا۔ کہ اگر امیر صاحب قوموں کو
اس فساد کے لیئے مدد نہیں دیتے تو اغماض تو ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ
ہند نے اس بارہ میں امیر صاحب کا جواب طلب کیا۔ اور امیر صاحب نے بتلایا کہ یہ خطرہ
بالکل بے بنیاد ہے۔ جو کچھ اخبارات سے معلوم ہو سکتا تھا اس سے پتہ ملتا تھا کہ
امیر صاحب کے ان فسادوں سے بے تعلق ہونیکا اس وقت کسیکو یقین نہیں
آیا تھا۔ لیکن اس سے بعد کے زمانہ میں جبکہ آفریدیوں اور اورکزیوں کا ایک
ڈیپوٹیشن انکی خدمت میں استمداد کے لیئے گیا تھا تو جو جواب امیر صاحب نے اس
ڈیپوٹیشن کو دیا تھا اور جو آگے چلکر درج کیا جاتا ہے۔ اسنے امیر صاحب
کی صداقت کا یقین دلا دیا تھا۔

بسر کردگی سر بنڈن بلڈ کے ایک زبردست فوج نے وادی فراز سوات
میں بڑھکر تہانہ کے قریب لنڈ کمی میں ۱۷ اگست کو دشمن کی جمعیت کو پریشان کیا

اور اسکے بعد اس وادی میں قوموں نے اطاعت منظور کر لی۔ لیکن ساتھ ہی اسکے ایک سب سے بڑی قوم نے سر اوٹھایا۔ یہہ آفریدی تھے جو دریائے کابل کے جنوبی کوہستانی علاقہ میں دور تک آباد چلے گئے ہیں۔ اور ۱۸۸۲ء سے گورنمنٹ انگریزی نے انکو درہ خیبر کی حفاظت سپرد کی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی قوم اورکزئی کیطرف سے بھی خطرہ کے آثار نمودار ہوئے جو کوہاٹ کی شمال اور خیبر کے جنوب کی پہاڑیوں میں آباد ہیں۔ آفریدیوں نے حملہ کر کے قلعہ علی مسجد سے ۲۴۔ اگست کو اسپورین کو جو خیبر رائیفلز کے آدمیوں کو جو آفریدیوں میں سے بھرتی کیئے ہوئے تھے نکالدیا۔ اور ۲۳۔ اگست کو قلعہ ماڑ پر قبضہ کر کے درہ خیبر کو بالکل بند کر دیا۔ اور ۲۴۔ اگست کو لنڈی کوتل پر حملہ کر کے اسپر بھی قبضہ کر لیا اور پھر یہہ لوگ کچھہ عرصہ کیلیئے منتشر ہو گئے۔ اب اورکزیوں نے فوراً کوہاٹ کے پاس شور برپا کر کے محمد زئی اور سلسلہ کوہ سامانہ کے دوسرے قلعوں پر ۲۷۔ اگست کو حملہ کیا۔ اس وقت تمام سرحدی قومیں آمادہ فساد نظر آنے لگیں چنانچہ گورنمنٹ انگریزی نے جنرل سر ولیم لاکہارٹ ایسے تجربہ کار اور بہادر افسر کو جو عنقریب افواج ہندوستان کے کمانڈر انچیف ہونے والے تھے یہہ عظیم الشان کام سپرد کیا۔ اور بہت بڑی فوج کہ جسکا اندازہ ساٹھہ ہزار کے قریب کیا گیا ہے سرحد پر جمع کیگئی تاکہ اگر امیر صاحب بھی اس موقع پر نادوستانہ رویہ اختیار کریں تو پھر زیادہ فوج نہ جمع کرنی پڑے۔ غرض سر ولیم لاکہارٹ کو حکم دیا گیا کہ پہلے مہمند وں پر اور پھر آفریدیوں اور اورکزیوں پر فوجکشی کریں۔ اور گورنمنٹ نے ۹ ستمبر کو اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ کہ اسکا ارادہ مستقل طور پر انکے ملک پر قبضہ کرنے یا قوموں کی آزادی میں دخل دینے کا نہیں ہے بلکہ ملا ہڈا اور اسکے ساتھیوں کو سزا دینا منظور ہے۔ آفریدیوں اورکزیوں کے

آفریدیوں اور اورکزئیوں کا بگڑنا

گورنمنٹ نے عالیشان مہم بھیجی

ساتھ کوہ سامانہ پر قلعہ گلستان اور دوسرے قلعوں کے حملہ اور محاصرہ کرنے میں شریک ہوگئے اور قلعہ سارا گڑھی پر تمام محصورین کو کہ جنہوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا قتل کرکے قابض ہوگئے لیکن ۱۴ ستمبر کو انگریزی فوج نے سخت نقصان کے ساتھ انہیں بھگا دیا۔ ہڈا ملاں اور صوفی ملا کہ جنہوں نے علاقہ مہمند میں فوجیں فراہم کی تھیں ۲۴ ستمبر کو شکست فاش کھا کر بھاگ گئے۔ اور بہت سے برج اور قلعے گرانے کے بعد ۴ اکتوبر کو ۳ ہفتہ کے بعد مہم مہمند کا خاتمہ ہوگیا۔ تہ ایک دوسری قوم ہے اور اسنے بھی بہت تکلیف دی تھی۔ لیکن آخرکار اسے بھی خاموش کیا گیا اور اب تیراہ میں بھیجنے کے لئے جو آفریدیوں کا اصل ملک ہے ایک بڑی مہم تیار کیگئی کہ جسکی پہلی لڑائی ۱۸ اکتوبر کو درگئی پہاڑی پر لڑی گئی۔ پہلے روز تو دشمن سے پہاڑی آسانی سے خالی کرالی گئی۔ لیکن دوسرے روز انگریزی فوج کا بڑا نقصان ہوا۔ پھر ۲۹ اکتوبر کو درہ سمپانگا اور ۳۱ کو درہ ارہنگا سے انگریزی فوج بلا کسی سخت مزاحمت کے گذر گئی۔ اور آخرکار وادی میدان میں کہ جہاں پہلے کبھی انگریزی فوج نہیں پہونچی تھی سر ولیم لاکھارٹ کی مہم پہنچ گئی اس وقت آفریدیوں کو سوجھا کہ انگریزی فوج سے مقابلہ کرنے کے وہ قابل نہیں لیکن جب کبھی انگریزی فوج کی کوئی جمعیت چارہ اور سامان رسد جمع کرنے کے لئے آفریدیوں کے دیہات کو جاتی تو اسکے شام کو واپس لوٹنے کیوقت آفریدی تیار ہوکر اسکے عقب اور یمین و یسار پر حملہ کرتے۔ اور اس طرح ان لوگوں نے بہت کچھ نقصان جان و مال انگریزی فوج کو پہنچایا۔ اور اسکے سوا راتوں کو بھی وہ لوگ انگریزی کیمپ میں گولیاں مارتے رہے۔ اس اثنا میں برف سخت پڑنے لگی اور انگریزی فوج کو واپس لوٹنے کی ضرورت معلوم ہوتی تھی۔ اور جلدی میں لوٹ کر آفریدیوں کو بڑا ایذا [illegible] تباہ کئے گئے۔ [illegible] کا جیل اور [illegible] کا جیل وغیرہ آفریدی قوموں کے اور سب

مہم مہمند کا خاتمہ

مہم تیراہ

تیراہ سے فوج کی واپسی

قوموں نے منظور کیں۔ وہاں سے فوج نے باڑہ وادی کیطرف کوچ کیا جو پشاور سے قریب ہے اور یہاں کسیقدر کم جمعیت کے ساتھ قوموں کی گوشمالی شروع کی۔

آفریدیوں کے ملک سے انگریزی افواج کے اس طرح بلا تصفیہ معاملات کے واپس آجانے پر لڑائی کے اسقدر طول کھینچنے پر اور انگریزی فوج کا اتنا بھاری نقصان ہونے [۵] پر انگلستان کے پولیٹیکل فرقوں میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ یہ سرحدی لڑائی ہی بلا ضرورت تھی۔ فرقہ لبرل کے ارکان اور اسکے اخبارات فریق کنسرویٹو کو الزام دینے لگے کہ تمام سرحد کے مشتعل ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی نے چترال پر مہم بھیجنے کیوقت سواتیوں سے وعدہ کیا تھا کہ اسکا منشا صرف عمرا خاں کو سزا دینے کا ہے اور انکے ملک پر قبضہ کرنیکا نہیں۔ لیکن آخرکار گورنمنٹ نے چترال پر خلاف اپنے معاہدہ کے قبضہ کر لیا اور آزاد علاقہ میں چترال کی سڑک کھلی رکھنے کے لیئے قلعے قائم کیئے۔ اس سے قوموں کو گورنمنٹ کی عہد و پیمان پر اعتبار نہیں رہا۔ اور سب قوموں نے اتفاق کر کے سرکار انگریزی سے مقابلہ کرنیکا عہد و پیمان کر لیا چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وجہ غلط نہیں کیونکہ آفریدیوں اور اورکزئیوں نے بھی جو درخواست امداد امیر صاحب کیخدمت میں بھیجی تھی اسمیں بھی انہوں نے اپنے جہاد پر آمادہ ہونیکا یہی سبب بتلایا تھا۔ اور امیر صاحب نے اسکی تردید کی تھی کہ سرکار کا تمہارے ملک پر قبضہ کرنیکا ارادہ نہیں۔ بلکہ صرف روس کے آنے کی روک تھام کے لیئے سرکار انگریزی نے

سرحدی فسادوں کا باعث

[۵] سرحدی جنگوں میں انگریزی فوج کا کل نقصان سرکاری اندازہ کے مطابق ۱۰ جون ۱۸۹۷ء یعنی داوری ٹوچی کے واقعہ سے لیکر ۶ فروری ۱۸۹۸ء تک یعنی شنکیاری کے حادثہ تک حسب ذیل ہوا ہے۔

۳۴ انگریز افسر ہلاک اور ۹۰ مجروح ہوئے ۲۰ انگریز نان کمشنڈ افسر اور سپاہی ہلاک اور ۱۵۰ مجروح ہوئے ۲۶ دیسی افسر ہلاک اور ۴۳ مجروح ہوئے ۵۰۳ دیسی نان کمشنڈ افسر اور سپاہی ہلاک اور ۱۴۰۰ مجروح ہوئے۔ کل ۶۰۴ ہلاک اور ۱۶۲۲ مجروح ہوئے۔ ۱۶ گورے اور ۹ دیسی سپاہی گم ہیں۔ شاگرد پیشہ لوگوں کے نقصان کی تفصیل معلوم ہونی دشوار ہے۔

چترال پر قبضہ کیا ہے بلکہ چترال کے ایک حصہ اراضی کا محصول تھا یا معاف کیا
ہے۔ اسکے بجائے ایک اور وجہ سواتیوں اور دوسری قوموں کی ناراضگی کی یہ
معلوم ہوئی ہے کہ جب وہ اخون صاحب کی مرقد کی زیارت کے لیئے کہ جسکے وہ بیحد
معتقد ہیں جاتے تھے تو راستہ میں سرکاری اثر اس علاقہ میں بڑہ جانے کی وجہ سے
انہیں تکلیف ہوتی تھی۔ پھر ان لوگوں نے شکایت کی ہے کہ نمک کی کان پر سرکاری
قبضہ ہو جانے سے نمک بہت گراں ہو گیا ہے۔ اور جو عورتیں ان لوگوں کی انگریزی
علاقہ میں بھاگ جاتی ہیں وہ واپس نہیں دیجاتیں۔ یہ چند وجوہات انکی ناراضگی
کے ہیں۔

انگلستان کا لبرل فریق اور ہندوستانیوں کا تعلیم یافتہ گروہ اعتراض کرتا ہے
کہ ہندوستان کی ان قدرتی حدود سے سرکار کو آگے ہی نہیں بڑہنا چاہیئے کہ
جنکو انگلستان کے ایک نہایت قابل وزیر اعظم لارڈ بیکنسفیلڈ نے ہندوستان کی
علمی سرحد لکھا ہے۔ کیونکہ واقعی یہہ سلسلہ کوہستان ہندوستان کی قدرتی سرحد اور
بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں ایک مضبوط دیوار ہے۔ لارڈ جارج ہملٹن بہادر نے
جو آجکل وزیر ہند ہیں اپنی تقریر میں بیان کیا کہ ایسی پیشقدمی کی ہندوستان کی حفاظت
کے لیئے سخت ضرورت تھی کیونکہ سلطنت روس کا علاقہ بہت قریب آگیا ہے۔ اور اگر
ہم آگے نہ بڑہے تو وہ بڑہ آئیگا۔ اسلیئے ضروری ہے کہ ہم علاقہ تیراہ کے راستے
کھلے رکھیں اور انکی حفاظت کے لیئے قلعے بنائیں۔ اور کسی طرح ہمیں آفریدیوں کی
آزادی میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن سب سے آخر جو ۹ فروری ۱۸۹۸ء کو
حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت تخت سے تقریر فرمائی ہے
اسمیں فرمایا ہے کہ سرحدی قوموں سے سلوک اور ملائمت کا برتاؤ کیا جاویگا۔
اور امید ہے کہ درہ خیبر کی حفاظت پھر آفریدیوں ہی کے سپرد کیجاوے گی جیسا کہ

سرحد کی آئندہ پالیسی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا مختلف مدبر مختلف رائیں دیتے تھے۔ یہانتک کہ بعض گرمجوش انگریز تیراہ پر قبضہ کرنے اور تمام سرحدی قوموں سے ہتھیار چھین لینے کی صلاح ہی نہیں دیتے تھے۔ بلکہ انکی رائے میں انگریزی قبضہ کو ہندوکش تک بڑھانے کا یہ پہلا قدم تھا اور انکے رکھنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ بلکہ آخرکار تخت شاہی کی تقریر نے ان سب تجاویز کا فیصلہ کردیا۔

چونکہ آئندہ کی نسبت کارروائی کا ابتک فیصلہ نہیں ہوا تھا جنرل لوکہارٹ حضور وائسرائے سے گفتگو کرنے اور آئندہ کی کارروائی کے متعلق احکام لانے کے لیے شملہ گئے ہوئے تھے کہ انکے پیچھے شن کمار کی چراگاہ پر کہ جہاں آفریدیوں کے مویشی چرا کرتے ہیں انگریزی فوج نے فوراً ہی کو حملہ کیا۔ اور چونکہ آفریدی یہانکی کہوؤں اور پہاڑیوں سے خوب واقف تھے۔ انگریزی فوج کا سخت نقصان ہوا گو تیسرے روز زیادہ جمعیت کے ساتھ انگریزی فوج کا انتقام لیا گیا۔ اس اثنا میں جنرل لوکہارٹ صاحب حضور وائسرائے سے ملاقات کرکے سرحد پر پہونچگئے۔ بعض لوگوں کو گمان تھا کہ اب سختی کے ساتھ آفریدیوں کی سرکوبی کیجاویگی اور جبتک وہ بمنت صلح کی التجا نہ کرینگے انہیں امان نہیں دیجاویگی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان میں ملائمت کی تدبیر کو پسند کیا گیا تھا۔ اسلیے جنرل صاحب نے آفریدیوں کو آخری اطلاع دیدی کہ اگر آخر رمضان (۲۳ فروری ۱۸۹۸ء) تک تم لوگوں نے شرائط صلح نہ قبول کیں تو پھر تم سے جنگ کیجاویگی۔

سرحدی قوموں کے فساد اور بغاوت اور انگریزی علاقہ پر حملے کرنا اور سرحدی مہموں کی تو یہ کیفیت ہیجو اختصار کے ساتھ اوپر بیان ہوچکی ہے۔ لیکن اسکے اس کتاب میں شروع کرنیکی ضرورت صرف اسلیے پڑی کہ بعض لوگوں نے امیر عبدالرحمن خان کو اس عام شورش کا تحریک کرنیوالا یا اس سے اغماض کرنیوالا قرار دیا۔ لیکن یہ بات

بالکل غلط تھی اور امیر صاحب نے جو جواب اِن قوموں کو دیا ہے اُسمیں بھی اُنہوں نے
لکھا ہے کہ اگر کبھی جہاد کی ضرورت پڑی تو معلوم نہیں تم لوگ کہاں ہونگے۔ بلکہ
میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں جو تمہاری خاطر سرکار انگریزی سے بگاڑ لوں تم
لوگ تو ہمیں بیچ آگ لگا کر الگ ہو جاؤ گے۔ بادی النظر میں بھی یہ بات صحیح نہیں معلوم
ہوتی کہ امیر صاحب کی تحریک سے تمام سرحدی قومیں اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنے پر
آمادہ ہو جاویں۔ امیر شیر علیخان نے سرکار انگریزی سے بگاڑ کیا تھا تو اس
وقت اُسنے سرحدی قوموں کے پاس ملا مذہبی جنگ کا وعظ کرنے کے لیئے معہ روپیہ اور
سامان جنگ کے بھیجے تھے مگر قوموں نے سرکار انگریزی سے لڑنا نامنظور کیا تھا۔
تو اب جبتک کہ خود انہیں کوئی تکلیف نہ پہونچی ہو وہ کبھی سرکار کا مقابلہ کرنے
کے لیئے نہیں اُٹھ سکتی تھیں۔ اور نہ آپسمیں اتفاق کر سکتی تھیں۔ کیونکہ ان قوموں
کا آپسمیں اتفاق کر کے کارروائی کرنا ایک بالکل نرالی بات ہے۔

اگر امیر صاحب نے اِن قوموں کو جنگ کی ترغیب دی ہوتی تو جب آفریدیوں
اور اورکزیوں کے سرکردہ لوگ امیر صاحب سے مدد مانگنے کے لیئے کابل کو گئے تھے
امیر صاحب انھیں کبھی ایسا روکھا پھیکا جواب نہ دیتے جیسا کہ اُنہوں نے دیا۔ وہ
جواب اِس قابل ہے کہ اسکو بجنسہ ذیل میں درج کر دیا جاوے۔

امیر صاحب کا اعلان آفریدی اور اورکزئی ڈیپوٹیشن کو

امیر صاحب نے اپنی شہر کی کوتوالی میں ایک اعلان اور اُس چٹھی کی ایک
نقل چسپاں کرائی ہے جو آفریدیوں کی درخواستوں کے جواب میں بھیجی گئی ہے
اُسمیں ہز ہائینس لکھتے ہیں۔

"تیراہ کے آفریدیوں نے اپنے ۱۸ آدمی جنمیں برگزیدہ ملا۔ ملک۔ علما۔ اور
بزرگ شامل ہیں میری طرف روانہ کیئے ہیں۔ اور ہر ایک فرقہ نے علیحدہ علیحدہ
چٹھیاں جنمیں مجھسے امداد چاہی ہے۔ یہ لوگ میرے حکم سے جلال آباد میں روکے گئے تھے

اور صرف اُنکی درخواستیں میرے پاس آئی تھیں۔ مینے اُنکی دستے انکار کردیا ہے
اور نہ اُنکی درخواستوں کا جواب لکھکر جلال آباد بھیجا ہے تاکہ وہ بیکار واپس چلے جائیں
اُنکی چٹھیوں کا مطلب یہہ تھا:۔

"برٹش گورنمنٹ مدت مدید سے تدریج ہمارے مُلک میں مداخلت کرتی چلی آرہی ہے
جس سے مُلک افغانستان بھی نہیں بچا۔ اور اپنے مختلف مقامات میں قلعے تعمیر کرلیئے ہیں ہم
گورنمنٹ افغانستان سے اُنکی بارہا شکایت کرچکے ہیں مگر امیر صاحب نے مطلق توجہ نہیں
فرمائی۔ لھذا ہمنے اپنی بے مدد حالت میں اسلام کی خاطر اور اپنے مذہب میں ثابت قدم
ہوکر گورنمنٹ کے مقابلہ پر جہاد کا دروازہ وا کردیا ہے۔ اور گورنمنٹ انگریزی سے تمام
ہر طرح سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ ہمنے اُسکے پانچ قلعے ہنگو کے اوپر کوہ سمانا میں اور ایک
سلسلہ سامانہ کی ذیل میں اور ایک درہ ابلان میں اور ایک تھانہ تورا اوری
میں۔ ایک کا ہی میں۔ ایک تھانہ گھاوچنا میں۔ ایک تھانہ شمس الدین میں۔ ایک
تھانہ چار دیہہ میں۔ ایک تھانہ خناک کے پاس قلعہ کار میں ایک تھانہ نیماک میں۔ ایک تھانہ
نرائی آب میں۔ اور سہند و بازار نرائی آب کو تباہ و برباد کرکے لوٹ لیا ہے۔ ابتک
بڑے قلعے پہاڑ مند کوسکی چوٹی پر اپنے باقی رہگئے ہیں۔ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہم جلا کر
خاک سیاہ کرینگے۔ تیراہ کے تمام لوگوں نے پہاڑ پر ڈیرہ جما لیا ہے۔ اور اسکے ذیل
میں کوہاٹ سے لیکر اوکرمان تک جو ضلع کُرم میں واقع ہے اور وہاں اور رکنیوں
کی سرحد ہے۔ تمام فرقے اپنے اپنے علاقوں میں جہاد کر رہے ہیں۔ ہم کبھی برٹش
گورنمنٹ کی بیعت نہیں کرینگے اور نہ اُسکی رعایا ہو کر رہینگے۔ اور نہ اپنے مُلک کی
عنان حکومت اُسکو ہاتھوں میں لینے دینگے۔ برعکس اسکے ہم شاہ اسلام کی حکومت
کے زیر نگیں رہنا چاہتے ہیں۔ اسیلئے اسلامیہ حکومت کو لازم ہے کہ صرف ہماری مفاد
کو ہی نہ دیکھیئے اور نہ ہماری حالت پر ہی غور کرے۔ بلکہ کل افغانستان کے بہبود

کتنے سرکاری قلعے سرحدی قوموں نے لے لیئے تھے

وسوسہ کو سوچے - لھذا ہم اپنے یہہ ۸ ملاک علما اور بزرگ یور ہائینس کی خدمت میں بھیجتے ہیں
اب ہم سلسلہ سامانہ پر جہاد میں مشغول ہیں - اور ہم امید کرتے ہیں کہ شاہ اسلام
ہماری امداد کے واسطے جو کچھ مناسب سمجھیں گے ضرور کرینگے - اور ہم بعونہ تعالی
آپکی ہدایت سے سر مو تجاوز نہیں کرینگے - کیونکہ ہم اپنے تمام معاملات اور انتظام ہر طرح
سے آپکے ہاتھوں میں دیتے ہیں - ہمنے اپنے فرقوں کو آپکی خدمت کے واسطے آمادہ کر لیا
ہے - اب یور ہائینس کو دلی مراد حاصل کرنیکا موقعہ ہے - کیونکہ اس وقت تمام مسلمان
باقاعدہ افواج - توپخانہ اور نقدی کی صورت میں آپکے اقتدار میں ہیں - اگر گورنمنٹ
انگلشیہ مظفر و منصور ہوئی تو وہ مسلمانوں کو تباہ کر دیگی - پس آپ اپنی اس طرف کی خدمت
ہماری سپرد کریں - ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہماری درخواست ملاحظہ فرما کر ہمیں جواب سے
سرفراز فرمائیں گے - مورخہ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ"

اسکے جواب میں امیر صاحب نے انہیں لکھا ہے -

"مینے تمہاری تمام درخواستوں کو دیکھا ہے - اور ان سب کا ایک ہی مدعا ہے اور
اب میں بجواب اسکے آپ لوگوں کو لکھتا ہوں کہ مجھے کابل میں آئے ہوئے ۱۸ سال گذرے
ہیں اور تم خود جانتے ہو کہ میں ایکدفعہ خیبر کی راہ سے ہی راولپنڈی گیا تھا - میں برٹش
گورنمنٹ کے ساتھ اپنے اتحاد کے خیال سے انکے ملک میں بطور انکے مہمان کے گیا تھا اور
مینے رستہ میں تمہارے کئی فرقہ والے اس سڑک کی دونوں طرف دیکھے تھے جنہوں نے مجھے سلام کیا تھا
اب آپ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہہ صحیح ہے تو کیوں اس وقت مجھے نہیں کہا تھا تا کہ
میں اس وقت ہز اکسیلنسی وایسرائے کے ساتھ اس بارہ میں فیصلہ کرتا ؟ اسکے چند سال بعد
جب سرحد قایم ہو رہی تھی اور سر مارٹیمر ڈیورینڈ خیبر کے راستہ سے گذر کر کابل آئے
تھے یہہ حال تمام فرقوں کو معلوم تھا - انہوں نے سفارت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا
تب کیوں آپکے ملا ملک اور علما میرے پاس آئے جب سر مارٹیمر ڈیورینڈ سرحد کا فیصلہ

کرنے کے واسطے باختیار ہو کر آئے تھے۔ تاکہ میں اس امر پر بھی بحث کرنے کے قابل ہوتا۔ اس وقت تم سب خاموش رہے۔ اور اب میں نہیں جانتا کہ کیوں انگریزوں اور تمہارے درمیان تخالف پیدا ہو گیا ہے۔ اور ایسی حالت میں تم مجھے اطلاع دیتے ہو جبکہ تم نے انکے ساتھ لڑائی کرکے انکو ناراض کر دیا ہے۔

امیر صاحب کا بجواب انگریزی عہد شکنی

معاملات ملک کی نسبت میرا برٹش گورنمنٹ کی ساتھ عہدنامہ ہو چکا ہے اور اس وقت تک انہوں نے باوجود عیسائی ہونے کے عہد کی خلاف ورزی نہیں کی تب ہم کسطرح عہدنامہ کو توڑ سکتے ہیں؟ آپ کلام مجید کی آیتہ "اوفو بعھدی اوف بعھدکم" کی نسبت کیا کہتے ہو۔ جسکا منشاء یہ ہے کہ اپنا عہد پورا کرو۔ اور قول کا پختہ ہونا مسلمان کا پہلا فرض ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جب پہلا اقرار لیا تو اپنی تمام مخلوقات سے دریافت کیا کہ تمہارا خدا کون ہے۔ سب نے جواب دیا کہ "آپ ہی بیشک ہمارے خدا اور ہمارے خالق ہیں"۔ اسلیئے قیامت کے دن سب سے پہلا سوال قول و اقرار کے پورا کرنے کی نسبت ہوگا۔ اور یہی دینداروں اور بے ایمانوں کی شناخت کا معیار ہوگا۔ اس طرح آپ متیقن ہو جائیں گے کہ عہدنامہ کا معاملہ بہت ضروری ہے میں کبھی بلا وجہ اور موقعہ اقرارنامہ سے انحراف نہیں کرونگا۔ کیونکہ انگریز ابتک اس سرحدی لین سے منحرف نہیں ہوئے۔ جو انہوں نے میرے ساتھ قایم کی ہوئی ہے۔ تب میں کیوں اسکے برخلاف ہوں؟ انحراف کرنا سراسر خلاف انصاف ہے۔ میں چند خودغرض اشخاص کے کہنے سے اپنے اور اپنے لوگوں کے نام کو بٹہ نہیں لگا سکتا۔

"جو کچھ تمنے اپنے اعمال سے کیا ہے اسکا خمیازہ اپنی گردن پر اٹھاؤ۔ مجھے تمہارے ساتھ مطلق سروکار نہیں۔ تم اپنے معاملات کو خود اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ اس وقت جبکہ تم معاملہ کو بگاڑ چکے ہو مجھ سے مدد مانگتے ہو۔ تمنے وہ وقت فضول گذار دیا ہے جبکہ معاملہ رفع ہو سکتا تھا۔ اب میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔ تمنے میرے پاس جو

ملک نہیں بھیجے تھے میں نے انکو واپس کر دیا ہے۔ میں نے ہر ایک کو ایک لنگی اور دس (۱۰) روپیہ نقد بطور زاد راہ کے دیئے ہیں۔ اور انکو کابل آنے کی تکلیف نہیں دی۔

امیر صاحب نے مشرقی افغانستان اور افغانوں کی تنبیہ کے واسطے یہ اعلان جاری کیا ہے:-

"یہ اعلان امیر ضیاء الملت و الدین کی طرف سے ہے"

"افغانستان کے علماء و فضلائے کرام جو میرے ملک یا اقطاع کوہ و جبال میں رہتے ہیں واضح ہو کہ مجھے تمہارے حالات تمہاری درخواستوں اور اپنے مخبروں کی زبانی معلوم ہوتے ہیں اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ تم اپنے گھروں اور مجلسوں میں بیٹھکر کہتے ہو کہ میں نے تمکو برٹش گورنمنٹ کے ہاتھوں میں زر نقد کے واسطے فروخت کر دیا ہے۔

اندنوں جبکہ تمہاری اور برٹش گورنمنٹ کے مابین لڑائی چھڑ گئی ہے میں آرام و آسائش سے بیٹھا ہوں۔ ان حالات میں میں قرین مصلحت سمجھتا ہوں کہ تم سے تمام واقعات بوضاحت بیان کروں اور تمہارے تذکروں کے بخیے ادھیڑوں۔"

اسکے بعد امیر صاحب امیر شیر علی خاں کے عہد میں برٹش گورنمنٹ کی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ
شیر علی جاہل تھا۔ اور اسکا بیٹا یعقوب خاں اس وصف میں اسکا وارث تھا۔ اول الذکر نے تو روس کے ساتھ سازش شروع کر دی۔ اور موخر الذکر نے افغان ملک۔ افغان فرقوں میں میجر کوگنری کی حفاظت کا ذمہ اوٹھایا۔ انگریزوں کو اندنوں افغانستان کے الحاق کی کوئی آرزو نہیں تھی وہ صرف میجر کوگنری کی ہلاکت کا انتقام لیا چاہتے تھے اور یعقوب خاں کی جانشینی کا انتظام کرنیکے خواہشمند تھے۔ میں نے اپنا پورا اطمینان کر دیا۔ انکی دلی منشا صرف یہی تھی کہ وہ افغانستان کو دشمن کے حملے سے بچائیں۔ [illegible] سے اٹھالے گئے۔

اسکے بعد قوموں کیطرف توجہ رجوع کر کے بتایا گیا ہے کہ [illegible] اسطرح برٹش گورنمنٹ

کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں میں پہنا اور اُس سے وظیفہ لینے کا بندوبست کیا اور
باایں ہمہ اب ایک فقیر کی انگیخت پر جسکے آباؤ اجداد کا حال شاہ اسلام کو مطلق معلوم
نہیں ہے۔ بے سوچے سمجھے کھلبلی اور بغاوت مچانے کے درپے ہو گئے ہیں اور چونکہ
اُنہوں نے اس حرکت کے مرتکب ہونے سے پہلے اُنکے ساتھ کوئی مشورہ نہیں کیا۔ لہذا
اب اُنکا امیر صاحب کو مطعون کرنا کسی صورت سے جائز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ کئی بار
برٹش گورنمنٹ کو بتا چکے ہیں کہ ہم امیر سے بالکل خود مختار ہیں۔ اور انمیں سے
بجائے خود ہر ایک شخص بادشاہ ہے پس اس حال میں وہ اپنا قضیہ آپ ہی
نمٹلیں۔

اسکے بعد امیر صاحب لکھتے ہیں :-

"کیوں تم اس شورش کو جہاد یا مذہبی جنگ کہتے ہو؟ جہاد کا وقت آئیگا اور جب
یہ آئیگا اُس وقت تمکو خود ہی اطلاع ملجائیگی۔ اگر تمنے اُس موقعہ پر داد مردانگی دی
تب میں تمکو مذہبی پیشوا کہونگا۔ لیکن جہاد کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ شاہ اسلام کے
ساتھ ملکر کارروائی کیجائے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ شاہ کو تو انگریزوں کے ساتھ
اتحاد ہے اور تم جہاد جہاد رٹتے ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم آپ ہی خود مختار
بادشاہ ہو۔ اور تمکو اپنے اوپر کسی بادشاہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۰۰ سال گذرے
ہیں کہ ایک دفعہ فرانس میں بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔ اور لوگوں نے بادشاہ کے
مقابلہ پر باغی ہو کر اُسکو تخت سے اُتار کر لنڈن بھیجدیا۔ جہاں وہ بیوقت تنہا
مر گیا۔ میں کبھی تمہارے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دونگا۔ اور نہ تمکو اپنا مذہب پورا
کرنے سے روکونگا۔ بشرطیکہ یہ اصول مذہب کے مطابق ہو۔ لیکن موجودہ شورش کو
مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تمام مسلمان خصوصاً اور بہت فرقے انگریزوں کا
ساتھ دے رہے ہیں جب تمہارے ہی لوگ اُنکا ساتھ دیتے ہیں تو میں کسطرح تمہیں

یہ شورش امیر صاحب کے نزدیک جہاد نہیں تھی

ہو سکتا ہوں"؟ اور چونکہ فوراً ہی اس شورش کی وجہ چترال پر سوات پر برٹش قبضہ ہونا بتائی ہے۔ لہذا امیر صاحب اسکے جواب میں کہتے ہیں:۔

"میں تمکو بتاتا ہوں کہ چترال کا قبضہ لینے سے گورنمنٹ کا ہرگز یہ مدعا نہیں ہے کہ لگان اراضی یا ٹکس مشخص کیا جائے۔ اسکی خواہش صرف یہ ہے کہ اس ملک کی آبادی بڑہائی جائے اور روس کے آیندہ حملوں سے بچنے کے واسطے سرحد کو مستحکم کیا جائے چنانچہ اُسنے سوات کے اُن بہادروں کا مالیہ معاف کر دیا ہے جو واقعی گورنمنٹ مذکور کے قبضہ میں آ چکے ہیں"۔

اخیر میں ہز ہائینس لکہتے ہیں کہ:۔

"الغرض مجھے تمہارے ہندووں سے کوئی تعلق نہیں اور نہ مجھے تمسے کوئی سروکار ہے۔ کیونکہ مجھے تم پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور تم کبھی یہ خیال اپنے دلوں میں نہ لاؤ کہ میں شیر علی کیطرح ایسا احمق ہوں کہ تمہاری خاطر دوسروں کو ناراض کرتا پہرونگا۔ اور اگر میں یہ حماقت کر بیٹھوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم ہمیں پیچھے آگ لگا کر الگ ہو جاؤ گے"۔

غرض امیر عبدالرحمن خاں صاحب سرکار انگریزی کی دوستی پر مضبوطی سے قائم ہیں اور اس دوستی کی قدر بخوبی جانتے ہیں۔

امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی کا اعلے مقصد یہ ہے کہ اپنے جیتے جی افغانستان ایک نہایت مضبوط اور ایسی خود مختار سلطنت ہو جاوے کہ جسمیں ہر وقت روس اور انگلستان کی ہمسائگت میں اپنی سلامتی کا خطرہ نہ رہے اور اس کام کی تکمیل کے لئے وہ غیر معمولی تدبیر اور دانشمندی سے اپنے ملک کے اندرونی اور بیرونی وسائل کو مستعدی کے ساتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ انگلستان کیطرف سے انہیں مداخلت کا کم اندیشہ ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انگلستان افغانستان پر اپنا قبضہ نہ رکھ سکنے کی کمزوری سے بخوبی

امیر صاحب کی زندگی کا اصل مقصد

واقف ہو۔ اور جو وہ تجربہ ہے وہ اس بارہ میں کر چکا ہے اپنے فیصلہ پر اعتماد نہ کریگا۔
لیکن روس کی طرف سے ابھی نہیں تو ذرا اندیشہ ضرور ہے۔ جبتک کہ روس کو ملک گیری کی ہوس ہے
خصوصاً ہندوستان پر قبضہ کرنیکا شوق ہے۔ لارڈ چلمسفورڈ نے ایشیاٹک کوارٹرلی
ریویو میں ۱۸۹۳ء کے درمیان ایک مضمون میں جہاں انگریزوں کو صلاح دی تھی کہ آیندہ

انگلستان اور افغانستان کی روس کی نسبت آرا

افغانستان پر حملہ کرنیکا کبھی ارادہ نہ کرنا وہیں انہیں سمجھایا تھا کہ اگر روس نے افغانستان
پر قبضہ بھی کرلیا تو بھی ہماری سلطنت ہندوستان کو اس سے ہراساں نہیں ہونا چاہئیے
کیونکہ اگر قندھار اور غزنی پر روس قابض ہوگیا تو تب بھی دریائے سندھ سے تین سو
میل دور رہیگا۔ اور اگر کابل پر قبضہ کرلیا تو پشاور سے ۵۰ میل پرے ہوگا۔ بحالیکہ
دونوں کے درمیان سخت جنگجو سرحدی قوموں کی ایک خاصی باڑ ہوگی۔ افسوس ہے
کہ لارڈ چلمسفورڈ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جبکہ ہندوستان کی ہوس کے لئے روس
ہزارہا میل طے کرکے کابل تک آپہونچیگا تو آگے جو تین سو میل طے کرنے میں اُسے
کیا دقت رہیگی۔ بہرحال ہندوستان پر روس کے حملہ کا خطرہ مدت سے چلا آتا
ہے۔ اور انگریزی مدبر اسکی روک تھام کی تمام ممکن تدابیر عمل میں لا رہے ہیں
سرحدیں مضبوط کیجاتی ہیں۔ عہدنامے کئے جاتے ہیں اور امیر صاحب کابل کو خوش
رکھنے اور مضبوط بنانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ لیکن روس کے حملہ کا اندیشہ انگلستان
اور افغانستان کو برابر لگا ہوا ہے۔ سرلیپل گریفن نے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو میں
ایک مضمون میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ روس کم از کم موجودہ نسل
میں ایک لاکھ فوج سرحد افغانستان و ہندوستان پر نہیں لاسکتا اور اس سے کم فوج لانے
میں ہمیں اس سے کوئی اندیشہ نہیں۔ مگر روس نے باوجود ان تمام حسابات سے واقف
ہونے کے وہ سرحد افغانستان پر بڑھنے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہے
امیر عبدالرحمن خاں کے لئے ایسے زبردست دشمن سے اپنے ملک کو محفوظ کرنا بہا

اہم اور مشکل کام ہے اور وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ اس میں مصروف ہیں۔ کبھی کبھی
لوگ لکھ دیتے ہیں کہ امیر صاحب روس کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات قائم رکھتے ہیں
مگر پنجدہ وغیرہ کے معاملات پر نظر کر کے اس بات پر یقین نہیں ہو سکتا۔ حال میں
بعض حلقوں سے یہ بھی صلاح پیدا ہوئی ہے کہ دنیا کی تین مسلمان سلطنتیں یعنی ٹرکی
ایران اور افغانستان آپس میں اتحاد پیدا کریں۔ لیکن بادی النظر میں یہ بات
سہل الحصول نہیں نظر آتی۔ گو کہا جاتا ہے کہ کم از کم ٹرکی سے ایسا اتحاد
پیدا کرنے کے لیے امیر صاحب رضامند ہیں۔ اور شاہ مظفر الدین شہنشاہ ایران
نے بھی اس ارادہ کے متواتر ثبوت اپنی طرف سے دیئے ہیں۔

مسلمان سلطنتوں کا اتحاد

میں نے ان اوراق میں تمام ایسے واقعات جمع کر دینے کی کوشش کی ہے جو
نہایت معتبر زبانی وسائل یا یورپ اور ہندوستان کے اخبارات اور رسائل جات سے
مجھے ملے ہیں۔ اور گو ممکن ہے کہ انہیں سے بعض باتیں افراط و تفریط پر مبنی ہوں
لیکن میں نے جس نیک نیتی سے اور ناجانبداری سے زمانہ حال کے افغانستان
کے اس عظیم الشان امیر کے حالات جمع کیے ہیں۔ عیب پوش ناظرین سے امید ہے
کہ وہ بھی انہیں اسی روشنی میں پڑھیں گے۔

تمام شد

ریورینڈ لائن سے انکی سلطنت کے باہر ہو گیا ہے۔ اور قیاس کیا جاتا ہے کہ یہی حالت بعد وفات امیر صاحب کی قائم رہنی چاہیئے۔ تاہم انہوں نے اپنے دوران حکومت میں ان ممالک میں پاؤں جمانے کے واسطے ہر ایک حیلہ اور کوشش کی ہے۔ چنانچہ وزیرستان۔ باجوڑ اور علاقہ مہمند میں وہ ہر قسم کی تدبیر اور ایچ پیچ سے تدریج دخل پانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ حتٰے کہ ایک دفعہ برٹش گورنمنٹ پہلے دو مقامات کی نسبت انسے بگاڑ کرنے کو بھی آمادہ ہو گئی تھی۔ اور انکو یہاں تک دہمکی دیدی تھی کہ اگر اونہوں نے اتنی جلدی اُن مقامات کو نہ چھوڑا ہوتا تو جبراً وہاں سے نکالے جائیں گے۔ انکی وفات کے بعد ممکن ہے کہ نئے امیر سے کہ جسکو اپنے مقدم جانشین کی نسبت برٹش سرحد پر اپنے ہم مذہبوں پر حکومت کرنیکا بڑا اشتیاق ہے۔ سرکار کی مڈبھیڑ ہو جائے۔ اور اگر لنڈن میں ایسے فریق کو عروج حاصل ہو گیا جو اس نئی تدبیر کے مزاحم ہونے کی پروا نکرے تو ہماری سرحدی ڈھانچ کا ہر ایک حصہ خواہ وہ آگے بڑھنے والی یا پیچھے ہٹنے والی ساخت کا ہو سب غارت ہو جائیگا۔

امیر عبد الرحمن خاں کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے تجاوز کر گئی ہے۔ اور وہ دو تین دفعہ مرض نقرس سے لب گور تک پہونچ چکے ہیں۔ ۱۸۹۶ء میں اس مرض نے ایسا سخت عود کیا تھا کہ اسکے لاعلاج ہونیکا یقین ہو گیا تھا۔ اور کچھ دیر بلاشبہہ یہاں تک خدشہ ہو گیا تھا کہ وہ واقعی اسکے حملہ کی تاب نہیں لا سکے اس مرض کے کچھہ نہ کچھہ متوحش حملے برابر جاری رہتے ہیں۔ جسنے انکو بارہا مارے درد کے دربار چھوڑ تا پڑتا ہے۔ لہذا انگلستان کو لازم ہے کہ اس مسئلہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے جو تخت کے دفعتاً خالی ہونے پر حل کیا جانا لازم ہے۔

(آئندہ امیر)

اگر امیر صاحب پچھلی دفعہ گذر جاتے۔ اور بہت سے ہندوستانیوں کے حسب اعتماد امیر صاحب کے سب سے بڑے شاہزادے (سردار) حبیب اللہ خاں اُنکے جانشین ہوتے لیکن یہہ معلوم نہیں ہوا کہ ابھی اُنہوں نے کسی کو اپنا وارث نامزد کیا ہے یا نہیں۔ شائد کہ وہ عمر جان کے بڑا ہونے کے منتظر ہونگے۔ جو اس حقیقت خاندان میں شاہی والدہ کے بطن سے ہے۔ یہہ امیر صاحب کی سب سے پہلی منکوحہ بیگم "حرم صاحبہ" یا ملکہ کے بطن سے ہیں۔ جو اپنے خاوند کیطرح امیر دوست محمد خاں کی پوتی ہے۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کے چچا زاد ہیں۔ اور بچہ عمر جان یورپین خیال کے مطابق صحیح شاہی سلسلہ یعنی نسب سے ہے۔ اور اِسلیئے صلبی اولاد ہے۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں ایک کمتر درجہ کی بیوی کے بطن سے ہیں۔

عمر جان کی ماں بہت بھاری خصوصیت اور اپنے آقا اور مالک پر کسیقدر رسوخ بھی رکھتی ہے۔ کابل کے سیاحوں کا بیان ہے کہ اگر امیر صاحب کوئی وارث تخت چھوڑنے کے بغیر فوت ہوں تو وہ اپنے شاہزادہ عمر جان کو تخت پر متمکن کرنیکی کوشش کریگی۔ اور بہت کچھ برٹش گورنمنٹ کے خیالات پر منحصر ہوگا۔ اگر یہہ کسی ایسے شخص کیطرف مائل ہوگی کہ جس سے اِس مطلب کے واسطے اُسکو معلوم ہو کہ کسی دوسرے کی نسبت اِس سے زیادہ تر کامیابی سے شرائط طے کرسکتی ہے تو یہہ بلاشبہہ اُسی کی مددگار رہیگی۔

امیر صاحب کے خاندان سے باہر کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جسکو اُنکے تینوں شاہزادوں کے مقابلہ پر کامیابی کی امید ہو۔ لیکن اگر شیر علی کا بیٹا سردار ایوب خاں کہ جسنے سنہ ۱۸۸۰ء میں بریگیڈیئر صاحب کے بریگیڈ کو میوند میں شکست دی تھی عین وقت پر افغانستان پہنچ جائے۔ تو پھر تو خوب ہی خانہ جنگی اور خونریزی

ہوگی۔ تاحال پرانے خاندان سے کئی تعلقہ دار موجود ہیں جو فوراً عسکر آرا
نوجوان جنرل کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ جو اب میانی عمر اور معقول درجہ کے
فہم و فراست کا شخص ہے۔

[امیر عبدالرحمن خاں کے ابتدائی حالات]

اس آرٹیکل کے ہیرو امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی عجیب و غریب ہے۔ ابتدائی زمانہ سمرقند کیطرف بھاگنے کے پہلے یہ ہمیشہ اپنے باپ افضل خاں کے واسطے معرکوں میں مصروف رہے کہ جسکے باعث انکو بحیثیت سپہ سالار و سرغنہ کے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ انکی لڑائیاں جو عموماً لمبی ہوتی تہیں اور نہایت حکمت عملی کے ساتھ سر کیجاتی تہیں۔ انکا سلسلہ افغانستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک چلا گیا تھا جنمیں انہوں نے ایسے کئی ابتدائی باغیوں کو شکست دی جو کسی تخت کے دعویدار کیطرف سے برسر فساد تہے۔ اسطرح امیر عبدالرحمن خاں نے اپنے چچوں کا جو انکے باپ کے بہائی اور دوست محمد خاں کے بیٹے تہے پورا پورا مقابلہ کیا مگر اخیر میں انکے واسطے ملک میں رہنا مشکل ہو گیا اور ایسے لشکر سے جو انکی اپنی فوج سے بہت زبردست تھا شکست فاش کہا کر انہوں نے وہ کارروائی کی جو افغانوں میں ایک تاریخی واقعہ ہے یعنی وہ قلمرو سے روس کو بھاگ گئے۔ جہاں سے سنہ ۱۸۸۰ء میں اپنی آبائی گدی پر متمکن ہونیکے واسطے طلب کئے جانے تک زار کے تہوڑے سے وظیفہ پر گذارہ کرتے رہے۔

[انکی تخت نشینی]

امیر عبدالرحمن خاں کو یہ اعلیٰ منصب سپرد کرنیکی نسبت سر لیپل گریفن نے سلسلہ جنبانی کی جو اس وقت سر ڈونلڈ سٹوارٹ کے ساتھ پولیٹکل افسر تہے اور کیونکہ انکو کئی جہتوں سے [illegible] ایکا نام بھی تہا

امیر عبدالرحمن خاں کو افغانستان کے مقام زمیمیں لانے کے واسطے بھیجے گئے تھے
جہاں امیر عبدالرحمن خاں اور سر لیپل گریفن کے بیچ اس بارہ میں گفتگو ہوئی پہلے تو
انکو اپنے لیئے یہہ شرطیں بہت گراں بار معلوم ہوئیں۔ مگر بعد میں سر لیپل گریفن کی پہلو
بچانے کی چالیں غالب آئیں اور انہوں نے اسکا خاطر خواہ فیصلہ کرلیا۔ اور جب امیر
صاحب نے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی تو انہوں نے باوجود ابتدائی مشکلات
اور مزاحمتوں کے اپنی حکومت مستحکم کرنے میں کوئی وقت ضائع نہ کیا۔ اور نرم و گرم
تدابیر عمل میں لاکر فائدہ بجزم ہوئے۔ ایوب خاں جو اپنے والد شیر علیخاں کے ماتحت
ہرات کا گورنر تھا۔ اور لارڈ رابرٹس سے کامل شکست کھاکر قندھار کے قریب سے
فارس کو بھاگ گیا تھا پھر اس موقعہ پر آموجود ہوا۔ اور اس شہر سے امیر صاحب کی
جو افواج آئیں انکو شکست دیکر اسپر فیروز قابض ہوگیا۔ اور جو لوگ وہاں سے نکل
بھاگے انکا بڑے استقلال اور جرأت کے ساتھہ تعاقب کیا۔ امیر عبدالرحمن خاں
نے یہہ حال دیکھکر سوچا کہ جبتک میں بذات خود میدان کارزار میں نہ آؤں گا
اس قسم کی تکلیف سے نجات ناممکن ہے۔ اس خیال سے وہ ایک چیدہ فوج لیکر دشمن
کیطرف روانہ ہوئے اور قندھار کے قریب ایوب خاں کی فوج کے مقابلہ پر جسنے
اس وقت تک میدان مارا ہوا تھا جا ڈٹ گئے۔ اور اس مہم کو انہوں نے بہت
جلد سر کیا۔ سردار ایوب خاں کی کیا بضاعت تھی کہ امیر عبدالرحمن خاں جیسے
لایق جنرل کی حکمت عملی کا مقابلہ کرسکتا۔ انہوں نے جاتے ہی اسکو شکست
فاش دی اور الٹے قدم فارس کو بھگا دیا۔ جہاں سنہ ۱۸۸۱ء تک یہہ شاہ فارس
کے معزز مہمان رہے۔ اور اسکے بعد ہندوستان میں مناسب عزت کی ساتھہ لائے گئے۔

[امیر صاحب نے اپنی سلطنت کو کسطرح مستحکم کیا]

اس موقعہ پر امیر عبدالرحمن خاں کی کامیابی نے ملک میں دہشت پھیلا دی جنگی

سنگین حکومت کے تبدریج زیادہ سخت اور زیادہ بے مہر ہونے سے مسلمہ خوف میں مبدل ہوگئی - پہلے درجہ کی ہر شخص کی ذات سے بدلحاظی برتنے اور ذرہ بھی کمزوری نہ ہونیکے ساتھ انکی تندمزاجی اور سخت سرد مہری نے جلد انکی نسبت خیال بے اعتباری پیدا کردیا - اور ملک میں انکا رعب قایم ہوگیا - ایک حاکم کے بعد دوسرا - اور ایک رئیس کے بعد دوسرا تاکید اً دارالخلافہ میں بلوا کر کسی نہ کسی بہانہ سے برباد - قید یا ذبح کرانے شروع کیے اور اُس وقت تک چین نہ لیا - جبتک کہ تمام ایسے اشخاص جنکو وہ اپنے دشمن یا بہت زیادہ ہر دلعزیز یا اپنی مخالف سمجھتے تہے دنیا کے تختہ سے نیست و نابود نہ کردیا - ہم اُنکو برٹش تہذیب کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے - اِن کارروائیوں سے بعد میں اِنکے جو مدعا پورے ہوئے وہ ہماری نظر میں بہدے اور وحشیانہ ہوں لیکن اسمیں کوئی کلام نہیں کہ وکٹوریہ کی معزیف اور مہذب حکومت اِس غیر مہذب ملک میں کسی مصرف کی نہیں ہے جہاں ہر وقت فولادی ایڑی سے کام لینے کی ضرورت ہے - جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب اُنہوں نے تمام ملک ایسی طرح پائمال کرلیا ہے کہ انکی ایک سرگوشی جو سلطنت کے بعید سے بعید حصہ میں پہونچ جائے - توپ خانہ کی باڑہی کا اثر رکہتی ہے - جس شخص نے مختلف اوقات پر سلطنت کے مختلف حصوں میں سیاحت کی ہو وہ ذاتی طور پر اسکی تصدیق کرسکتا ہے -

[انسداد بغاوت]

لیکن عبدالرحمن خاں کا ایسے عدیل زبردست حالت حاصل کرنا کسیقدر مشکل سے خالی نہ تہا - چنانچہ دس سال گذرے ہیں کہ غلزیوں کی بغاوت نے انکی خود مختار حکومت کی بنیاد ہلادی تہی - اور مدت تک تمام ملک میں طوفان خیز دوسری پہلو کا اندیشہ ہوگیا تہا - مگر امیر صاحب بہت خون بہاتے اور بربادی پہیلاتے ہوئے

اخیر میں اسپر بھی غالب آئے +

۱۸۸۸ء میں امیر صاحب کے چچازاد برادر اسحاق خاں کی بغاوت۔ جو اس وقت افغان ترکستان کا گورنر ہی نہیں تھا۔ بلکہ مطلق العنان حکمران تھا تخت کابل کی حفاظت کی وبال جان ثابت ہوئی۔ اسحاق خاں کئی بار صلح وصفائی سے امیر صاحب کے سامنے بلوایا گیا۔ لیکن اس خیال سے کہ سلطنت کے دیگر حصوں میں اسکے ہمعصروں کی بڑی تعداد کے ساتھ کیسا سلوک ہو چکا ہے۔ وہ مختلف حکمتوں سے اس بات کو ٹالتا رہا۔ امیر صاحب نے اس متواتر نافرمانی اور حکم عدولی سے برافروختہ ہوکر اسکے مقابلہ پر فوج روانہ کی جو اسحاق خاں نے شکست دیکر پسپا کردی اور اس فتح سے حوصلہ پاکر اپنی کائنات کو بھول گیا اور کابل کو مسخر کرنے کے بیہودہ خیال سے اس طرف چڑھائی کی۔ لیکن راستہ میں ہی اسکی ایک بڑی جرار فوج سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ جسکی کمانڈ خود امیر صاحب کے ہاتھوں میں تھی۔ اس فوج نے اسحاق خاں کی سب شیخی خاک میں ملادی اور کسی مزید مقابلہ کی امید سے بے بس ہوکر وہ اپنے چند وفادار ہمراہیوں کے ساتھ دریا اوکسس کے پار ہوگیا۔ اور روسیوں کے شہر سمرقند میں جادم لیا۔ جہاں خود عبدالرحمٰن خاں نے اپنی جلاوطنی کے کئی سال بسر کیے تھے۔ اب اسحاق خاں مع اپنے رفقا کے روس کا مہمان ہے۔ جو اسکو معقول وظیفہ دیتا ہے۔ ادھر امیر صاحب نے مزار شریف پہنچکر اسحاق خاں کے دارالخلافہ میں ایک سال کی رہائش میں معاملات گورنمنٹ سدھارے اور ان لوگوں کو تباہ اور غارت کیا کہ جنکی نسبت انکو اپنے دشمن کی طرفداری اور مدد کرنیکا یقین تھا۔

[اعلیٰ بادشاہ]

تب سے کئی بار انکے مقابلہ میں بغاوتیں ہو چکی ہیں جنمیں سے بڑی مہم کابل اور

ہرات کے مابین ہزارہ جات کی پہاڑیوں میں تھی۔ یہ شیعوں اور سنیوں کا جھگڑا تھا۔ اسمیں حسب معمول امیر صاحب مظفر و منصور ہی۔ ہز ہائینس پیغمبر صاحب کی سنت کے مقلد اور اسلیئے سنی ہیں۔ فارس کی بڑی آبادی شیعہ مذہب رکھتی ہے جو بہت سے افغانستان میں بھی بالخصوص اسکی مغربی حدود میں آباد ہیں۔ اصل ہزارہ کے ایک ملے جلے فرقہ نے قندھار کیطرف بھی سر اٹھایا۔ اور اخیر میں انکو بھی سخت زک ملی۔ ان قدیم منگل کے لوگوں نے بھی جو کرم کے مشرق کیطرف صوبہ کابل میں آباد ہیں۔ چند دفعہ دانت نکالے تھے۔ مگر اخیر میں امیر صاحب نے فتح و نصرت کے زور سے انہیں کچھ رڈالا تھا۔ ان سب لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اب امیر صاحب کی عین حیات میں کسی بغاوت عظیم کا کھٹکا نہیں رہا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے ملک بغیر کسی شک کے اسقدر مطیع اور منقاد کر لیا ہے کہ وہ اپنے دل سے سختی کے ساتھ کسی قدر شاہی الوالعزمی اور توجہ خسروانہ سے کام لے سکتے ہیں۔ حالانکہ پیغمبر صاحب کے نیچے لیکے سب سے اعلے منصب کو جو کسی کو نصیب ہو سکتا ہے انکی رعایا شخصی اور مجموعی طور پر نہایت تعریف و تعظیم اور زیادہ تر وفاداری کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اسکے اعمال و افعال پر نہ تو کبھی سرگوشیوں سے نکتہ چینی کیجاتی ہے اور تعریف کیساتھ نکتہ چینی کیجاتی ہے اور اس حوصلہ و جرأت سے بحث سے مقسوم ہیں اور بار لکھا ہے جو علانیہ کوئی ایسی بات کہے کیا بلکہ اسکا اندیشہ بعید بھی مشار الیہ ہز ہائینس کے خلاف شان ہو۔

[برٹش سے سفارت بھیجنا]

ہمارا امیر صاحب کو باعث گورنمنٹ کی وساطت سے انگلستان اور افغانستان کے مابین ارتباط پر علاوہ آمد ورفت پر اعتبار نہیں ہے۔ جسکا ثبوت انکی اس خواہش سے ملتا تھا جو انہوں نے دربار برٹش سے لنڈن میں سفیر رکھنے کے واسطے ظاہر کی تھی۔ انکی اس درخواست کے نامنظور ہونے سے انکی بہت دلشکنی ہوئی ہوگی

کیونکہ وہ امیر کے دل سے خواہشمند تھے۔

امیر صاحب اپنے انگریز اور ممالک غیر کے دیگر ملازموں سے نہایت شفقت اور عنایت سے پیش آتے ہیں۔ اور انکو معقول تنخواہیں دیتے ہیں۔ وہ بلاشبہ گورے لوگوں کی اُس وقت تک بہت قدر و منزلت کرتے ہیں جبتک کہ وہ سچے دینی اور عملی طور پر بہادر ثابت ہوں۔ جو عموماً امیر صاحب کو ان لوگوں کا وصف نظر آیا ہے۔ ہماری نسبت اُنکا شک صرف ہمارے ڈپلومیسی اور ہمارے بین الاقوام برتاؤ کی نسبت ہے۔ اور غالباً وہ اسیلئے سب سے بڑھکر اپنی ویٹرینری سرجن کی اصلی عزت کرتے ہیں۔ چنانچہ سر سالٹر پین کے ساتھ اُنکا سلوک بہت ہی محبت آمیز ہوگیا ہے۔ مگر اسبارہ میں شک ہے کہ آیا سر سالٹر پین کا امیر صاحب پر بہت رسوخ تھا یا ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ انجنیری امور میں امیر صاحب کو مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن معاملات قوم و اُسکی حکومت میں امیر صاحب کا کسی کے رسوخ میں آنا قرین قیاس نہیں ہے۔ اگر امیر صاحب کو ذرہ معلوم ہو جائے کہ سر سالٹر پین کی چال میں ڈپلومیسی پائی جاتی ہے یا آنکے انکی تجاویز میں اُسکی بو ہے تو پین کو جلد اسکا رنج اُٹھانا پڑے۔ امید ہے کہ سر سالٹر پین اس امر سے بہتر واقف ہیں۔

[انکے وظائف بصیغت طلاء و فولاد]

امیر صاحب کو ابھی تخت نشین ہوئے تین سال بھی نہیں گذرے تھے کہ اُنہوں نے اپنی مفلسانہ حالت کی شکایت شروع کی۔ اور لکھنے لگے کہ امداد کے بغیر مہمات ملکداری کا انصرام ہونا ناممکن ہے۔ اسلئے انکو ایک لاکھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ دیا گیا تھا جسکو دس سال کے بعد سفارت ڈیورنڈ نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ ماہانہ کر دیا۔ اسی اثناء میں انکو بھاری مقدار اسلحہ اور دیگر سامان حرب کی بھی دیگئی ہے جنمیں سے بعض اسلحہ میدان کارزار کے واسطے بہت مفید تھے اور بروئے اقرارنامہ ڈیورنڈ

سو رخہ ۱۷ نومبر ۱۸۹۳ء (دیکھو گذشتہ بلیو بک) انکو صرف حسب مرضی اپنے ملک میں
اسلحہ لانے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ہماری طرف سے انکے ساتھ اقرار ہو چکا ہے
کہ ہم انکو اسبارہ میں مدد دینگے۔ اب انکی فوج زمانہ حال کی رائفلوں سے خوب مسلح ہے
اور جیکے پاس سامان حرب و ضرب بھی کثرت سے موجود ہے۔ حالانکہ ملٹری ڈریس
اور مدارج ایسے ہیں جو کسی افغان امیر کے خواب میں بھی نظر نہیں آئے۔ کابل کے
کارخانے جو اس باہمت اور کامیاب شخص نے سر سالٹر پین کی کوشش سے قائم
کیئے ہیں۔ کئی سالوں سے مختلف اسلحہ۔ کلیں اور دیگر ذخائر تیار کر رہے ہیں
جنہوں نے ملک کی حالت کو بہت نمایاں ترقی دی ہے۔ اور ایسی صنعتی دستکاری
داخل کی ہے۔ جو امیر صاحب اور انکے چیف انجنیر کے واسطے باعث فخر و مباہات
ہے۔ ان نئی ترقیوں نے امیر صاحب کیحالت کو بھی بہت استحکام بخشا ہے۔ حتٰے
کہ یورپین طاقت کے لیئے کابل پر حملہ کرنے کی کوشش کرنا طفلانہ کھیل نہیں رہا۔

آغاز حکومت میں امیر عبد الرحمن خاں کو اپنے ملک کے حدود معین کرنیکا
بڑا خیال تھا۔ جس غرض کے واسطے ۱۸۸۴ء میں شمالی سرحد قایم کرنیکے واسطے برٹش
اور روسی کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ جسنے دریائے ہری رود سے لیکر جو سرحد ایرانی
ہے آمو دریا یا اوکسس تک جانب مشرق سرحد قایم کی۔ ۱۸۷۳ء میں خوجہ صالح
مقام سے جھیل وکٹوریہ تک وباقی نقشہ انگلستان اور روس کے مابین حد
قرار دیا گیا تھا۔ خواہ قرارنامہ کی بے ضابطگی نے عملی طور پر اسکو لا حاصل جیسی
[illegible] بیکار کر دیا کیونکہ شیر علی اور عبد الرحمن اوکسس کے اس پار ملک پر مسلسل
قابض رہے۔ اور صرف پچھلے دنوں ضلع پامیر میں جھیل وکٹوریہ اور چینی سرحد کے
مابین کا علاقہ جنرل جیرارڈ اور روسی ڈیلیگیٹ کی قرارداد کے مطابق خالی
کیا گیا تھا۔

امیر صاحب معاملہ تجارت اور اپنے ملک کے بیچ سے رستہ دینے کے لحاظ سے ناقابل صلح ضدی ہیں - اور پرلے درجے کے شکی ہیں - کبھی اس وقت تک کوئی تجارتی حلقہ یا سنڈیکیٹ انکو اس بارہ میں متحرک کرنیکے قابل نہیں ہوا - حالانکہ وہ بخوبی دیکھتے ہیں کہ بیرونی تجارت کے مفاد کے واسطے افغانستان کا کہولنا اخیر میں ملک کو مالامال اور انکے اپنے مالیہ کو ترقی دیدیگا - اس قسم کی غیرت اور دوسروں کی نیتوں کا عدم اعتبار ہونے سے وہ قریباً ایسی ہی خودغرضی سے اپنے ملک کو ممالک غیر کی تجارت سے مسدود رکہتے ہیں - جیسے کہ تبت والوں میں پائی جاتی ہے - صرف وہ خاص رتبہ اور عظمت کے لوگوں کو محفوظ رستہ کا حق دیتے ہیں - تاہم نسبتاً افغانستان کے سفر کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے - ابہی بہت عرصہ نہیں گذرا کہ اس مضمون کا راقم خود اس ملک کے ایک ایسے بازار میں تہا جو کئی سال پہلے بدرجہ غایت غیر مہذب تہا - اور اب وہاں اس وقت ٹہاں نہایت ہی خلیق اور ممنون کرنے والے تہے ۔

[ایک فصیح البیان اور ایک طالب العلم]

امیر صاحب کی عام تقریریں سننے میں اعلے درجہ کی دلچسپی پائی جاتی ہے - یہہ فی الواقعہ فصاحت - لفاظی - خودستائی - علم منطق - مبالغہ اور ظاہر داری اور تصنع کے مجموعہ کا عجیب مرکب ہوتی ہیں - اور انکے درباری اور دیگر سامعین بیکر ویلا کیطرح انکے سامنے کہڑے رہتے ہیں - اور وہ انکے عارضی طور پر برق زدہ طبیعتوں پر اپنی عقلمندی کے شعبدے دکہاتے ہیں اور انکو اپنے تین چار گہنٹے کے آتش بیان مگر بخوبی قابو میں رہی گفتگو کے بعد رعب اور تعجب زدہ حالتیں منتشر کرتے ہیں - ذکی اور فہیم ہونیکے علاوہ امیر صاحب بہت عالم وفاضل ظاہر ہوتے ہیں جنکا حافظہ نوع انسانی سے بالاتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ معمولاً وہ قابل ہوتے ہیں کہ ان علماء کا حوالہ دے سکتے ہیں جنکو انہوں نے پڑہا یا سنا ہو - اور ایسے احکام جاری کرسکتے ہیں جنکے واسطے دانیال نبی کو تحقیق کرنا پڑتے - مثلاً

امیر صاحب معاملہ تجارت اور اپنے ملک کے بیچ سے راستہ دینے کے لحاظ سے ناقابل صلح ضدی ہیں۔ اور پرلے درجے کے شکی ہیں۔ کیونکہ اس وقت تک کوئی تجارتی حلقہ یا سنڈیکیٹ انکو اسبارہ میں متحرک کرنیکے قابل نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ بخوبی دیکھتے ہیں کہ بیرونی تجارت کے مفاد کے واسطے افغانستان کا کھولنا اخیر میں ملک کو مالامال اور انکے اپنے مالیہ کو ترقی دیگا۔ اس قسم کی غیرت اور دوسروں کی نیتوں کا عدم اعتبار ہونے سے وہ قریباً ایسی ہی خود غرضی سے اپنے ملک کو ممالک غیر کی تجارت سے مسدود رکھتے ہیں۔ جیسے کہ تبت والوں میں پائی جاتی ہے۔ صرف وہ خاص رتبہ اور عظمت کے لوگوں کو محفوظ راستہ کا حق دیتے ہیں۔ تاہم نسبتاً افغانستان کے سفر کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا کہ اس مضمون کا راقم خود اس ملک کے ایک ایسے بازار میں تھا جو کئی سال پہلے بدرجہ غایت غیر مہذب تھا۔ اور اب وہاں اس وقت ٹھہان نہایت ہی خلیق اور ممنون کرنے والے تھے ۞

[ایک فصیح البیان اور ایک طالب العلم]

امیر صاحب کی عام تقریریں سننے میں اعلےٰ درجہ کی دلچسپی پائی جاتی ہے۔ یہہ فی الواقعہ فصاحت۔ لفاظی۔ خود ستائی۔ علم منطق۔ مبالغہ اور ظاہرداری اور تصنع کے مجموعہ کا عجیب مرکب ہوتی ہیں۔ درباری اور دیگر سامعین بیکریولا کیطرح انکے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ اور وہ انکے عارضی طور پر برق زدہ طبیعتوں پر اپنی غرضمندی کے شعبدے دکھاتے ہیں اور انکو اپنے تین چار گھنٹے کے آتش بیان مگر بجلی قابو میں رہنے والی گفتگو کے بعد رعب اور تعجب زدہ حالتیں منتشر کرتے ہیں ذکی اور فہیم ہونیکے علاوہ امیر صاحب بہت عالم وفاضل ظاہر ہوتے ہیں جنکا حافظہ نوع انسانی سے بالاتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ مفید اور قابل تعریف باتوں کے طومار کا حوالہ دے سکتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے پڑھا یا سنا ہو بیسیوں اخباروں پر چڑھ سکتے ہیں کہ جنکے واسطے دانیال نبی کو تحریر کرنا پڑتا ہے مثلاً

ہز میجسٹی کی منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ اسلئے جو انگلستان چلین فخانستان کی روانگی سے لیکر واپسی تک اور اس عرصہ میں جبکہ وہ یورپ میں تھے امرا ان کو ان کے چند عشروں تک یاد رہیگا۔ بعض جگہہ یہہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ وہ کیوں قسطنطنیہ نہیں گیا۔ اسکا جواب یہہ ہے کہ سلطان المعظم نے جو اپنے منہ میں زبان کے ساتھہ امیر صاحب کا مسلمانوں کی لیڈری لینا۔ اور نبوت کے مدارج کا دعوے کرنا پڑھتے ہیں۔ اُس سے کہ جسکو "پرنس نصر اللہ" کہتے ہیں ترق ہونا گوارا نہ کیا۔

[اذیت کی نظائر]

امیر صاحب کے سزا دینے کے طریق مختلف حکمت کے ہیں کابل لنڈن سے اسقدر دور ہے کہ ہم سب کا حال نہیں سُن سکتے۔ لیکن راقم کو یاد نہیں کہ آیا کچھہ سال گذرے ہیں کہ ایک سیاح نے پاکسول ولٹری گزٹ کے پشاوری ایجنٹ نے اسبارہ میں امیر صاحب کی ذاتی ایجاد کی تین مثالیں بتائی تہیں۔ ایک بوڑہے آدمی کی ڈاڑہی کے بال امیر صاحب کی سکہا شاہی کے خلاف عمل کرنیکے واسطے سر دربار نچوائی گئی تہی اور ایک دوسرے کو جو نان بائی تہا اسکے اپنے تنور میں جلانیکا حکم دیا تہا۔ اور ایک تیسرا جسنے اپنے دوستوں کو (۹) بتایا تہا کہ روسی کابل کیطرف پیشقدمی کر رہے ہیں ایک بلند کھنبے پر کہ جسکے اوپر سٹول باندہا ہوا تھا بٹہایا گیا۔ اور اسکو حکم دیا گیا کہ اُونگھنے اور تہمنے کے بغیر "روسی آرہے ہیں! روسی آرہے ہیں!" نعرے چلاتا رہے۔ اور جب وہ بہی ایسا کرنے میں غافل ہو نیچے سے سنتری اُسکو اپنی بندوق کے سنگین کی نوک سے یاد دلائی۔

اب اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ سرحدی فرقوں کے ملکہ برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر علم بغاوت کہڑا کرنے میں امیر صاحب کے شامل ہونیکا شک کرنا سراسر غلطی تہی۔ اب معلوم ہو گیا ہے کہ نہ تو اُنہوں نے ان گمراہ فرقوں کو برسر آرزم

آنے میں مدد دی - اور نہ اُنکو حوصلہ دلایا - اور اُنکا ٹھیک طور پر اور وقار کے ساتھ
اس امر سے صفائی کرنا جب اُنکے مابعد برتاؤ اور کارروائیوں میں دیکھا جاتا ہے تو اُسکی
اصلیت میں کوئی شبہہ نہیں رہتا - اور اس سے شکی مزاج والے کا بھی اطمینان
ہو جاتا ہے - اگرچہ امیر صاحب کی رعایا کے بعض متمرد لوگوں کے افعال سے معنوی طور پر
یہہ ثابت ہوتا تہا کہ وہ مذہبی شورش کے معاونوں یا پسند کرنے والوں میں سے تہے
تو ہم اُنکو گذشتہ معرکوں کے عجیب حالات سے اسکا ذمہ دار قرار نہیں دے سکتے تمام
اس امر کا علم کہ انگلستان اس قسم کی کسی بیوفائی کے واسطے اُنہیں منتخب کرنے کو
تیار ہے - اُنکے لیئے آیندہ عمدہ سبق ہو سکتا ہے - چنانچہ الہ آباد کے اخبار "پاؤنیر"
مطبوعہ ۲۰ - اکتوبر کا انتخاب اس بارہ میں عمدہ درج کیا جاتا ہے

"برٹش ایجنٹ مقیم کابل کیطرف سے مزید خط و کتابت ظاہر کرتی ہے کہ امیر صاحب
فرقوں کی کارروائی کو جو اُنہوں نے برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر معاندانہ برتاؤ کر کے
میں اختیار کی ہو مذموم قرار دینے میں استقلال سے تلے ہوئے ہیں - اُنکے اُن احکام کے
بعد جو گورنر جلال آباد کو اُن تمام فرقوں کے ڈیپوٹیشنوں کو واپس کرنے کی نسبت
دیئے گئے تہے جو مدد ملنے کی امید سے کابل آنا چاہتے ہیں - اُنکے ایک سالار نے اعلان بہی اُنکی رعایا
کو جنگی کارروائیوں میں کوئی حصہ لینے کی ممانعت کیگئی تہی - اور اُنکے اہلکاروں کو ہدایت
ہوئی تہی کہ فرقوں کا جو مجمع کہ مضطرب قبیلہ میں جانے والا ہو اُسکو منتشر کر دیں - ثابت
کرتا ہے کہ ابتک امیر صاحب اپنی پولیسی پر ثابت قدم ہیں - اور اُنکی طرف سے پہلو بدلنا
قرین قیاس نہیں ہے * * * خبر آئی ہے کہ ہز ہائینس آفریدیوں پر خصوصیت سے
سخت ناراض ہیں کیونکہ درہ خیبر کے بند کرنے سے اُنہوں نے تجارتی کارروائیوں
کو ہی نہیں رد کیا - بلکہ اُن اسلحہ اور ذخائر کا راستہ بہی مسدود کر دیا ہے جو یورپ
سے لا کر پشاور میں جمع کئے گئے ہیں - یہہ ریلوے سٹیشن پر پڑی ہیں - جہاں درہ خیبر کے

کھلنے تک پڑے رہیں گے۔

امیر صاحب آفریدیوں کو انکی احمقانہ، پُر تذویر اور شرارت آمیز حرکت پر انکو سخت لعن طعن کر رہے ہیں۔ اور علانیہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اس برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر علم بغاوت بلند کیا ہے جو ہمیشہ انکے ساتھ بہت عمدہ سلوک کرتی رہی ہے۔ انہوں نے یہاں کے معاملہ میں ان فرقوں کے دعادی نہایت زور سے رد کیا ہے اور انکو صاف الفاظ میں کہا ہے کہ انکو بموجب قرآن مجید جہاد کرنیکا اختیار نہیں ہی چنانچہ وہ اپنے لوگوں کے نام اعلان میں برملا کہتے ہیں کہ "ان فسادوں کو کیوں تم جہاد یا غزا کہتے ہو؟ × × جہاد کی پہلی شرط یہہ ہے کہ بادشاہ اسلام (یعنے وہ خود) انکے ساتھہ ملکر کارروائی کرے۔ یہہ بڑی تعجب کی بات ہی کہ بادشاہ کا تو انگریزوں کے ساتھہ اتحاد اور موافقت ہو اور پھر بھی تم جہاد جہاد پکارو۔" اسکے بعد وہ لکھتے ہیں کہ فرقے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے اس تمام شورش کی وجہ چترال اور سوات میں برٹش قبضہ بتاتے ہیں۔ اسکے آگے امیر صاحب کہتے ہیں کہ "میں تمکو بتاتا ہوں کہ چترال پر قبضہ کرنے سے برٹش کا مدعا لوگوں سے کوئی ٹکس وصول کرنیکا نہیں ہی" اور پھر باغی فرقوں کو لکھتے ہیں کہ "مجھے تمہارے معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہی۔ اور نہ تمہاری ذات سے کوئی تعلق ہے کیونکہ مجھے تم پر مطلق اعتبار نہیں ہے۔ تم کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں امیر شیر علی کیطرح ایسا احمق ہونگا کہ دوسروں کو تمہاری خاطر ناراض کرونگا۔ تمہارا اصل مدعا یہہ ہی کہ میں انگریزوں کے ساتھہ بھڑ پڑوں۔ اور اگر میں ایسی حماقت کر بیٹھوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم ہمیں میں آگ لگا کر الگ ہو جانیکی عمل کر کے دور سے تماشا دیکھو۔"

جو امیر جسکے ساتھہ ۱۸۷۸ء میں جنگ ہوا تھا۔

سقدیں سے بڑھکر ہیں۔ لیکن ہم بلا خلش خیال کرسکتے ہیں کہ انکے نیچرا ور خواص ان قابلیتوں کے لئے ایسے متضاد ہیں کہ بعض انگریز جنکو وہ عمدہ سمجھتے ہیں۔ غالباً وجہ ذ انکو مُبرا خیال کرتے ہیں۔ اور انمیں سے بہت جو ظاہری متمم ہیں اور ترقی دینے سے زیادہ تر ستمرو ہونیوالی ہیں انکے زعم میں انکے چال چلن کا سنگار ہیں۔ تاہم جب کبھی انکو کسی انگریز سے ملاقات کرنیکا اتفاق ہوتا ہے۔ باوجود اپنی غیر معمولی اور تحکمانہ عادتوں کے پرانے باشندہ اتھنز کیطرح مانوس اور خلیق ہوجاتے ہیں۔ راقم ذاتی طور پر اسکا ذمہ کر سکتا ہے کہ علاوہ اسکے ہز ہائینس اُن سب سے بڑھکر مشرقی مہمان نواز صاحبوں میں سے ہیں کہ جن سے اُسکو ملنے کا فخر حاصل ہوا۔ اور جسکو وہ ایک دفعہ اپنا مہمان کہہ دیں اس سے بڑھکر کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔ لیکن افغان پھر بھی افغان ہیں کہ جنکی مزاج کے ذاتی خاصوں کو بدلنے کے واسطے صدیاں درکار ہیں۔ امیر صاحب کا ایک سب سے اعلٰے وصف نظر انداز نہیں ہونا چاہیئے یعنی کہ وہ اعلٰے درجہ کے محب وطن ہیں اور اُنہوں نے جو کچھ کیا ہے خواہ وہ ہماری نظروں میں کیسا بُرا معلوم ہوا ہو لیکن قیاس ہے اُنکو ہمیشہ اپنے ملک اور رعایا کی بہبودی مرکوز خاطر رہی ہے۔

بحیثیت مجموعی اسمیں انگلستان کا سراسر فائدہ ہے کہ مدت تک اس سے جدا نہوں اور ہم اس آرٹیکل کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں۔ انکی عمر دراز اور اقبال زیادہ ہو۔ جسمیں ہز ہائینس امیر عبد الرحمٰن خاں تکے سی۔ ایس۔ آئی کی اصلی سعادت نجابت اور تزاید حشمت ہو۔
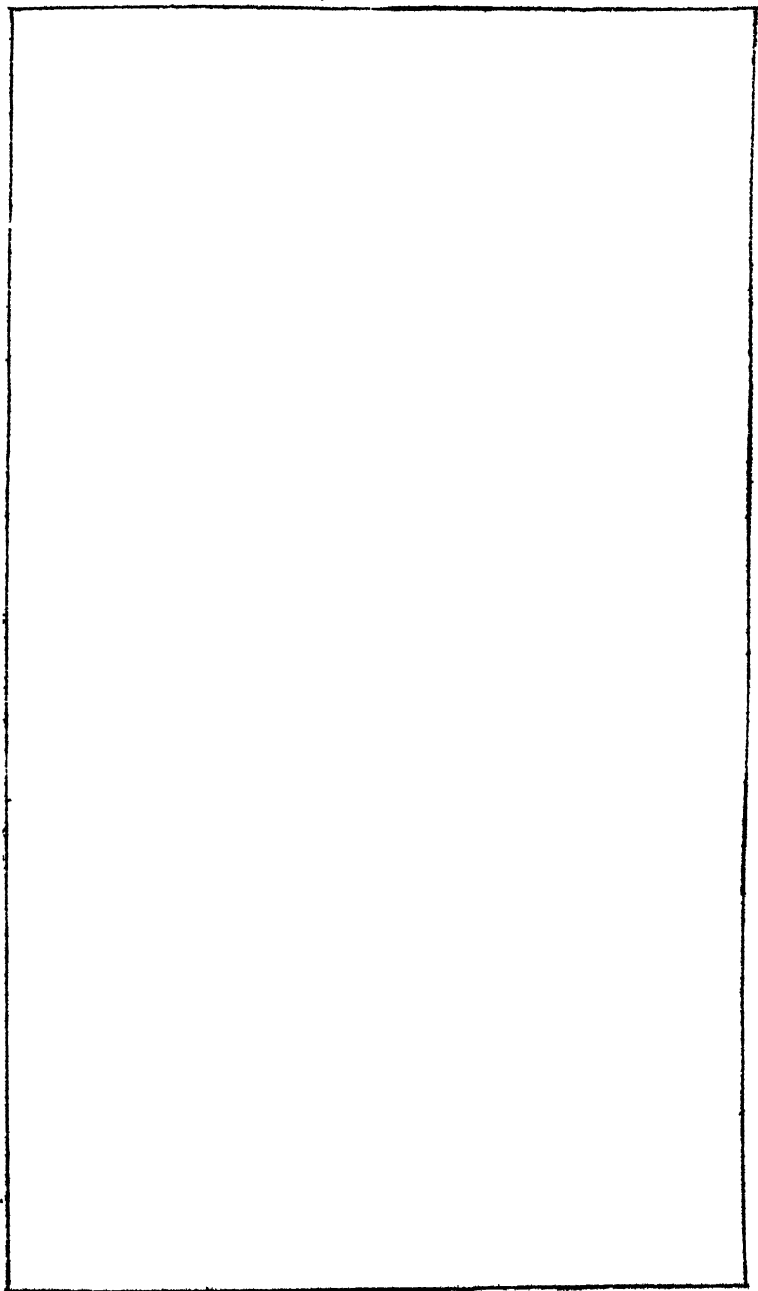
ضمیمۂ دوم

ہندوستان پر روس کا حملہ

[رسالہ نائینٹینتھ سینچری سے ترجمہ کیا گیا]

مندرجہ ذیل آرٹیکل ایک روسی افسر نے اپنی گورنمنٹ کی آگاہی کے واسطے تحریر کیا ہے۔ اسکے لکھنے سے راقم کی یہہ غرض ہے کہ وہ عظیم الشان جنگی مسئلہ جو ایک روز انگلستان اور روس کو حل کرنا پڑیگا۔ اسمیں گورنمنٹ روس کو زیادہ آزادی سے کارروائی کرنیکا موقعہ ملے۔

جو معلومات سینٹ پیٹرزبرگ کے وزیر جنگ کو حاصل ہیں افسر مذکور کو بھی یا خبر معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں اسنے کئی انگریزی سیاحوں کے سفرنامے اور کتابیں بھی مطالعہ کی ہیں جو اس مضمون پر لکھی گئی ہیں۔ (اڈیٹر انیسویں صدی)

مینے بڑی تیزی سے اس مضمون پر قلم اوٹھایا ہے کیونکہ اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ بہ نسبت سپہ سالار اعظم سکوبیلاف کے یہ کام میرے لئیے ہزاروں گنا آسان ہے جب میں اس بارہ میں شہنشاہ پال و شہنشاہ نپولین کی معلومات پر نظر ڈالتا ہوں تو انکے مقابلہ میں اپنی واقفیت کا میدان نہایت وسیع و عریض دکھائی دیتا ہے ہندوستان پر حملہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو ساحل بحیرہ کاسپین سے لشکر کشی کیجائے۔ لیکن اپنی موجودہ ایشیائی سرحد سے ہندوستان پر چڑھائی کرنا پہلے سے بالکل مختلف اور نہایت ہی سہل صورت ہے۔ علاوہ اسکے اس وقت جنرل اگناٹیف

لکھر ولیفس۔ کورٹ پکن اور سکوبیلاف کے خیالات اور تجاویز میرے دماغ میں گونج
رہی ہیں۔ بہت سی دیگر کتابیں جو فوجی افسروں یا پرائیویٹ اشخاص نے لکھی ہیں
میری نظر سے گذری ہیں۔ بالخصوص مسٹر جارج کرزن کی جدید تصنیفات سے مجھے بہت
بڑی مدد ملی ہے۔

یہ عظیم الشان ہنگامہ شاید کہ سب سے عظیم ہوگا جو دنیا کی قسمت میں لکھا ہے۔
ابتدائی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے دنیا کی تاریخ پر اسکا ایسا اثر پڑیگا کہ جسکا قبل از وقت
معلوم کرنا ناممکن ہے۔ اور تحقیق یہی توقع ہے کہ یہ جنگ خصوصیت کے ساتھ ایسی پولیٹیکل پیچیدگیوں
سے پُر ہوگا کہ جو ایک حد تک اس جنگ کے صاف فوجی معنوں کو غبار آلود کردیگا۔
اگر ہم اپنی طرف نظر ڈالیں اور تھوڑی دیر کیلئے سب یورپین پیچیدگیوں یا اتحاد و سیاست کو
نظر انداز کرکے صرف اس معاملے کے ایشیائی پہلو پر بحث کریں۔ تو روس کیلئے پہلا قدم
اور نہایت ضروری پولیٹیکل مقصد ایران کی سلطنت ہے کیونکہ شمالی ممالک سے فوج
کی آمد و رفت کے تمام راستے اُس کے پہلو میں واقع ہیں۔ فوجی طاقت کے لحاظ سے
اگرچہ ایران کیطرف سے چنداں اندیشہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن ساتھ ہی ہمکو یہ امر فراموش
نہیں کرنا چاہئیے کہ بہت سا اعلےٰ درجہ کا سامان حرب یعنی لڑنے کے قابل آدمی
ایران بالخصوص صوبہ خراسان میں موجود ہے۔ اگر عمدہ اسلحہ کے ساتھ انگریزی
افسر بھی اُنکو ملگئے۔ تو پھر ایران روس کا ایک نہایت خوفناک دشمن ثابت ہوگا۔ اگرچہ
بہت سے لوگوں کی یہ رائے ہے کہ شاہ ایران روس کی ناراضی کے خیال سے علانیہ روس
کے دشمنوں کے ساتھ شامل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اس امر کو گوارا نہیں کریگا کہ انگریز
اسکی بے رو رعایت پالیسی کو توڑنے کا خیال تک بھی دل میں لاویں۔ اسلیئے وہ
در پردہ بھی انگریزوں سے سازش نہیں کرسکتا۔ شاید یہ معاملات کی ایسی
ہی صورت ہو جیسا کہ اہل الرائے تصور کرتے ہیں۔ تاہم ایران کی مخالفت کا خیال

دل سے محو کرنا شایان دانشمندی نہیں ہے۔ بطور ایک دوست کی ایران ہمارے لیئے ایک
نہایت گرانقدر بیچ میں حائل سلطنت ہوگا۔ اور ہمارے صرف ایک طرف تنگ دستہ
کا بلحاظ جغرافیہ کسی قسم کی سعی سے محافظ ثابت ہوگا۔ ایران کے بعد افغانستان
کی پولیٹیکل رویہ پر غور کرنا ہمارے لیئے نہایت ضروری ہے۔ ایک ایسے ملک میں لڑائی
کے واقع ہونے سے کہ جو انکی وہاں ہمارے مخالف ہی نہوں بلکہ ہمارے غرض کی ہوا کی
ہوں جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیش آسکتی ہیں وہ مخفی نہیں ہیں۔ اور انہیں غالباً مشکل
ہے۔ برٹش گورنمنٹ اور افغانستان میں باہمی رابطہ و اتحاد قائم رکھنے کے متعلق
جو عہد و پیمان ہوئے ہیں اگرچہ میں انکی مضبوطی کا قائل نہیں ہوں۔ لیکن یہہ بھی میں
مناسب سمجھتا ہوں کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے اگر ممکن ہو تو اس ظاہری دوستی
کا خاتمہ کیا جائے۔ بہرکیف پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ افغانستان کے ان تمام اور
دغاباز لوگوں کی دوستی کا رخ جنگ سے پہلے بدل دیا جائے۔ بعض لوگ اگرچہ ایک مکار
دوست کے مقابلہ میں ایک علانیہ دشمن کو بہتر سمجھتے ہیں۔ جہانتک یہہ مسئلہ افغانوں کو
فوجی ملازمت دینے کے متعلق ہے۔ میں بھی اندیشہ کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ اور اپنے
اتفاق رائے ظاہر کرتا ہوں لیکن سامان رسد فراہم کرنیکے معاملہ میں کسی ملک کے فرمانروا اور
رعایا کا بدلنے تام بھی ہماری دوستی کا دم بھرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

افغانستان سے آگے بڑھکر جن لوگوں سے ہمیں سابقہ پڑیگا۔ انکو انگریز
سرحدی اقوام کہتے ہیں۔ یہہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں پہاڑی اضلاع ہیں ہندستان
اور افغانستان کے مابین واقع ہیں۔ اگر ہم افغانی سرحد کو عبور کرکے ان پہاڑی
اقوام کے علاقہ تک پہنچگئے۔ تو یہہ ریاستیں ہمارے لیئے ایک اہم مسئلہ پیدا کرینگی گو ان
جنگجو لوگوں میں کسی قسم کا فوجی انتظام نہیں پایا جاتا۔ اور اسلحہ بھی یہہ درست
نہیں رکھتے۔ لیکن پھر بھی وہ بہت سے جنگی اوصاف سے متصف ہیں۔ اور جابجا

چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنے کے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اگر ہم ان اقوام کو دوست بنالیں تو نہ صرف ہماری راہ سے ایک سنگ گراں دور ہو جائیگا (کیونکہ ہندوستان کا ہر ایک دروازہ انہیں قزاقوں کے ہاتھ میں ہے) بلکہ ہم ان شورہ پشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو اپنے دشمنوں پر کھلی چھوڑ دینے کے قابل ہونگے۔

انگلستان کے واسطے اپنی رائے میں سب سے ضروری پولٹیکل امر افغانستان کا دوست بنائے رکھنا ہے کیونکہ اسی مسئلہ سے ایک دوسرا ایسا ہی اہم معاملہ وابستہ ہے اور وہ ہندوستان کے والیان ریاست اور رعایا کی ہمدردی کا رخ ہے۔ انگلستان نے جو افغانستان کے ساتھ ڈیفنسو اور آفنسو معاہدہ کیا ہوا ہے اس سے صرف یہی فائدہ اسکو حاصل نہیں ہے کہ روس افغانستان سے دوستی کا عہد و پیمان کر سکے۔ بلکہ اسکے علاوہ انگریزوں کو نہایت عمدہ بہانہ ہاتھ آیا ہوا ہے کہ امیر صاحب کی سلطنت کو محفوظ رکھنے کے بہانہ سے وہ میدان جنگ کو ہندوستان کی سرحد سے دور رکھ سکتے ہیں۔ میں بہانہ کا لفظ اس واسطے استعمال کرتا ہوں کہ روس اس وقت ایسی سنہری رکھتا ہے کہ یہ بات بالکل انگلستان کی طاقت سے خارج ہے کہ براہ راست یا غالباً بالواسطہ افغانستان کے نصف ملک کو محفوظ اور وہاں کی حکومت کو قائم رکھ سکے۔ میدان جنگ کو افغانوں کی سرزمین پر بدل دینے سے اہل ہندوستان نہ صرف اپنی سرزمین میں جنگ کے خطرات سے ہی محفوظ رہیں گے۔ بلکہ چپ چاپ ایک بہت بڑی مقدار خوفناک آتش گیر مادہ کی جس سے کہ مراد دیسی ریاستوں کی باقاعدہ فوجوں سے ہے کافی دور فاصلہ پر بھیج سکیں گے۔

ایران اور ایرانی مسئلہ انگلستان کے واسطے اسقدر جلد ہی غور طلب نہیں ہے جسقدر کہ روس کیلئے ہے۔ گو یہ ممکن ہے کہ آئندہ کے عظیم الشان اور طویل معرکہ جنگ کی قسمت میں سرزمین ایران پر طے ہونا ہی لکھا ہو۔ اور مشہد

کی لڑائی دنیا کی ایک مشہور فیصلہ کن جنگ ثابت ہو۔

انگریزوں کے لیئے ایک اور پیچیدہ معاملہ سرحدی اقوام کی مشتبہ دوستی کا ہے جو سلطنت ہند یا افغانستان کی مطیع تصور کیجاتی ہیں۔ شمال میں چترال سے لیکر سوات اور بنیر سے گذر کر آفریدیوں اور وزیریوں کے مساکن کی نسبت کچھ کہنا ایک مشہور قصہ کا باربار دوہرانا ہے۔ یہ فسانہ بدعہدی۔ بیرحمی۔ دغابازی وحشیانہ مذہبی تعصب اور علانیہ مخالفت کی حالات سے لبریز ہے۔ انمیں سے کسی ایک قوم کی دوستی پر ایک روز کے لیئے بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

مینے قصداً ایک اہم مسئلہ آخر میں ذکر کرنے کے لیئے چھوڑ دیا تہا جو انگریزی فوج کی وفاداری کے متعلق ہے۔ ہندوستان کی محافظ فوج میں دو تھائی ایسے سپاہی شریک ہیں۔ میں اس مسئلہ کی اچھی طرح چھان بین کرنیکے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سکھوں اور گورکھیوں کے سوائے دیگر ہندوستانی قومیں ایسی ہوشیاری سے مختلف رجمنٹوں میں بھرتی کیگئی ہیں کہ وہ کسی طرح خود بخود انگریزی تاج سے بغاوت نہیں کرسکتیں۔ میں سکھوں کو اور سب سے زیادہ گورکھیوں کی وفاداری کو شک و شبہ سے پاک و صاف سمجھتا ہوں۔ لیکن پٹھان اور پنجابی مسلمان برٹش گورنمنٹ کی نمکحلالی میں چنداں ثابت قدم نہیں ہیں۔ قدرتاً انکی طبیعتیں فرانسیسیوں کیطرح واقع ہوئی ہیں۔ اور انکے سینوں میں آگ بھری ہوئی ہے۔ چونکہ یہہ زرد آشنا ہیں۔ اسلیئے انکو شکست دینا چنداں مشکل نہیں ہے۔ غرضکہ خود غرضی کا انمیں سخت نقص ہے۔ اصل بات یہہ ہے کہ انگریزوں کی قسمت میں فتحمندی لکھی ہے تو ہندوستان کے ہر باشندہ سے انہیں مدد پہنچ سکتی ہے۔ مگر شکست کی صورت میں انکی آبادی کا وہ حصہ جو انگریزوں کی قسمت کے ستارہ کے کبھی نہ ڈوبنے کا قایل نہیں ہے اپنے نئے آقاؤں اور فاتح قوم سے رابطہ و اتحاد قایم کرنے میں مستعجل ہوگا۔

بڑی شان و شوکت سے وہ دیار شمالی ہند آ رہے ہونگے۔

یورپین فوج کی بابت بحث کرنے میں پسند نہیں کرتا ہوں۔ کچھ تو انگریزی نیابات کی بنا پر میدان کارزار کے موقعہ کے بدل جانے کے متعلق مجھے شبہ ہے۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ انگلستان کے پولیٹیکل گروہوں کے خیالات کے باعث سے گورنمنٹ مذکور کے ارادوں کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔

اسکے بعد ہمکو ہندوستان کی دو سرحدوں کے مواقع کو دیکھنا چاہیئے نقشہ متعلقہ سے معلوم ہوگا کہ روس کی سرحد آج کہاں تک پہنچ گئی ہے گلگت کی قریب انگریزی اور روسی سرحدیں (۱۲۰) میل کا فاصلہ ہے۔ یہہ سرحد ہندوستان کے نہایت قریب ہے۔ دوسری سرحد کا فاصلہ کوئیٹہ تک (۵۵۰) میل ہے۔

بادی النظر میں اس نقشہ سے یہہ معلوم ہوگا کہ اس وسیع سرحد کا ایک انجام انگریزی سرحد گلگت کے نہایت قریب ہے جسپر دفعتاً حملہ ہو سکتا ہے۔ اور دوسری سرحد دور دراز فاصلہ پر ہی۔ جو چنداں کارآمد نہیں۔ لیکن در اصل یہہ خیال درست نہیں ہے۔ سرحد گلگت چند سر بفلک پہاڑوں اور دنیا کی بلند ترین و دشوار گذار دروں سے محفوظ ہے۔ بخلاف اسکے دوسری سرحد یعنی ہرات سے کوئیٹہ تک ایک شخص گاڑی میں بیٹھکر تمام راہ طے کر سکتا ہے۔ بلکہ محاصرہ کا ایک بھاری توپخانہ بھی آسانی سے پہنچا سکتا ہے۔ ہندوستان دفعتہً حملہ کے صدمہ سے محفوظ ہے۔ کیونکہ اسکی اولین سرحد کافی طور سے مضبوط اور مستحکم ہے۔ روس اور انگلستان کی سرحد کے مابین افغانستان اور نیم خود مختار اقوام کی ریاستیں واقع ہیں۔ انگریز ان درمیانی ممالک کو بطور سد کے خیال کرتے ہیں جو سرحد ہند سے روسی فوج کے حملوں کو رد کرینگے۔ فی الواقعہ اس ملک کو سرحدی ڈیفنس کا پشتہ خیال کیا گیا ہے جو مضبوطی کے لحاظ سے ایک قلعہ کے پشتہ سے کچھ کم نہیں ہے۔ عملی دشواریوں کے علاوہ

اسمیں قدرتی رکاوٹیں بھی موجود ہیں۔ روس کو امید ہے کہ وہ سدراہ قوموں کو یا تو اپنے ہراول میں تبدیل کر دیگا۔ یا کم سے کم اپنے ہمراہ لیکر آگے بڑھیگا۔ یہاں ہمیں ایک اور پیچیدگی کا حل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو یورپ کے ماہران جنگ کے خیالات سے کسقدر مختلف ہے یعنی اگر روس اور جرمن میں جنگ شروع ہو جائے تو چونکہ دونوں کی سرحدیں باہم ملی ہوئی ہیں۔ اسلئے میدان جنگ کا موقع اس سلطنت کے قلمرو میں پہنچے گا جسکی فوجی حس و حرکت کی سستی دشمن کو آغاز جنگ کا موقع دیگی۔ دوسرے الفاظ میں جسکی جنگی تیاریاں جلد درجہ تکمیل کو پہونچینگی وہی حملہ آور ہوگا۔ اب ایک اور پہلو سے دیکھیے اگر روس اور فرانس میں لڑائی ہو تو چونکہ ان دونوں سلطنتوں کے مابین جرمنی اور آسٹریا کی سلطنتیں واقع ہیں اسلیئے روس یا فرانس کو حملہ آور ہونے کے واسطے بحری رستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ فرانس نے کریمیا کی لڑائی میں کیا تہا۔

بادی النظر میں ایشیا کیحالت موخرالذکر (فرانس و روس کے مثال) سے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ روسی اور انگریزی سرحد کے مابین افغانستان و دیگر چھوٹی چھوٹی ریاستیں واقع ہیں۔ لیکن یورپ و ایشیا میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ کسی سلطنت کا اثنائے جنگ میں ثالث یعنی غیر فریقین جنگ سے بے سود رعایت اور بے لوث رہنا اس صورت میں ممکن ہے جبکہ وہ کافی طاقتور ہو۔ یا اسکے ملک کی طبعی صورت ایسی واقع ہوئی ہو کہ وہ ایک یا دو نوجنگ آزماؤں پر اثر ڈال سکے۔ مثلاً اگر ایران ایک اعلےٰ درجہ کی جنگی سلطنت ہوتی۔ تو جنگ ایشیا میں اسکا لحاظ کرنا پڑتا جیسا کہ ۱۸۷۷ء میں جنگ روس و روم میں آسٹریا کو وقعت حاصل تہی مگر ایران اور افغانستان کی سلطنتیں طاقتور نہیں ہیں۔ اسلیئے ہم انکو اصل معنوں میں ثالث سلطنتیں نہیں کہہ سکتے۔ روس اور انگریز جب چاہیں انکو فتح کرسکتے ہیں

بنا پر میں افغانستان ایک درمیانی ملک ہونیکے بجائے سلطنت ایشیا کی فیصلہ کرنیوالی
لڑائی کا میدان ہوگا۔ انگریز افغانستان کو اپنی سرحد کے آگے بمنزلہ سد کے خیال
کرتے ہیں۔ لیکن میں اس امر میں انکے ساتھ متفق نہیں ہوں۔ اگرچہ انگریز بظاہر
دوستانہ اوضاع رکھنے کے واسطے بہت سا روپیہ افغانستان کو دیتے ہیں۔ مگر اہل
افغانستان ہمیشہ انگریزوں سے نفرت کرتے رہتے ہیں قبل اسکے کہ انگلستان باخبر ہو
ہم افغانستان کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کر لینگے۔ انگریز اس وقت افغانوں سے اس
ہمسہ ملک کے چھڑانے میں مدد دینے کا بہت سا وعدہ کرینگے۔ لیکن ہم اسکے مقابلہ میں
صرف انکا فتح کیا ہوا ملک ہی انہیں پیش نہیں کرینگے بلکہ پشاور کے وادی اور
مزید براں انکی پرانی سرحد تک کا ملک انہیں عطا کرنیکا وعدہ کرینگے۔ علاوہ بریں
انکو ہندوستان کی قیمتی لوٹ میں شمولیت کا طمع بھی دلائینگے۔ ان فیاضانہ قیمتی عطیات
کا انپر کیا اثر ہوگا؟ بعض شاید کہیں گے کہ افغان انگریزوں کی گذشتہ عنایتوں
کے صلہ میں انکے ساتھ رہنا زیادہ پسند کرینگے۔ لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے دنیا
میں بالعموم ایشیا میں بالخصوص کونسی ایسی قوم ہے جو اپنے فوائد کی پرواہ نہیں
کرتی۔ اور پچھلے احسانات کے لیئے ہمیشہ گرویدہ رہی ہے۔

افغانستان کی سپاہ کے حالات کا یہاں قلمبند کرنا غیر موزون نہ ہوگا۔ کیونکہ فوج
یا تو انگریزی سرحد کے حق میں بطور ایک مضبوط سد کے ثابت ہوگی یا خوشی سے
لشکر روس کا ہراول بننا منظور کریگی۔

افغانستان کا دعوے ہے کہ اس وقت اسکے پاس ۰۰۴۴۳ باقاعدہ سوار اور
پیدلوں کے علاوہ ۱۸۶ توپیں مختلف کیلیبر کی ہیں۔ یہ سپاہ مارٹینی ہنری سنائڈر
اور انفیلڈ رائفلوں سے مسلح ہے۔ انکے واسطے گولہ بارود اگرچہ کابل میں بھی بنتا ہے
لیکن اسکا بہت سا ذخیرہ برٹش گورنمنٹ نے وقتاً فوقتاً کابل کو دیا ہے جو اسلحہ

انگریزوں نے تحفتاً امیر کو دیئے ہیں۔ یا خود امیر نے یورپ سے خریدے ہیں۔ انکی تفصیل
یہہ ہے۔ یورپ کی ساخت کی بھاری بھاری توپیں ۶۰- (۴۰۲۳۱۵) رائفلیں و قرابین
جنمیں سے اکثر سنائڈر اور مارٹنی ہنری قسم کی ہیں۔ اور صرف چند ایک برڈنی ہیں
ایس۔ ایچ گولی بارود کے (۲۰۰۰۰۰۰۰) دو کروڑ اور توپ کی گولہ بارود کی (۲۳۰۰۰)
راؤنڈ ہیں۔

بیقاعدہ سپاہ کی تعداد ۲۳ ہزار ہے۔ یہہ آباو اجداد کیوقت کی
پرانے فیشن کی لمبی نالی کی پتھر کلا اور دوسری بھدی بندوقوں۔ تلواروں اور
بھاری چھروں سے مسلح ہیں۔ انمیں دس ہزار سوار ہیں۔ جو مختلف قسم کے گھوڑے
اور ٹٹو رکھتے ہیں۔ اور یہ ایک موثر گروہ غارت گروں کا نظر آتے ہیں۔

ایشیا کے دونو جنگ آزما اس تاک میں ہیں کہ کوئی ایسا مقام قبضہ میں آجائے
جو جنگی یا پولیٹیکل پہلو سے معرکہ رزم کی کنجی ہو۔ لیکن ایسی حالت میں کسی کیواسطے
افغانستان کی باقاعدہ یا بیقاعدہ سپاہ سے قطع نظر کرنا دانشمندی سے بعید ہوگا۔
مجھے اسمیں بہت کم شک ہے کہ روسی لشکر پہلے ہرات بلخ اور فیض آباد کیطرف
حرکت کریگا۔ اور اس بارے میں جنرل کوروپاٹکن میری تائید کرتا ہے ہمیں دیکھنا چاہئیے
روسی سپاہ کتنے دنوں میں اور کسقدر جمعیت سے اس کام کو انجام دینے کے قابل
ہوگی بلاشبہہ ہرات اس لائن پر کیا پولیٹیکل اور کیا جنگی اور کیا خیالی حیثیت سے نہایت
ضروری مقام ہے۔ اگرچہ یہہ تینوں فوجی کالم ایک ہی وقت میں روانہ ہوں گے
لیکن بہر کیف ہرات کے کالم کیطرف خاص توجہ مبذول رہیگی۔
مرو میں ۲۰ رائفل پلٹن ہیں۔ چار عاشق آباد میں اور سرخس اور بند نیادنی
میں دو (میزان) ۸۰۲۳ پیادہ سپاہ۔ عاشق آباد مرو میں کاسک سواروں کی بھی
ایک ایک رجمنٹ ہے۔ اور سرحد پر چند چھوٹے چھوٹے دستے ترکمان سواروں کے بھی ہیں

ایک کوہی توپخانہ عاشق آباد میں۔ ایک میدانی توپخانہ مرو میں اور ایک کاساک اسپی توپخانہ کا کہیں ہے۔ کل التواپ کی تعداد ۴۳ ہے۔ یورپین اقوام کے خلاف روس کے اسپی توپخانہ کی ہر ایک باٹری میں ۸ توپیں ہیں۔ پس جسقدر فوج جمع ہو کر ہرات کو خطرہ میں ڈال سکتی ہے اسکی کل میزان ۶۸۰، پیادہ اور ۱۵۰۰ سوار ہے اور ۳۰ توپیں بھی اسمیں شامل ہیں۔

قلعہ ہرات کی سپاہ کی تعداد ۶۰۰۰ پیادہ اور ۱۲۰۰ سوار ہے۔ علاوہ بریں قلعہ میں ۱۷ توپیں ہیں۔ یہانکی قلعبندی ایک انگریزی انجنیر کے نقشے اور ہدایت کے مطابق کیگئی ہے۔ بھاری توپوں میں سے چھ اٹھارہ پونڈر سموتھ بور وصاف چھیدے ہیں۔ ۱۰ آٹھ انچ ہوٹزر۔ ۱۲-۴ پونڈ ہوٹزر ساخت کی ہیں۔ علاوہ بریں برٹش گورنمنٹ کیجانب سے چودہ ہزار سامان جنگ کی پٹیاں موجود ہیں۔

نقشہ دیکھکر جس چیز سے ناظرین کو حیرت ہوتی ہے۔ وہ ہرات کے دوسرے مقامات سے علیحدگی اور دوری ہے۔ بخلاف اسکے ٹیونس کاسپین ریلوے روسی نقل و حرکت کی سب سے بڑی معاون ہے۔ غالباً چند اعداد دیرے اس بیان کو زیادہ واضح کر دینگے۔

ہرات سے کابل تک بطور معلت یار ۵۰۰ میل کا فاصلہ ہے۔ اس سڑک کے بعض حصے ایسے ہیں جہاں سے توپخانہ نہیں گذر سکتا۔ ہرات سے قندھار تک ۳۶۹ میل اور کوئٹہ تک ۵۳۰ میل کی مسافت ہے۔ اگر بڑی تیز رفتاری سے بلا واسطہ پندرہ میل روز کے حساب سے کوچ کیا جائے تو ۳۴ روز میں کمک کابل سے ہرات پہنچ سکیگی کوئٹہ سے ۳۶ دنوں میں۔ اور یہ بھی اس صورت میں کہ تمام فوج کابل یا کوئٹہ میں جمع ہو اور ایک منٹ کے نوٹس پہ روانہ ہو جائے۔ اگر خود کابل حملہ کے خطرہ میں ہو تو فوج کمک کے پہنچنے میں کم سے کم ۳۶ روز لگیں گے۔

آؤ اب ہم یہ دیکھیں کہ ہماری اور روس کی فوجیں ان چھتیس دنوں میں کیا کچھ کر سکتی ہیں؟ پنجدہ[1] اور ذوالفقار کی فوجی چوکیوں سے ہرات ۱۳۳ میل دور ہے۔ مرو سے ۲۷۲ میل۔ مرو سے عاشق آباد تک بذریعہ ریل ۲۵۰ میل کا فاصلہ ہے سٹیشن دوشق[2] ان دونوں مقامات کے وسط میں واقع ہے۔

ایشیائی اقوام سے سابقہ پڑنے کی صورت میں جائز ہے کہ جس چیز میں ذرا بھی تامل یا توقف نظر آوے اسکو ترک کر دینا چاہیئے۔ اسلئے کمک کے انتظار کے بغیر فوراً پیشقدمی مناسب ہوگی۔ دو پیادہ رجمنٹیں اور ترکمانوں کی رجمنٹ سواران فوراً کوچ کرکے سربازی کی رجمنٹ کو ہمراہ لیکر دسویں دن پنجدہ پہنچکر سرحد کو عبور کرنیکے قابل ہو جائینگی علی ہذا القیاس عاشق آباد کی پلٹن سٹیشن دوشق پر اُتر کر براہ سرخس بارھویں روز سرحد ذوالفقار پر وارد ہو جائینگی۔ (۲۸۸۰) پیادہ سپاہ (۶۰۰) سوار اور ۸ توپیں پنجدہ سے براہ درہ بابا حرکت میں آئینگی۔ ذوالفقار سے ۴۸۰۰ پیدل سپاہ ایک ہزار سوار معہ ترکمان ملیشیا کے اور ۲۲ توپیں سلسلہ کوہ پاپین کے رستہ سے ذوالفقار کوشان گوریان کی سڑک سے یا درہ افضل کے سیدھے رستے سے پیشقدمی کرینگے۔ دشمن کی چوکیوں پر اس سپاہ کو جو معمولی وقفہ کرنا پڑیگا اُسکو مجرا دیکر ۲۲ روز کے بعد ۷۶۸۰ پیادہ فوج ۱۶۰۰ سوار اور ۳۰ توپیں وادی ہرات میں پہنچ جائینگی اس طرح ہمکو قلعہ ہرات کی سپاہ کو شکست دینے کے واسطے پورے ۱۴ روز مل جائینگے کیونکہ ۳۶ روز سے پہلے اہل قلعہ کے پاس ہرگز کمک نہیں پہونچ سکتی

میں خیال کرتا ہوں کہ روسی بہادری کی خوشامد کرنیکے سوائے میں کہہ سکتا ہوں

---

[1] مرو سے پنجدہ تک ۱۳۳ میل کا فاصلہ ہے۔

[2] عاشق آباد سے دوشق تک بذریعہ ریل ۱۲۵ میل۔ دوشق سے سرخس تک ۴۰ میل۔ دوشق سے ذوالفقار تک ۵۵ میل۔ پنجدہ سے ہرات تک ۱۴۰ میل۔

کہ ۱۹۰۰ میں فوج ۲۰۰ افغانی سپاہ کے واسطے کافی سے کہیں زیادہ ہے۔ خواہ موخرالذکر فصیل کے اندر ہی کیوں نہ لڑیں۔ اِس بارہ میں انگریزی لڑائیوں کے نتائج ہیری تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ جب کبھی انہوں نے بہادری اور جرات سے افغانوں پر حملہ کر دیا ہے۔ افغان اپنے مضبوط سے مضبوط مورچوں کو بھی چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں۔ شاید بعض کو یہ خیال گذرے کہ اِس پیشقدمی میں جو سخت دقتیں روسی فوج کو پیش آئینگی میں نے انکو خفیف ظاہر کرنیکی کوشش کی ہے۔ اِسلیئے ہمیں ہرات کے مسئلہ پر اور بھی زیادہ غور سے دیکھنا لازم ہے۔ ہرات کے متعلق اہل روس کے دماغوں میں انگریزی مصنفوں کے خیالات سمائے ہوئے ہیں۔

اگر ایران بجائے ایک مضبوط نیوٹرل (ثالث) یا ایک معتدل طاقت کی ہماری دوست سلطنت ہوتی۔ تو پھر ہرات کی حالت کے خاطر خواہ ہونے میں کچھ شک نہیں رہتا۔ دوشق سے سرخ۔ ذوالفقار اور وہاں سے ہرات تک کی سیدھی سڑک نہایت مخدوش حالت میں ہے۔ ویسے ہرات تک کی سیدھی سڑک اِس لیئے کم خطرناک ہے کہ وہ ایرانی سرحد سے دور دراز فاصلہ پر ہے۔ ہرات سے قندھار تک روس کی پیشقدمی کرنیوالی سپاہ کو ایک طویل راہ سے اور غالباً ایک دشمن ملک سے گذرنا پڑیگا۔ کوہ بلند پر انگریزی فوج کیل کانٹے سے لیس لڑائی کے لیئے بہمہ وجوہ تیار ہوگی۔ یہانکی فتح گو ہمارے لیئے نہایت کار آمد ہوگی۔ مگر اِس سے قندھار اور کوئٹہ میں لڑائی کے ہونے اور میدان نکل آئیں گے۔ شکست کی صورت میں ہماری تمام امیدوں پر پانی پھر جائیگا۔ جنگی پہلو سے کابل بہ نسبت ہرات کے زیادہ وقعت رکھتا ہے پس پھر کیوں ہم کابل کو چھوڑ کر ہرات کی طرف رُخ کریں؟ ہرات ایشیا کا ایک مشہور مقام ہے۔ اور اِسکے مفتوح ہو جانے سے ہمکو لڑائی سے بہت تقویت پہنچ سکتی ہے۔ ہرات جنگی اصولوں کے مطابق خواہ چنداں ضروری نہ ہو۔ مگر اِسکے قبضہ میں

آنیسے تمام ایشیا میں روس کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائیگی لیکن شکست پانچ کرکے واپس دینے کی صورت میں روس کی ناموری کو اسیقدر نقصان پہنچنیکا اندیشہ ہے۔ پاسہ پھینکا جاچکا ہے اور ہم ضرور ہرات کیطرف بڑھیں گے۔ اگر انگریزوں نے ہرات کے چھڑانے کی کوشش کی تو وہ اسمیں ایسی سرگرمی سے مصروف ہونگے جس سے ایشیا میں انکی طاقت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اگر انہوں نے ہرات کو اپنی قسمت کے حوالہ کردیا۔ جو ایک محفوظ اور فوجی اصول کے مطابق ہوگا۔ تو انگریز اپنی سرحد ہند کے قریب گو اسقدر جوش سے نہیں مگر خوب جمکر لڑینگے۔ مجھے خیال پیدا ہوتا ہے کہ غالباً انگریز ان دو نوامور کے بین بین میں رہنا پسند کرینگے یعنے چند انگریزی افسروں کو قلعہ ہرات کی فوج کی کمانڈ کے واسطے بھیجدیں گے انگریزی افسروں کا ایک ایسا گروہ نہایت تیزی سے جبکہ راہ میں گھوڑے انکے سفر کے لیئے تیار ہوں۔ اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں جو بحساب ۵۰ میل روزانہ سفر کرسکتا ہے ۔۔۔ روز میں ہرات پہونچ سکیں گے۔

اس طرح انگریزی افسروں کو روسی لشکر کے پہنچنے سے بارہ روز پہلے قلعہ ہرات کو مضبوط و مستحکم کرنیکی فرصت ملجائیگی۔ لیکن جب انگریزی افسر ہرات کے بچانے کے لیئے آپہونچیں گے تو اس وقت ہم کو بھی سمجھ سوچکر پوری تیاریوں اور بہت سے لشکر کے ساتھ پیشقدمی کرنے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن مجھے اسمیں شک ہے کہ انگلش گورنمنٹ اپنے افسروں کو ہرات روانہ کرنے پر رضامند ہوگی۔ کیونکہ خواہ انگریزوں کا ڈیفنس کیسا ہی مضبوط کیوں نہ ہوتا ہم وہ جنگی اصولوں کے مطابق کبھی پانچسو میل آگے جاکر خطرہ میں مبتلا ہونا پسند نہ کریں گے۔ روسی لشکر کے قرب اور انگریزوں کی عدم مداخلت کی وجہ سے ہرات بڑی آسانی سے ہمارے قبضہ میں آجائیگا۔

ہماری تنگی لائن پر راستہ کیا ہے جہاں فوجیں آباد ہیں بلخ کی طرف پیشقدمی کرنے میں ہمیں بہت کم رکاوٹیں پیش آنی ہیں۔ زیادہ وضاحت سے بیان کرنے سے پہلے ہمیں یہ اندازہ لگانا چاہیئے جو روسی سپاہ اس لائن پر بڑھنے کیلئے تیار ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے (سمرقند و کاٹی کرگان) ۵ پلٹنیں آرٹلری تین پلٹنیں (چار جرنیل) ایک پلٹن علاوہ بریں انکی امداد کیلئے پیٹرو الگزنڈر میں بھی دو پلٹنیں ہیں۔ سمرقند میں مزید براں ایک رجمنٹ کاسکوں کی دو میدانی اور ایک پہاڑی توپخانہ اور ایک کاسکوں کا ایک توپخانہ ہے۔ لوکل سپاہ کے چھوٹے چھوٹے دستے بھی مختلف مقامات میں ہیں۔ قصہ مختصر ۸۶۴۰ پیادہ ۹۰۰ سوار ۳۸ توپیں پچیس روز کے سفر کے بعد بلخ کے بالمقابل پہنچ سکتی ہیں۔

اب ہمیں امیر کے مقابلہ کی طاقت کو دیکھنا چاہیئے۔ افغانستان کے صوبہ ترکستان میں بلخ جسکا دار الخلافہ ہے ۴۸۰۰ باقاعدہ پیدل و سوار اور ۳۰ توپیں ہیں بیقاعدہ فوج میں دو ہزار سوار اور تین ہزار پانسو پیدل ہیں کل ۱۲ ہزار فوج بلخ ہمارے مقابلہ کے لیئے آمادہ ہے لیکن کابل یہاں سے ۳۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں سے بہت جلد کمک پہونچ سکتی ہے۔ غالباً قلعہ کابل میں دس ہزار باقاعدہ اور ساڑھے چار ہزار بیقاعدہ سپاہ اور ۶۰ توپیں ہونگی۔ اس امر میں شک ہے کہ امیر اس فوج کو بلخ بھیجنا پسند کرینگے یا نہیں۔ ظن غالب ہے وہ پانچ ہزار فوج بامیان کی حفاظت کے لیئے بھیجینگے جو کابل کا درہ ہے۔ چونکہ دار الخلافہ کابل سازشوں کا گھر ہے اسلیئے امیر اپنی کل یا فوج کا زیادہ حصہ کابل کے دروازوں سے باہر بھیجنا خلاف مصلحت تصور کرینگے۔

پس لڑائی کی یہ صورت ہوگی روسی سپاہ ساڑھے ۹ ہزار معہ ۳۸ توپوں کے افغانی فوج بارہ ہزار جسمیں بیقاعدہ بھی شامل ہیں۔ اور ۳۰ توپیں

اِس جنگ کا نتیجہ مشکل سے مشتبہ ہو سکتا ہے۔ اگر شکست سے محفوظ رہنے کی کوشش لیجائے تو ہمیں ذرا بھی وقت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اِس لائن میں فوج کا پیشقدمی کرنا چنداں ضروری نہیں ہے۔ بلخ کیطرف بڑھنے والی سپاہ کمک کا انتظار کر سکتی ہے نیز وہ فتح ہرات کی خبر سننے کی بھی منتظر رہ سکتی ہے جس سے افغانوں کے جی چھوٹ جائینگے اور روسیوں کے حوصلے بڑھکر ایک سے دو چند ہو جائیں گے۔

اب بدخشاں کے روسی دستہ کو لینا چاہیئے جنکا منشا فیض آباد پر بڑھنا ہوگا جسقدر روسی فوج اِس جنگ کے واسطے بہم پہنچ سکتی ہے وہ یہ ہے:۔ (تاشقند) ۴ پلٹنیں مع انجنیر و نکی نصف پلٹن کے۔ کاسکوں کی ایک رجمنٹ۔ ایک میدانی توپخانہ کل ۴۲۳۰ سپاہی۔ اور ۸ توپیں (مارگیلان) ۴ پلٹنیں۔ ایک رجمنٹ کاساک۔ ایک میدانی اور ایک پہاڑی اسپی توپخانہ کل ۹۰ ۴ ۴ سپاہی۔ اور ۱۴ توپیں (انڈیمان) ۹۶۰ سپاہیوں کی ایک پلٹن (کوکند)۔ ۹۶۰ سپاہیوں کی پلٹن۔

اِس سپاہ کو امسک کی فوجی ضلع سے امداد ملسکتی ہے۔ یہاں سات پلٹنیں ۴ سوار و نکی رجمنٹیں۔ پانچ توپخانے اور ایک کمپنی سفرمینا کی موجود ہے نیز سائبیریا کی ۴ پلٹنیں۔ آٹھ کاساک رجمنٹیں بھی اِس فوج کی پشت پر ہونگی۔

اِس طرح دس ہزار سپاہ فیض آباد کیجانب بڑھیگی تھوڑے عرصہ کے بعد ایک چھوٹا سا فوجی دستہ جو دو پلٹنوں۔ ایک پہاڑی توپخانہ اور ایک کاساک سکوڈرن پر مشتمل ہوگا۔ پامیر سے حرکت میں رہیگا۔

تاشقند سے فیض آباد تک کا فاصلہ حسب ذیل ہے: تاشقند سے سمرقند ۲۰۰ میل۔ سمرقند سے جانگیلہ (دریائے آکسس پر) ۲۷۰ میل۔ جانگیلہ سے فیض آباد ۹۰ میل۔ ۵۶۰ میل راہ طے کرنے کے واسطے ضروری وقفوں سمیت ۴۶ روز لگاتار سفر کرنا پڑیگا۔ بہرکیف ۵۲ روز سے پہلے ہم اِس دستہ کو فیض آباد پہنچنے کی توقع نہیں

کرسکتے۔ دستہ مذکور کے مقابلہ میں امیری فوج کا تخمینہ یہہ ہی۔ باقاعدہ فوج بدخشاں میں ۴ پلٹنیں۔ ۲ سواروں کی رجمنٹیں تین توپ خانے۔ یا تقریباً ۳۲۰۰ سپاہی اٹھارہ توپیں۔ تیرہ سو بیقاعدہ فوج کل ۴۵۰۰ سپاہی۔ اور ۱۸ توپیں۔

یہہ تمام دستے جو تین مقامات کو روانہ ہونگے محفوظ سپاہ کے ہیں۔ انکی علاوہ سپاہ امداد ابھی جا سکتی ہے۔ جسکا عقب میں ہونا ضروری ہے۔ ہرات کالم کو رسد اور کمپ کا تمام انحصار ٹرینس کاسپین ریلوے پر ہے کالم بلخ کو دریائے آکسس کے فلوٹیلا سے بادا ور ریلوے مذکور اعانت ملیگی۔ دستہ فیض آباد کو سامان رسد بخارا اور ترکستان سے اور فوجی کمک ضلع اسا کے سے روانہ کیجائے گی۔

کوراٹیکن میں چالیس ہزار سپاہ مستعد جدال و قتال موجود ہے۔ اگر محفوظ لشکر بھی اسمیں شامل کر دیا جائے تو یہہ تعداد ۰۰۰، لیعنے تقریباً دگنی ہوجاتی ہی " سکوبلاف کا جنگی تخمینہ اس سے بہی کم ہے۔ اسکے خیال میں گو اٹھارہ ہزار سپاہ سے ہندوستان پر حملہ ممکن ہے لیکن خطرہ سے خالی نہیں۔ ال پچاس ہزار فوج سے ہندوستان کی نہایت محفوظ اور قابل اطمینان مہم ہوسکتی ہے" لیکن اس وقت خود سکوبلاف تنہا بیس ہزار آدمیوں کے برابر تھا۔

بخلاف اسکے سر چارلس میگگریگور اور دیگر انگریزی مصنفوں کی رائے میں ہندوستان پر حملہ کرنیکے لیئے کم سے کم ایک لاکھہ فوج کی ضرورت ہی۔ غالباً یہہ آخری تخمینہ زیادہ محفوظ سمجھا جائیگا۔ اگرچہ یہ مہم تھوڑی سی فوج سے بہی شروع کیجا سکتی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہمارے سکیم سے ظاہر معلوم ہوگا ہندوستان کا فتح کرنا آسان کام نہیں ہے ؛

ہم یہاں آسانی کے واسطے روس کے تینوں کالموں کی منزل مقصود تک پہنچنے کے تخمینوں کو مکرر تلخیص کرتے ہیں۔ ۹۱۸۰ سپاہی اور ۳۰ توپیں ۲۲ روز کے

سفر کے بعد ہرات پہنچے گی۔ ۵۰۰۰ سپاہی ۳۰ توپیں ۲۵ دنوں کے بعد بلخ۔ دس ہزار سپاہ (اگر ضرورت ہو) اور ۲۰ توپیں ۵۲ روز سفر کرکے فیض آباد وارد ہونگے۔ انگریزوں کے ارادوں پر غور کرنے کے وقت پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پولیٹیکل یا جنگی مصالح کو علیحدہ علیحدہ اثر ڈالنے کی اجازت دیجائے گی۔ یا وہ دونوں سے کام لینا پسند کیا جائیگا۔ ہرات سے قطع نظر اب میں کابل کی مثال پیش کرتا ہوں۔

کابل پشاور سے ۱۸۰ میل کی مسافت رکھتا ہے۔ فی الواقع یہہ ایک طول طویل درہ ہے۔ جنکے آس پاس وحشی قومیں رہتی ہیں۔ جنکو دشمن بنتے ذرا دیر نہیں لگتی فوج کابل کو اس درہ کے ذریعہ سے امداد یا رسد کا بھیجنا درانحالیکہ قرب وجوار کی قوموں کی بغاوت اور غارتگری کا کھٹکا لگا ہوا ہو۔ نیز جبکہ روس بھی فیض آباد و چترال میں آپہنچے۔ بہت مشکل نظر آتا ہے۔ انگلش ملٹری رائے کے خیالات کے مطابق صرف یہی بات کابل کی تائید میں کہی جاسکتی ہے کہ اسکا قلعہ جنگی اصولوں کے لحاظ سے نہایت مضبوط ہے۔ ذراسی توجہ اور گرد نواح کے پہاڑوں کی مورچہ بندی اور تیس سے چالیس ہزار تک سپاہ کے تعینات کردینے سے قلعہ کابل ناممکن التسخیر بن جائیگا لیکن مجھے اسمیں شک ہے اور آیندہ اعداد سے اسکی تائید بھی ہوسکتی ہے کہ باوجود افغانوں کی اعانت کے اسقدر فوج کابل میں فراہم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہہ تو خاص جنگی پہلو سے اعتراض وارد ہوتا ہے اگر پولیٹیکل حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو بعض انگریزی مدبروں کے قول کے موافق انگلستان خواہ کچھہ ہی کیوں نہ ہو افغانستان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اگر جنگ شروع ہونے کے وقت انگلستان کی عنان حکومت ایسے ہی خیال کے مدبرین کے ہاتھوں ہو۔ اور انگلستان امیر کی حفاظت کی نیت سے افغانستان کی انتہائی سرحد پر اپنی فوج لیجائے۔ تو اس صورت میں آخری لڑائی کا نتیجہ دیر تک مشتبہ نہیں رہیگا جب تک انگلستان اس بات کو اچھی طرح

نہیں سمجھ لیگا کہ روس جب چاہے نصف افغانستان پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اور دو رخہ
امیر اور اسکی سرتا پا دغا باز مکار رعایا کو گانٹھ کر لینے سے اپنا کام نکال سکتا ہے۔
تب تک اسے اپنے آپکو محفوظ تصور نہیں کرنا چاہیئے۔ انگلستان امیر کو کچھ سہارا
دینے کے علاوہ اسکے خزانہ کو روپیہ سے مالا مال کر رہا ہے۔ اور اسکے سلحخانہ میں رائفلیں
اور بندوقیں بھیج رہا ہے۔

انگریزوں کے کابل میں آنے پر اسکی سپاہ کا اندازہ کرنا ضروری ہے۔ روس کی
پیشقدمی کا پہلا جواب انگریزوں کی جانب سے یہہ ہوگا کہ قندہار پر قبضہ کرکے وہاں تک
ریلوے کو پہنچائینگے۔ اسکے علاوہ دیگر تجاویز کچھہ لاینحل سی ہیں۔ وہ غزنی یا کابل یا
کم سے کم جلال آباد اور چترال پر تسلط کر سکتے ہیں۔ یہہ بھی ممکن ہے کہ پیچھے کیطرف
ہٹ جائیں۔ اور پشاور۔ اور بنوں میں سپاہ کو متعین کرکے روس کو دشمنوں پر
بند کردیں۔ تیسری صورت یہہ ہے کہ افغانستان اور ہندوستان دونو مقامات میں
دشمن کو روکنے کی قطعی تجویز قرار پا جائے۔

انگریز یقیناً غزنی کیطرف بڑھینگے جو کابل سے اچھی خاصی مسافت رکھتا ہے۔
لیکن قندھار کی کمک سے دور نہیں ہے۔ مقابل سے ہزارہ پہاڑیوں نے اسکو نا قابل
گذر مقام بنایا ہوا ہے۔ اسکا قلعہ بنوں سے بھی تعلق ہے۔ جہانتک ریلوے پہنچنے
والی ہے۔ غرضکہ قندھار کے بعد غزنی بھی ایک مضبوط جنگی مقام ہے۔ جہاں انگریز اپنی
سپاہ کو بچا سکتے ہیں۔

کابل میں افغانستان کی سپاہ دار الخلافہ کی محافظت کریگی۔ انگریز جلال آباد اور
گندمک کی زبردست مورچہ بندی کرینگے۔ جہاں سے کابل کو امداد پہونچ سکتی ہے
لیکن افغانی سپاہ کی پوری حفاظت تبھی ہوسکتی ہے جب چترال کا ناکہ بھی
مضبوطی سے بند کیا جائے۔

اگر ضرورت کے وقت اس کام کے خیال سے پشاور میں پہلے ہی سے مورچہ بندی
کر لیجائے تو اس لائن پر انگریزوں کیلیئے ایک اور مفید بات ہوگی۔

چترال کے متعلق مجھے چند شبہات ہیں۔ یہہ جنگی پہلو سے ایک نہایت مستحکم
مقام ہے لیکن انگریز درمیانی قوموں کی مخالفت کی وجہ سے یہانتک آمد ورفت
کے واسطے کوئی محفوظ سڑک نہیں بنا سکے۔ اسلیئے چترال پر قبضہ کرنا فوجی اصولوں
کے مطابق سخت خطرناک ہے۔ اور انگریزی فوج کا وہاں رہنا چندان مفید نہ ہوگا۔
شکست کی صورت میں اسکو گلگت بھاگ آنا پڑیگا۔ اسطرح جلال آباد اور پشاور کے
رستے دشمنوں پر کھل جائینگے۔ چترال اور ہندوستان کے مابین جو قومیں آباد ہیں
وہ بلا حفاظت رہجائینگی۔ اور غالباً وہ بڑی خوشی سے حملہ آوروں کے ساتھ شامل
ہوجائینگی۔ اور ہماری قلیل فوج کو وادی پشاور کا رستہ بتانے میں بدرقہ کا کام
دینگی۔

اب ہمیں دونوں سلطنتوں کی سرحدی ریلوے کی نسبت اس پیش بینی کے ساتھ
غور کرنا چاہیئے کہ آیندہ کس جانب کو انکو وسعت دیجائیگی۔ ٹرانس کاسپین ریلوے
عاشق آباد سے سمرقند تک پہنچگئی ہے جسطرح ہندوستان کی ریلوے دریائے سندھ
سے گذر کر سرحد کو گئی ہے۔ اسی طرح یہہ روسی لائین بھی سیدھی جنگی اصولوں پر
بنائی گئی ہے۔ صرف ایک لائین اورنان اڈا نامی اس سے پیوستہ ہے۔ اور دریائے
سندھ کی ریل سے لاہور پشاور لائن اور اسکی شاخیں مثلاً راولپنڈی سے خوشحالگڈہ
وزیر آباد سے کالاباغ اور لاہور ملتان لائن ملی ہوئی ہیں۔ اور بحری رستہ سے
کراچی بھی لائین مذکور سے پیوستہ ہے۔

جنگی لحاظ سے صرف وہی ریلوے کارآمد کہی جاسکتی ہے۔ جو پیش نظر مقام
کے کرجسپر قبضہ کرنا مطلوب ہے متوازی چلے اور بہت دور نہ ہو۔ کیونکہ اس طرح اسپر

دشمن کے مسلط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور نہ عقب سے بہت فاصلہ پر ہو۔ ایسی ریلوے
وسط میں ہونی چاہئیے بشرط امکان لمبائی میں یہہ لائن کسی سلسلہ کوہ یا دریائے
ناقابل گذر و ذخار سے محفوظ ہو۔ اس قسم کی لائن مختلف حصّوں کی سپاہ میں تعلق
پیدا کرنے اور انسے فائدہ اُٹھانیکا باعث ہو سکتی ہے۔ ریلوے مذکور کو زیادہ جنگی بنا
پر قائم کرنے کے لیئے صرف یہی ضروری نہیں کہ عقب میں بہت سی محفوظ شاخیں نکالی
جائیں۔ بلکہ مقابل میں بھی دو تین جگہہ زاویہ نما شاخیں نکالنی ضروری ہیں عقب
میں یہہ مسلسل تقاطع کرنے والی چھوٹی چھوٹی لائنیں بنانے والوں کے حق میں نہایت
مفید ثابت ہونگی۔ اور دشمنوں کو اِنسے کچھہ بھی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ
شکست کی صورت میں ہزیمت یافتہ گروہ بہت سے انجنوں اور گاڑیوں کو اپنے
ساتھہ لیجائیگا۔ علاوہ بریں چھوٹی چھوٹی لائنیں دشمنوں کی بہت بڑی فوج کی حس و
حرکت کے واسطے چنداں کارآمد ثابت نہیں ہو سکتیں۔

نظر بریں حالات ہمیں روس اور انگریزوں کی ریلوں کا باہم مقابلہ کرنا چاہئے
جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جاچکا ہے۔ روس کیجانب پیش صرف ایک لائن ہے جو کیسپین سے
دوشاک کو جاتی ہے اور سیدھی ایرانی سرحد سے گذرتی ہے۔ ایسے نازک وقت پر
سلطنت مذکور کا مخالفانہ رویہ اختیار کرنا ناممکن نہیں ہے۔ دوشاک سے سمرقند تک
لائن کا حصہ جنگی لحاظ سے عمدہ ہے۔ لیکن ساتھہ ہی چارجوئی کے پل کے بار بار ٹوٹنے کا
اندیشہ لگا ہوا بھی برابر ہے۔ اسمیں ایک اور نقص بھی ہے یعنی یہہ سلسلہ چھوٹی
چھوٹی شاخوں سے ملا ہوا نہیں ہے۔ روسی ریلوے کو مکمل بنانے کیلیئے مندرجہ ذیل چند
برانچوں کے نکالنے کی ضرورت ہے (۱) دوشاک (یا مرو) سے ذوالفقار (پنجدہ)
تک (۲) چارجوئی سے کلفت تک (۳) سمرقند سے جانکیانہ تک ۔ موخر الذکر لائن پر
بہت روپیہ صرف ہوگا۔ ارال سے چارجوئی تک بحری اتصال کے علاوہ ایک ریلوے

لائین کا بھی اضافہ ہونا چاہیئے۔ آخر کار اِن لائنوں کو ہرات بلخ اور فیض آباد تک وسعت دیجائے۔ اِن سب مدارج کو طے کرنیکے بعد روسی ریلوے جنگی اصولوں کے لحاظ سے بہمہ وجوہ مکمل ہوجائیگی۔

انگلش ریلوے دریائے سندہ سے محفوظ ہے سکھر کی لائن بعض وجوہات سے دریا کے دوسرے کنارہ پر رکھی گئی ہے سکھر کا پل پولیٹکل حیثیت سے نہایت وقیع ہے اسکے ہاتھ سے نکل جانے کے یہ معنی ہونگے کہ بندرگاہ کراچی پر سے قبضہ جاتا رہا۔ اِس لائن کا ایک حصہ مابین اٹک ونکالاباغ کے ابھی مکمل نہیں ہوا۔ انگریزی ریلوے سسٹم میں جن اضافوں کی ضرورت معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) چمن سے قندہار تک (۲) دریائے سندہ سے بنوں اور شائد غزنی تک پشاور سے جلال آباد یا گندمک تک۔

دونوں سلطنتیں جہانتک اِن شاخوں کو وسعت دینگی اسی درجہ تک ہم انکو لڑائی کے واسطے آمادہ کہہ سکیں گے۔

مسٹر کرزن نے ایران میں اجرائے ریلوے کے متعلق اس امر پر زور دیا ہے کہ انگریزوں کو جنوبی ایران میں اپنے اثر سے کام لینا چاہئیے تاکہ وہ چمن سے براہ سیستان خلیج فارس یا دریائے کارون تک ریلیں بنا سکیں۔ اس خطی لائین کی جنوبی شاخیں گویا دریا بحر ہند کے کسی حصہ سے اور شمالی شاخیں بیرجند یا مشہد سے ملا دینی چاہئیں۔ اگر انگریز اس ریلوے کے بنانے میں کامیاب ہوجائیں تو جنگی مسئلہ جسپر ہم غور کر رہے ہیں سرے سے پاتک بدل جائیگا۔ لیکن دانائی امر با تکی مقتضی ہے کہ ہم اس وسیع سلسلہ ہی کو نہ چھوئیں جسکو موجودہ حالت میں محض خیالی کہنا بیجا نہ ہوگا۔

ایک روسی مدبر کے خیال میں جنگ شروع ہونے پر انگریز اس سے بہتر کوئی

صورت اختیار نہیں کرسکتے کہ قندھار پر قبضہ کرکے ریلوے کو کوئٹہ سے وہاں تک لیجائیں اور قندھار کے قلعہ کو انتہا درجہ کا استحکام دیں۔ یا کم سے کم مورچہ بندی کرکے اسکو فوجی کمک قرار دیں۔

میرے خیال میں انگریز قندھار میں متوقف نہ ہونگے بلکہ فوراً ہلمند کیطرف حملہ آور ہونے یا مدافعت کرنیکے خیال سے بڑھیں گے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ جنگ کا انگریزی سپاہ کے لیئے نہایت مبارک ثابت ہوا ہے اور پنکورٹ پانکسٹر سن پنشولر اور واٹرلو کے معرکوں میں اسی طرح انگلستان نے کامیابی حاصل کی ہے انکے سوار فوراً ہمیں روکنے کیلیئے آگے روانہ ہونگے اور غالباً ہرات اور ہلمند کے وسط میں روسی لشکر کو دیکھکر صف ہائے جنگ آراستہ کردینگے۔ عین اسوقت انگریزوں کے دو اور دستے ایک بنوں سے غزنی کیطرف اور دوسرا پشاور سے کابل کیجانب حرکت میں آئیگا۔

انگریزوں کے ان تینوں دستوں کے لیئے ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ کسقدر سپاہ بہم پہنچ سکتی ہے۔ روسی اور انگریزی اہل الرائے نے تخمینہ کیا ہے کہ ہندوستان میں امن قائم رکھنے کے واسطے جسقدر سپاہ کی ضرورت ہوسکتی ہے اس سے قطع نظر باقی ایک لاکھ فوج سرحد کے بچانے کے واسطے دستیاب ہوسکتی ہے۔ فوج ہند کی تازہ فہرست یعنی آرمی لسٹ کے معائینہ سے معلوم ہوگا کہ یہہ تخمینہ مبالغہ آمیز نہیں ہے۔ ہم روسی لوگ جو انگریزی سپاہ کو ناکارہ سمجھنے کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ جب ہم یہہ سنتے ہیں کہ انگریز اگر زیادہ نہیں تو اسیقدر سپاہ سرحد پر لاسکتے ہیں جسقدر ہم انکے سرحد ہند پر حملہ کرنے کے لیئے بھیجیں گے۔ تو ہمکو سخت حیرت ہوتی ہے۔

حسب ذیل فہرست میں ہم صرف اُسی فوج کا ذکر کرینگے۔ جو اینگلو انڈین

سپاہ میں لڑائی کے واسطے نہایت عمدہ تصور کیجاتی ہے۔ بنگال و بمبئی کی تمام سپاہ اور مدراس کی فوج کے کچھہ حصہ کو ہندوستان میں قلعوں کی حفاظت پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ ریاستوں کی امپیرئیل سروس فوج شاید آمدورفت کے رستوں کی حفاظت پر تعین کیجائے گی۔ گو پالیسی کی ضروریات سے یہ بات اغلب معلوم ہوتی ہے کہ انسے عین لڑائی میں کام لیا جائیگا۔

مدافعت کرنے یا حملہ آور ہونیکے لیئے کوئیٹہ میں جسقدر سپاہ بہم پہنچکتی ہے اسکی تفصیل راجن پور اور ڈیرہ غازیخاں کی فوج سمیت یہہ ہے ساڑھے نو ہزار پیادہ۔ تین ہزار سوار۔ ۲۴ توپیں اور ایک کمپنی سفر مینا کی۔ بنوں میں جسمیں کوہاٹ و ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی سپاہ شامل ہو۔ تریسٹھہ سو پیادہ۔ بارہ سو سوار۔ ۶ توپیں اور پشاور میں بمعہ نوشہرہ و ہوتی مردان پچہتر سو پیدل۔ پندرہ سو سوار اور ۶ توپیں ہیں۔

وہ تین بڑھنے والے دستے بالخصوص مندرجہ بالا فوج سے ترتیب دیئے جائینگے انکی کمک میں کثیر التعداد قلعوں کی سپاہ ہوگی جنکا سلسلہ قلب بنگال تک پہنچا ہے چونکہ انگریز ہندوستان کے قبضہ کو بزور شمشیر خیال کرتے ہیں۔ اسلیئے سپاہ جابجا ملک میں پہیلا دیگئی ہے۔ ان قلعوں کی سپاہ بتفصیل ذیل ہے۔ راولپنڈی ڈویژن بمعہ ایبٹ آباد دس ہزار پیادہ۔ تین ہزار سوار۔ ۶۰ توپیں۔ لاہور ڈویژن بمعہ ملتان۔ فیروزپور۔ امرتسر۔ سیالکوٹ و دہرمسالہ۔ ۱۲ ہزار پیادہ۔ ۲ ہزار ۴ سو سوار اور ۶۰ توپیں۔ راولپنڈی ڈویژن پشاور کے بہت قریب ہے۔ ریل میں جانے سے چھہ گھنٹہ کا فاصلہ رہجائیگا۔

لاہور ڈویژن گو کسیقدر دور ہے لیکن بذریعہ ریل کوئیٹہ سے ملحق ہے۔ اسلیئے اسکو بھی ایک اعانتی ڈویژن تصور کرنا چاہیئے۔

لاہور سے کلکتہ تک کی بڑی سڑک پر نظر ڈالنے سے مفصلہ ذیل مزید سپاہ کا پتہ لگتا ہے۔

ضلع انبالہ ۵ ہزار پیادہ - ۲ ہزار سوسوار اور بارہ توپیں - میرٹھ ڈویژن ۰۰ ۴ پیادہ - ۲ ہزار سوسوار - ۲۴ توپیں - ایک کمپنی سفر مینا کی - یہاں پانچ کمپنیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے ضلع لکھنؤ بمعہ چھاؤنی ۵۰۰، ۷ پیادہ - ۳ ہزار پانچ سو سوار - ۳۰ توپیں (الٰہ آباد) ڈویژن بمعہ آگرہ و جھانسی) ۱۱ ہزار پیادہ - ڈیڑھ ہزار سوار ۲۴ - توپیں - پس جسقدر انگریزی فوج میدان جنگ میں آنیکے قابل ہے - اسکی میزان ۱۰۵۰۰۰ (ایک لاکھ پانچ ہزار) سپاہ اور ۲۰۴ توپیں ہیں۔

ممکن ہے کہ یہہ اعتراض کیا جائے کہ ہمنے کراچی اور انگلنڈ کی امدادی سپاہ کا ذکر نہیں کیا - لیکن لارڈ ونچ کی کمیٹی کے سامنے جو شہادتیں دیگئی ہیں - اُنسے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان موقعہ جنگ پر ہندوستان کو مطلق امداد نہیں دیسکتا اور ہندوستان کے اچھی طرح کان کہولدئیے گئے ہیں کہ اگر اسکو کسی سے لڑنا پڑا تو اُس وقت اُسکو صرف اپنی ہی طاقت پر بہروسہ رکہنا چاہئیے - لیکن اُسنے یہہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ہندوستان کی گورہ سپاہ یا اُسکا جو حصہ ولایت میں ہے اُس سے میدان جنگ میں کام نہیں لیا جائیگا۔

ہندوستان کی گورہ سپاہ مقیم ولایت کراچی پہنچکر بذریعہ ریل تمام ملک میں جہاں ضرورت ہو تقسیم ہو جائینگے - محفوظہ سپاہ تربیت یافتہ اور دیسی فوج سے نہایت قریب ہی - یہہ ایک لاکھ سپاہ جسطرح ہندوستان کی حفاظت پر مامور کیجائیگی اسکی نسبت میں قیاساً کہہ سکتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ سب سے پہلے ۴۰ ہزار سپاہ اور مناسب توپخانہ کو کوئیٹہ سے قندہار کیطرف حرکت کرنیکا حکم دیگی - میں اس نتیجہ پر حسب ذیل وجوہات سے پہنچا ہوں - (۱) صرف یہی ایک راستہ ایسا ہے بڑی بڑی فوجوں

[پر]سے گذرنے کے لایق ہے۔ اور عظیم الشان معرکہ جنگ کے واسطے بھی اس سے بڑھکر کوئی
موزون مقام نہیں ہوسکتا۔ (۲) کوئٹہ و قندہار کے قریب مورچہ بندی کیئے ہوئے
چھاونیوں سے سپاہ بہ آسانی سے ملسکتی ہے۔ (۳) قندہار کی سپاہ صرف ایک ہی
لائن پر کام نہیں آئیگی۔ بلکہ وہ کمال حفاظت سے براہ سڑک یا چکر کہا کر بذریعہ ریل بقیہ
دو کالموں کی کمک کے واسطے بھی جا سکتی ہے۔ یہہ چالیس ہزار سپاہی غالباً سہولیت
کے خیال سے اِس طرح جمع کی جائے گی۔ ساڑھے بارہ ہزار کوئٹہ سے ۱۶ ہزار چارسو
لاہور سے ۶۲۰۰ انبالہ سے ۷۲۰۰ میرٹھ سے میزان کل ۴۲ ہزار تین سو۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ تیس ہزار سپاہ قندہار میں اور دس ہزار کوئٹہ
میں متعین کیجائیگی تو اس امر کا سرسری اندازہ کرلینا ہوگا کہ یہ سپاہ کسقدر عرصہ
میں مقامات مذکور میں پہونچیگی۔ کوئٹہ کا دستہ ڈیرہ غازیخاں اور راجن پور کے
رستے سے چھٹے دن قندہار جا پہنچیگا چمن سے قندہار ساٹھ میل ہے اور کوئٹہ سے
چمن تک بذریعہ ریل چالیس میل کا فاصلہ ہے۔

مسٹر ڈیوڈراس کے قول کے مطابق جو ہندوستان کی ریلوں کے متعلق
خصوصیت سے تجربہ رکھتے ہیں۔ اگر آٹھ سپیشل ٹرینیں ہر روز چھوڑی جائیں
تو انہیں ۲۱۶۰ سپاہی معہ شاگرد پیشہ گھوڑوں و توپ اور جنگی سازوسامان
کے جا سکتے ہیں۔ لاہور میں اطراف وجوانب کی جمع شدہ فوج جنگی تعداد ۱۶۴۰۰
ہوگی آٹھ روز میں مقام جنگ کے پاس پہونچ سکتی ہے۔ تین روز ریلوے پر سفر کرنے
کے بعد سترھویں دن ۹۰۰۰ سپاہ معہ سازوسامان گھوڑوں اور توپخانہ کے
قندہار پہونچ جائیگی۔ اور ہلمند کے میدان جنگ کیطرف حرکت کرنیکے لیئے تیار ہوگی
انبالہ کی ۶۲۰۰ سپاہ کو ۲۲ دن چمن پہنچنے میں اور ۲۴ دن قندہار پہنچنے میں لگینگے
جہاں یہہ غالباً متعین کیجائیگی۔

میرٹھ کی سات ہزار دو سو فوج محافظت کی غرض سے کوئٹہ کے بالمقابل متعین کیجا سکتی ہے۔ اور اسکے وہاں تک پہونچنے میں ۱۳ دن صرف ہونگے۔

یہہ وہ تجاویز ہیں جو انگریز قندھار کے متعلق اختیار کر سکتے ہیں۔

شمال کیجانب دوسرا انگریزی دستہ غزنی روانہ ہوگا۔ یہہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پہلے ۳۰۰۰ سپاہ معہ سواروں اور توپخانہ کے قندھار کیواسطے مخصوص کی ہے۔ باقی ۳۰۰۰ فوج کے دو حصّے کیئے جائینگے۔ ایک حصّہ تو محفوظ رکھا جائیگا اور دوسرے سے کابل غزنی کیطرف بھیجنے کے لیئے دستے بنائے جائینگے۔ میرے قیاس میں غزنی کابل کے کالم دس دس ہزار جوان کے ہونگے۔ دس ہزار راولپنڈی میں اور ۳۰۰۰ سپاہ فوج لاہور میں محفوظ رکھی جائیگی۔

غزنی کالم بنوں کے ۵۰۰ سوار اور پیادوں توپخانہ اور ۵۰۰ سپاہی راولپنڈی کی فوج سے ملکر مرتب کیا جائیگا۔ دس سے بارہ روز تک اس فوج کو بنوں میں فراہم ہوتے لگیں گے اور غزنی پہونچنے میں اور بارہ روز صرف ہونگے گویا تقریباً مہینے بھر کے سفر کے بعد یہہ دستہ غزنی میں وارد ہوگا۔ اور اسکا فرض یہہ ہوگا کہ اگر روسی لشکر بلخ یا بامیان سے کابل پر حملہ کرنا چاہے۔ تو اسکا مقابلہ کرے نیز اگر ضرورت ہو تو یہہ دستہ قندھار کے اسقدر نزدیک قیام پذیر ہو سکتا ہے جہاں سے نازک وقت آنے پر فوراً فوج قندھار کے ساتھ شامل ہو سکے۔ غزنی کا سامنا جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ ہزارہ کی پہاڑیوں کے سلسلے کے ذریعہ محفوظ ہے۔ اسیلئے یہہ دستہ بڑی سہولیت سے کابل خواہ قندھار کیطرف کوچ کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ امر بادی النظر میں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔

کابل کالم نو ہزار سپاہ کا ہوگا جسمیں سوار توپخانہ وغیرہ سب شامل ہیں یہہ فوج پشاور اور اسکے قرب و جوار سے فراہم کیجائے گی۔ اور اسکے واسطے راولپنڈی

سے بھی ایک ہزار سپاہی لیئے جائینگے کالم مذکورہ پاتو پشاور جلال آباد یا کابل میں لڑائی کا منتظر رہیگا۔ اسکو چترال کیجانب بھی ہوشیاری سے نگاہ رکھنی پڑیگی مجھے اسمیں ایک نقص معلوم ہوتا ہے جسکو میں آئندہ ظاہر کرونگا۔

پس لڑائی کے ابتدائی حصہ میں معاملات کی یہہ صورت ہوگی۔ روس کی (۱) ۸۰۱۰۰ روسی سپاہ بائیس روز میں ہرات پہنچے گی۔ (۲) ۹۵۰۰ فوج ۴۵ دنوں میں بلخ (۳) دس ہزار فوج ۲۵ روز میں فیض آباد یہہ تیرہ ہزار فوج محفوظہ جسکو مرو کے چارجوئی کیطرف حرکت کرنا پڑیگا اگر اسکے ۲۰۰۰ سپاہی روزانہ روانہ ہوں تو تمام فوج کو ضروری مقامات تک پہنچنے میں اٹہاون سے ساٹھ روز تک لگیں گے اسیطرح کل سپاہ مذکور کس کس جگہ پہنچ جائیگی۔ ویدہ دانستہ۔ ابتک فیصلہ نہیں کیا گیا اسکی وجہ آگے ظاہر کیجائیگی۔ برٹش گورنمنٹ: ۳۴۸۹۰۰ انگریزی سپاہی سترہویں روز قندہار پہنچیں گے ۲۲۰۰۰ اٹھائیسویں دن چمن ۲۰۰۰ تیسویں روز کوئٹہ ۱۰۰۰۰ بائیسویں دن غزنی ۱۰۰۰۰ بارہویں دن جلال آباد و چترال کی مقامی سپاہ انگریزی افسروں کے ماتحت (یعنی ۱۰۰۰) محفوظہ۔ دس ہزار راولپنڈی اور ۳ ہزار لاہور میں۔

بحیثیت حملہ آور ہونے کے میں یہہ بتاتا ہوں کہ ہماری آئندہ کارروائی کیا ہوگی۔ برٹش گورنمنٹ چند سال سے ظاہر کررہی ہے کہ اسکو بالخصوص ہرات کیجانب سے حملے کا سخت اندیشہ ہے کیونکہ یہی ملک بڑی بڑی فوجوں کی آمدورفت اور عظیم معرکہ جنگ کے لیئے زیادہ موزون واقع ہوا ہے۔ اسی غرض سے انہوں نے کوئٹہ کے نزدیک نہایت استحکام سے مورچہ بندی کی ہوئی ہے۔ جسکو ناقابل تسخیر بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے ریلوے کو سیبی سے چمن تک وسعت دی ہے اسکے خاتمہ پر قندہار تک لائن کے لیجانے کا سامان جمع پڑا ہوا ہے۔ نیز ملہند کا موقعہ

بھی انتخاب کیا گیا ہے۔ قندھار کی قلعبندی کی تجاویز فیصل ہو چکی ہیں جنکی بموجب اسکو فوراً مضبوط کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں ممکن ہے کہ برٹش گورنمنٹ ایران سے ساز باز کرکے سیستان میں اپنے پاؤں جمالے ہمکو اس خطرہ سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ انگریزوں کی جنگی تیاریوں کو دیکھکر غالباً لوگ یہہ کہینگے کہ کونسا عقلمند ہوگا۔ جو اپنے سر کو ایک شیر کے منہہ میں دیدینا پسند کریگا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں۔ بلکہ میں بڑے زور سے اس امر کو پیش کرتا ہوں کہ ضرور ہرات لائن پر فوجکشی کیجائے۔ اس طرح ہم ترکمان سواروں کا رسالہ اور چند پیادہ پلٹنوں سے انگریزوں کے دلوں میں یہہ خیال پیدا کرنے میں کامیاب ہونگے کہ تمام روسی لشکر ہرات پر چڑھ آیا ہے۔ اور وہ اپنی زیادہ طاقت ہرات لائن پر صرف کردینگے۔ اس طرح ہمیں اپنی پوری طاقت کو کسی اور رخ کیطرف پھیر دینے کا موقعہ ملجائیگا۔ کہ جسکے محفوظ ہونے میں ذرا بھی کلام نہیں ہو سکتا جنرل کوماٹیکن کے نزدیک دس ہزار سوار جنمیں آٹھہ ہزار ترکمان ہوں اس غرض کے لیئے کافی ہیں لیکن اس وقت ہمارے پاس صرف تین سو ترکمان ہیں۔ معلوم نہیں کہ آٹھہ ہزار میں سے بقیہ ،، ،، ایک لحظ کے نوٹس پر کہاں سے ہم پہنچ سکیں گے اس قسم کے ناتربیت یافتہ اور غیر قواعددان دستے سے بجائے فائدہ کے ہمیں سخت نقصان پہنچیگا۔ تاہم بہر کیف میں اصولاً اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ لائن سواروں کی ترکتاز کے لیئے اچھا میدان ہے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ انگریز بھی یہاں فوج سواروں سے ہی کام لیں گے۔ ہرات کیطرف رخ کرنا محض برٹش گورنمنٹ کے فریب دینے کے لیئے ہوگا۔ تاکہ وہ ہمارے اصلی ارادوں سے واقف نہ ہونے پائے۔ جن سے ہم آخر دم تک اسکو تاریکی میں رکھنے کی کوشش کرینگے اگر کابل کیطرف پیشقدمی کیجائے تو معاملات کی کیا صورت ہوگی؟ اسمیں کچھہ شک

نہیں ہے کہ انگریز ہم سے بہت پہلے کابل پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ بلخ سے کابل تک ۳۲۳
میل فاصلہ ہے نیز ہندوکش کی پہاڑیاں ہماری سدراہ ہونگی حالانکہ پشاور سے
کابل تک کی مسافت ۱۸۰ میل ہے اور ایک عمدہ سڑک ان دونوں شہروں کو باہم
ملاتی ہے۔ اگر وہ جلال آباد یا گندمک سے آگے بڑھیں تو یہہ مسافت نصف سے بھی کم
رہجائیگی۔ اسلیے ہمیں سمجھہ لینا چاہئیے کہ کابل کو بڑی سرگرمی سے استحکام دیا جائیگا
اور اسکو پشاور سے براہ راست اور غزنی سے بالواسطہ کمک ملسکتی ہے۔

اب چترال کو لیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ چترال ایک غریب ملک ہے۔ اور وہ
دس ہزار سپاہ کی بھی پرورش نہیں کرسکتا۔ نیز مجھے یہہ بھی معلوم ہے کہ یہہ
ملک نہایت دشوار گذار ہے اور موجودہ حالت میں اس راہ سے توپخانہ اور سواروں
کو نہیں لیجایا جاسکتا۔ باوجود ان سب تکلیفوں کے میں اسی لائن کے اختیار کرنے
پر زور دونگا۔ خواہ چترال تہیدست ہو لیکن بدخشاں جہاں سے ہمیں گذرنا پڑیگا
کثرت سے سامان رسد مہیا کرسکتا ہے۔ درہ دورہ کی سپاہ خواہ وہ انگریزی
افسروں ہی کے ماتحت کیوں نہ ہو۔ ہمارے حملوں کی تاب نہیں لائیں گے۔ انگریزی
فوج نے ایک دفعہ جب چترال میں شکست پائی تو پھر اسکو ہندوستان کیطرف
واپس جانیکا سیدھا راستہ نہیں ملیگا۔ کیونکہ انکی عجیب پالیسی نے راہ کی چھوٹی چھوٹی
قوموں کو خودمختار اور آزاد رکھا ہوا ہے۔ اسطرح جلال آباد اور پشاور کی
سڑکیں روس کی پیشقدمی کے واسطے کھل جائینگی۔ بدخشاں سے رسد بہم پہنچا کر ہم
چترال کو اپنی پیشقدمی کا صدر مقام قرار دے سکتے ہیں۔ یہاں سے جو سڑک
جلال آباد سے وادی کنار تک اور براہ دیر و لاہوری درہ پشاور تک جاتی ہے
انکو ہم توپخانہ اور سواروں کے گذر کے قابل بنا سکتے ہیں۔ عین اس حالت میں پولیٹیکل
ایجنٹ ان قوموں کو جو لڑائی میں تتر بتر ہوگئی ہونگی دوبارہ اپنے جھنڈے

کے پیچھے جمع کرلیں گے۔ چترال میں ہماری ایسی مضبوط حالت امید ہے کہ انگریزوں کو
کابل لائن پر اپنے تمام مورچے چھوڑ دینے پر مجبور کریگی۔ چترال پر حملہ انگریزوں کے
واسطے ناگہانی ہوگا۔ گو اور ناکوں پہ انہوں نے اپنا جنگی ساز و سامان مکمل کرلیا
ہے۔ لیکن وہ چترال میں ہماری مدافعت کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اسمیں ایک یہ
بھی فائدہ ہے کہ اگر ہمیں شکست ہوئی تو آکسس اور بدخشاں ہمیں پناہ دینے کے
لیئے کافی وسیع ہے۔

اگر چالیس یا پچاس ہزار سپاہ کابل پر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے واسطے
روانہ ہو اور دس ہزار فوج انگریزوں کے عقب میں متعین کیجائے۔ درانحالیکہ
ملہند کیطرف روس بالکل حرکت نہ کرے۔ جہاں کہ انگریزوں نے کثیر التعداد لشکر و سامان
مدافعت جمع کیا ہوا ہوگا۔ تو ظن غالب ہے۔ انگریز بائیں سمت کو چھوڑ کر داہنی طرف
بڑھیں گے۔ اور کالم غزنی سے امداد حاصل کرکے حملہ آور ہونیکے لیئے تیار ہوجائینگے
نیز ممکن ہے کہ اسکے ساتھ ہی چترال کیجانب سے فوجکشی کو روکنے کیلئے جلال آباد اور
پشاور میں مورچہ بندی کیجائے۔

میرے خیال میں معاہدہ صلح کے قرار دینے کے واسطے اس سے بہتر کوئی موقعہ
نہ ملیگا جنکی شرائط غالباً یہہ ہونگی کہ روس ہرات فیض آباد اور بلخ پر اور انگریز
قندھار غزنی۔ کابل اور چترال پر قبضہ کرلیں جسکو دوسرے الفاظ میں افغانستان
کی تقسیم کہنا چاہیئے۔ پیدائش کی لائن دونو سلطنتوں میں بطور سرحد کی ہوگی میں
بمشکل کہہ سکتا ہوں کہ یہہ صلح دیرپا ہوگی۔ بلکہ اسکو چند روز کے لیئے التوائے جنگ
سمجھنا چاہیئے کہ آیندہ جنگی کارروائی اختیار کرنے سے پہلے دم لے لیا جائے انگلستان
کے بعض اعلےٰ درجہ کے مدبرین کے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز شرائط مذکور
پر فوراً رضامند ہوجائیں گے۔

چترال میں روسی فوج کے پہونچ جانے کے بعد اگر ہم براہ راست کابل پر حملہ کریں۔ تو قبل اسکے کہ انگریز اس لائن پر بڑی فوج جمع کر سکیں ہمیں کامیابی کی بہت کچھہ توقع ہے۔ سر ہنری راولسن نے جو ایک مشہور مضمون نگار ہیں۔ اس بارہ میں جو خیالات ظاہر کئے ہیں۔ انسے بھی میری رائے کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ انگریزی قبضہ کابل کی نسبت لکھتے ہیں کہ " غالباً ایشیا بھر میں کابل ہی ایک ملک ہے کہ جسکا نظم و نسق اور قبضہ قابل اطمینان طور پر نہیں ہو سکتا اول تو یہ کہ دار الخلافہ اور اسکے قرب و جوار میں ایسے متعصب اور فتنہ انگیز لوگ رہتے ہیں۔ کہ جنہوں نے آجتک کبھی اپنے بادشاہوں کی پوری متابعت نہیں کی خواہ برٹش گورنمنٹ اپنی کشاہی و باؤ کیوں نہ ڈالے وہ قابو میں آنے والی چیز ہی نہیں ہیں۔" فی الواقعہ جب روسی فوج باہر سے حملہ آور ہوگی تو ملک کی اندرونی سازشوں اور بغاوتوں سے اسکو بہت کچھہ مدد ملیگی۔

اگر کابل پر ہمارا قبضہ ہو جائے۔ تو انگریز گندمک کے قریب دیجگد لک کی حفاظت پر ہی قناعت کر لینگے۔ نیز کالم غزنی سے کمک حاصل کرکے کابل کے چھڑانے کی کوشش بھی غیر ممکنات سے نہیں ہے۔

ابتک مینے ان مقامات اور ناکوں کی نسبت بحث کی ہے جہاں سے انگریزی فوج ہماری مدافعت کیلئے آمادہ ہو سکتی ہے۔ اسکے ساتھہ ہی مینے ایران کی حالت کیطرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ جیسا کہ میں ظاہر کر چکا ہوں۔ ایران لڑائی کے لحاظ سے ایک نہایت ضروری سر زمین ہے۔ چونکہ میدان جنگ سے بہت قریب ہے اسلئے براہ ایران ایک ایسا حملہ روس پر ہو سکتا ہے جو ممکن ہے کہ اسکے حق میں سخت خوفناک بات ہو۔ شاہ ایران کی منظوری سے یا خود بادشاہ کے ایماد سے انگریزوں کو سیستان یا خراسان میں لڑائی

کا ایک بضاعت بیش قیمت میدان جنگ ملجائیگا۔ بیقاعدہ سواروں کو انگریزی افسر بہت جلد اپنے لیئے کارآمد بنا ئیں گے کیونکہ دنیا کی فوج میں انسے بڑھکر تربیت دینیے والا کوئی آدمی مشکل ہی ملسکتا ہے۔ اِس طرح ہماری تمام ریلوے لائن اور آمد و رفت کے وسائل جو کاسپین سے مرو تک اور مروسے ہرات تک ہیں یہہ سب کے سب ایرانی لشکر کے روزانہ حملوں کا نشانہ بن جائینگے۔ انگریز ایک اور طریقہ بھی اختیار کرسکتے ہیں۔ جو انکے قومی میلان کے عین مطابق ہوگا یعنی جنگ بحری اسمیں ذرا بھی شبہہ نہیں دنیا کے بحری افسر اور ملاح اس پہلو کے اختیار کرنے میں انگریزوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

بالفرض ان معرکوں میں اگر انگریز فتحیاب ہوئے تو اسکا نتیجہ یہہ ہوگا کہ روسیوں کو کابل خالی کردینا پڑیگا۔ اور افغانستان کی تقسیم کی بنا پر دونو میں عارضی طور پر صلح ہوجائےگی۔ انگریزوں کی ناکامی کی صورت میں تسلط کابل سے اندرونی ملک ہمارے قبضہ میں آجائیگا۔ اور بیرونی ممالک میں سے پہلے غزنی پر فوجکشی کیجائے گی۔ بعدہٗ خیبر کی انگریزی فوج کو شکست دیکر انکو ہندوستان کی سرزمین کیطرف بھگا دینگے۔ اسکے بعد ہمیں قندہار کیجانب توجہ کرنیکا عمدہ موقعہ ملجائیگا۔ اس غرض کے لیئے ایک کالم کوہ قاف سے کم سے کم چالیس ہزار سپاہ کے ساتھہ ہلمند کیطرف بڑھیگا۔ کابل کی سمت سے بھی روسی فوج حرکت میں آئیگی اور غزنی کے بالمقابل درہ توچی پر تعین سپاہ سے ناکہ بندی کردی جائیگی اس طرح قندہار کے قریب جنگ کی خطرہ میں مبتلا ہونے سے پہلے ہمیں صلح کی شرائط پیش کرنیکے لیئے نہایت موزون موقعہ ملیگا۔ یعنی غزنی۔ قندہار۔ جلال آباد کا روس سے الحاق ہوجائے اور کوہ سلیمان و ہمالیہ کے سلسلہ تک انگریزی سرحد تصور کیجائے۔ غالباً اس مضمون میں جابجا صلح کا ذکر دیکھکر میری طبیعت کی کمزوری

پھول کیا جائیگا یا مجوزہ صلح کا مسودہ قرار دیا جائیگا۔ طریق تو یہ ہے کہ اسقدر دور دراز فاصلہ پر ایسا عظیم معرکہ جنگ روسی سلطنت کی بنیاد تک کو ہلا دیگا۔ اس عرصہ میں سستانے اور قوت کو یکجا کرنے کے لیئے تھوڑا سا وقفہ بھی ملجائے۔ تو اس سے پیشقدمی کرنے والی سپاہ میں از سر نو جان آجائیگی کسی قوم کو افلاس نے آجتک لڑائی میں حصہ لینے سے نہیں روکا۔ ہاں سامان و دیگر ضروریات جنگ کی قلت نے بارہا قبل از وقت جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے۔

شرائط صلح کا منظور یا نامنظور کرنا انگلستان کے برسر اقتدار پولیٹیکل پارٹی کی مرضی پر منحصر ہے۔ ایک پارٹی انگلستان کو زیادہ محفوظ رہنے کا یہہ طریق بتائیگی کہ وہ آخر دم تک لڑنے سے ہمت نہ ہارے۔ کیونکہ جزیرہ برطانیہ کے رہنے والوں کا یہہ قومی خاصہ ہے کہ وہ اسطرح جمکر مقابلہ کرتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی کیوں نہ کھائیں مگر آخر میں ضرور فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس صدی کی ابتدا میں بیس سال تک جسطرح انگلستان نے بامداد یا بلا اعانت فرانس جیسی قوی طاقت کا ہندوستان میں مقابلہ کیا ہے وہ اسکی بہادری کی ایک عمدہ مثال ہے۔ دوسرا پولیٹیکل گروہ غالباً صلح پر رضامند ہو جائیگا۔ جسطرح روس کو ایک جدید ملک ہندوستان کے لوگوں میں بیج اپنی پھیلانے کے لیئے کافی وقت ملجائیگا۔ یقیناً رعایا کی نگاہوں میں بے وقر بننے سے انگریزوں کے نزدیک یہہ ایک آسان کام ہوگا نہ تو شفقت و عنایت سے اور نہ پالیسی کے ذریعے سے انگریز ہندوستان پر قبضہ رکھ سکتے ہیں۔ انکی حکومت کا قیام اگر کسی چیز پر منحصر ہے تو وہ تلوار ہے۔

آؤ اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھیں بالفرض معاہدہ یا فتح سے اگر قندھار ہمارے قبضے میں آجائے تو پھر آئندہ پیشقدمی کے وقت اُن پہاڑیوں کا سلسلہ ہمارے سامنے ہوگا جو ہندوستان اور افغانستان کے مابین بمنزلہ

سرحد سے تسلیم کیا جاتا ہے مگر تمام سرحدوں میں باستثنا کھلے میدان کے شاید پہاڑی حدود کو فوقیت حاصل ہے۔ لیکن ساتھ ہی تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے آجتک کوئی پہاڑ دشمن کے حملہ آور ہونے کو قطعی طور پر نہیں روک سکا۔ اس سلسلہ کوہ کے عقب میں دریائے سندھ کو بھی سرحدی استحکام کا باعث کہہ سکتے ہیں مگر نپولین اعظم اس قسم کی رکاوٹوں کی کچھ پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔

خواہ سلسلہ کوہ و تیز و تند دریا سے سرحد کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو مگر انگریزوں کا عزم راسخ و ثبات و استقلال ان پہاڑوں اور دریاؤں سے بھی زیادہ مستحکم ہے۔ اور یہ قومی خصوصیات فوراً میدان جنگ کے پاسہ کو پلٹ کر فتح کو انگریزی جھنڈہ کے نیچے پناہ لینے پر مجبور کرینگی۔ بعض روسی مدبر امریکہ کی تمثیل پیش کرکے لکھتے ہیں کہ جسطرح انگریزوں نے امریکہ کو بیدلی سے چھوڑ دیا۔ اسی طرح جب روس کیطرف سے دباؤ پڑا تو وہ ہندوستان کو بھی اسکی قسمت کے حوالے کرکے چلے جائینگے لیکن میں اس بارہ میں انسے متفق نہیں ہوں۔ کیونکہ امریکہ و ہندوستان کی حالت باہم مختلف ہے۔ پہلے لڑائی ایک ہی خون اور ایک ہی زبان کی قوموں میں تھی اور جنگ کا باعث ایک خانگی معاملہ تھا۔ بخلاف اسکے جنگ زیر بحث دو ایسی سلطنتوں میں ہوگی جو مدت سے ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہیں۔ اور فاتح کا انعام بھی کچھ کم نہ ہوگا یعنی کل برّ اعظم ایشیا کی سلطنت۔ یہاں وہ کبھی نا ممکن الدخل تیرگی کو پہاڑ کر اعدے جنگی حدود سے گذر کر سن غیر محدود میدان میں جانیکی کوشش کرینگی۔ جو عربت اقوام کے نام سے موسوم ہے۔

[جے۔ جی ہنگسفنڈ]

ضمیمہ سوم

امیر صاحب اور گورنمنٹ ہند کی خط و کتابت ۱۸۹۷ء سے سرحدی جنگوں کے متعلق

ترجمہ چٹھی منجانب امیر صاحب افغانستان بجانب صاحب کمشنر و سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈویژن مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۹۷ء۔

بعد مراسم۔ آپکی چٹھی مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۹۷ء مطابق ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ میرے پاس پہنچی اور حقیقت مندرجہ معلوم ہوئی۔ اسمیں آپ لکھتے ہیں کہ:۔
یعنے کوائف مندرجہ بھیجے گئے ہیں۔

میں نے آپکی چٹھی سپہ سالار جنرل غلام حیدر خاں اور ان لوگوں کی نسبت حالات معلوم کرنے کیلئے پڑھی ہے۔ جو جلال آباد کے علاقہ میں رہتے ہیں اور اسکی نسبت آپ مجھے لکھتے ہیں۔ اب بجواب اسکے میں جنرل غلام حیدر خاں سپہ سالار اور باقاعدہ افغان افواج کی نسبت لکھتا ہوں کہ اِنمیں سے ملا نجم الدین کے ساتھ مطلق کوئی شامل نہیں ہوا اور نہ ہے۔ اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ فرقوں کی نسبت آپ خود جانتے ہیں کہ میرے خوف سے کوئی بھی اس لڑائی میں علانیہ شامل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی شخص نے ایسا کیا ہو تو وہ خفیہ کیا ہوگا۔ آپکو بخوبی معلوم ہے کہ چند سال گذرے ہیں ملا نجم الدین کابل سے بھاگ کر ضلع پشاور کے مقام جاروبی میں جا آباد ہوا تھا۔ اور برٹش گورنمنٹ کے

معتمدوں نے بارہا اسکو اپنے پاس بلوایا تہا۔ اور گو وہ حاضر نہ ہوا تاہم اسکی لئے ساتھ
خط وکتابت جاری رہی۔ اور وہ میرے ملک سے بہاگا ہوا تہا۔ اپنی بد اعمالیوں کیوجہ
سے جنکا وہ مرتکب ہوا تہا۔ اور کئی فسادوں کی وجہ سے جو اسنے لوگوں میں برپا کیے
تہے وہ اپنی بدکرداریوں سے خود ہی اسقدر ڈرتا تہا کہ اسنے پشاور کے قریب شاہ
جالی۔ مہندی اور جلال آباد کے لوگ اور جلال آباد کے پہاڑی اضلاع کے لوگ مجہ
اپنا پیغمبر ماننے ہیں۔ اور اسکے ملا نجی کے ایما سے اسکے ہزارہا گرویدہ مرید ہیں جیسے
پرانے وقتوں میں یورپ میں پوپ کو بہشت اور دوزخ کے مالک ہونیکا دعوے تہا
اور لوگوں کو بہی ایسے بیہودہ پیشواؤں پر اعتقاد تہا۔ اسی طرح ان ملاؤں کو بہی اسی
قسم کی طاقت رکہنے کا دعوے ہے۔ اور ان گزشتہ چند سالوں میں انہوں نے میری
افغان رعایا کو بہی میرے مقابلہ پر باغی کر دیا تہا۔ اور ہر موقعہ پر خواہ یہہ فساد تشدد کا
میں ہوا۔ یا ملا مشک عالم کا یا اور ایک ملاؤں کا تھا جو بلخ میں اسحاق خاں کے ساتہ جا
ملے تہے۔ یہہ ملا ہی فساد کے بانی تہے۔ وہاں ایک موضع ہڈا نام ہے جسمیں چار یا چرم
کمانے والے رہتے ہیں۔ وہاں یہہ شخص ملا نجم الدین رہتا ہے۔ اور اسکے مریدوں نے
اس ناپاک موضع کو ہڈا شریف مشہور کر دیا ہے۔ کیونکہ اسکے طالبعلم اور مرید اسکو
پیغمبر مانتے ہیں۔ اسکے لایعقل احکام سے کونسی مصیبت ہی جو اسپر نازل نہیں ہوئی۔
اور کونسا خون ہے جو بہایا نہیں گیا۔ ؟ اب اسنے اپنا مسکن ایسی جگہہ اختیار کیا ہی
جو کابل سے خود مختار ہے اور پشاور کے پڑوس میں ہے۔ اور اسنے آپکو بہت نامور کر لیا
ہے۔ ان حالات میں برٹش گورنمنٹ کے معتبر افسر انصاف سے کہیں کہ میں کسطرح
کوئی برتاؤ اسکے ساتہہ کر سکتا ہوں۔ اور کسطرح میں اسکا اور اسکے مریدوں کا انتظام
کروں جو اسکو پیغمبر سمجہکر خفیہ اسکے گرد جمع ہوتے ہیں۔ یہہ ایک ملا کئی سال سے مجہے
کئی طرح کافر اور مرتد کہہ چکا ہے۔ اور اسکی انگیخت سے اسکے مرید میرے ساتہہ لڑا کیے

کر چکے ہیں۔ اِنکے گھر تباہ اور بہتوں کی گردنیں تہ تیغ کیگئی ہیں۔ اُنہوں نے ۱۴ سال افغانستان
کے ہر ایک حصّہ کو خواہ وہ میدانی یا پہاڑی تہا۔ اُس وقت تک میرے مقابلہ پر کھڑا
رکھا۔ جبتک کہ جانبین کی ہزارہا جانیں تلف نہ ہوئیں۔ اور خود یہہ مفسد ملا بہی اپنے
ہزارہا مریدوں کے ساتہہ کام نہ آئے۔ ہر ایک مُلّا نے جسقدر اسکا بل چل سکا ہے میرے
مقابلہ پر بغاوت کرانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکہا۔ اور وہ ہمیشہ اپنے کیے کا خمیازہ
اوٹھاکر برٹش حدود میں پناہ لیتے رہے ہیں۔ اور اِس گورنمنٹ کی اولعزمی سے رفقی
کا نزا الملتار ہا ہے جس سے یہ ملا اپنا پیٹ پالتے رہے ہیں اور یہ وہی ملا ہیں جو مجھ سے
بہاگ کر پشاور کے قریب آزاد ملک میں جا آباد ہوئے ہیں۔ کہئے میں کسطرح انکا
انتظام کرسکتا ہوں۔ سپہ سالار اور باقاعدہ فوج کی نسبت میں پہر آپکو یقین دلاتا
ہوں کہ وہ کبہی کوئی معاندانہ کارروائی نہیں کرینگے اور آپکے پاس جو خبر پہنچائی
گئی ہے یا اُسکا پہنچایا جانا ممکن ہو کہ باقاعدہ فوج اور غلام حیدر خاں سپہ سالار
اِس فساد میں کوئی حصّہ لے رہی ہیں۔ یہ سب افترا ہے۔ اور میں خود قسمیہ کہتا ہوں
کہ نہ میری فوج اور نہ افغانستان کے معتبر افسر اِس سے کوئی سروکار رکھتے ہیں۔
برٹش گورنمنٹ کے ذی اقتدار حکام کے کانوں تک جو کلمہ پہنچایا گیا ہے وہ سراپا
بے بنیاد ہے۔ اِن ملاؤں کی آپکے قرب کی وجہ سے جو مین آپکے ملک کے پاس ہے اور
اب سرحدی لائن کی وجہ جو برٹش گورنمنٹ کی حدود میں ہے۔ میں اِن دلایل پر اور
کیا ایزاد کرسکتا ہوں۔

(بذریعہ تار) منجانب صاحب کمشنر و سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈویژن بخدمت قائم مقام
چیف سکریٹری گورنمنٹ پنجاب مورخہ ۲۰۔ اگست ۱۸۹۷ء۔
مینے کرنل اسلم خاں کو بلوایا تہا۔ وہ کل جمرود سے یہاں آیا۔ اور اسکے مشاہدہ

کرنیکے بعد ہم جنرل ایلس کے پاس گئے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم تینوں کی یہی متفقہ رائے قرار پائی ہے کہ گو حالات ایسے برے ہیں جیسے کہ میرے ۱۰ تاریخ کے پیغام میں درج تھے تاہم خیبر رائیفل فوج درہ کی چوکیوں پر اپنے ہڈ کوارٹر جمرود کو نہ بلوائی جائے کیونکہ اس سے معاً یہ نتیجہ نکلیگا کہ ہم نے درہ کو چھوڑ دیا ہے اور فرقے فوراً علی مسجد اور لنڈی کوتل کی چوکیوں کو غارت کر دینگے۔ ہماری سب کی یہی رائے ہے کہ ہم خیبر رائیفل پر اسکے ولیسی افسروں کے ماتحت انتہا تک اعتبار کریں۔ اور اگر وہ ہمیں چھوڑ بھی جائیں۔ اور ہمارے اسلحہ اور سامان حرب و ضرب بھی لیئے جائیں۔ تاہم ہم ایسا پر نہیں ہی جیسا کہ ہمارا بے اعتباری کا کوئی تجربہ کرنے سے پہلے اسکو جمرود میں بلوانا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ابھی ہم میدان سے نکل گئے ہیں۔ لیکن ہر ایک آن کی ڈھیل انگاری امن میں خلل اندازی کو زیادہ تر بعید قیاس کر رہی ہے۔ کرنل اسلم خان کا خیال ہے کہ اگر ہم افواج لنڈی کوتل اور علی مسجد میں چھوڑ دیں تو یہ تیراہ میں تمام مباحثوں کو ختم کر دیگا۔ لیکن جنرل ایلس اور میں محض خیبر کی چوکیوں اور سڑک کی حفاظت کے واسطے یہ کارروائی کرنے کی طرف مائل نہیں ہیں۔ علاوہ اسکے اگر افواج درہ میں مقیم کیجائیں تو انکی بہم رسانی خوراک کا سوال ٹیڑھا بھی کہیں ہو جائیگا۔ کیونکہ ہمیں سب کچھ بجز گھاس اور لکڑی کے جو علی مسجد میں ملسکے گی پشاور سے بھیجنا پڑیگا۔ پولٹیکل نظر میں بھی میرا خیال یہ ہے کہ ملکوں کو کسی لڑائی مدد کے بغیر اپنے اقراروں کے مطابق عمل کرنے دیا جائے۔

ترجمہ چٹھی منجانب ہز ہائینس امیر صاحب افغانستان بخدمت ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند مورخہ ۱۹۔ اگست ۱۸۹۷ء۔

بعد مراسم۔ میں یور ایکسیلنسی کو اس امر سے مطلع کرنیکا فخر حاصل کرتا ہوں کہ میرے

پاس مسٹر آر۔ایچ۔ڈ نے کمشنر پشاور کا خط مورخہ ۱۳۔اگست ۱۸۹۶ء وارد ہوا ہے۔

× ×

جب صاحب کمشنر کی چٹھی مذکور جسمیں انہوں نے یور اکسیلنسی کی ہدایات درج کی ہوئی تہیں مجھے موصول ہوئی۔ تو مینے اسکے جواب میں انکو صحیح حالات لکھے تہے اور صدق دل اور اتحاد سے لکھے تہے:۔

مشفق من۔ یہ صاحب کمشنر کی چٹھی کی حقیقت مندرجہ مع اس جواب کے ہے جو مینے انکو لکھا ہے۔ اور اب میں یور اکسیلنسی کی اطلاع کے واسطے لکھتا ہوں۔

اگر جہوٹے بیانات اور مصنوعی رپورٹوں کی دوستانہ طور پر تحقیقات کیجائے تو انشاء اللہ تعالی اِن دونوں گورنمنٹوں کے ارتباط یکجہتی اور اتحاد ہمیشہ زیادہ تر مربوط ہوتے جائینگے۔

معہذا میں آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے ملا نجم الدین ساکن ہڈا کی ایک دستخطی چٹھی ملی ہے جو اس نے بطور اعلان کے ننگرہار کے لوگوں کو تحریر کی تہی اور جو اس قسم کی اُن چٹھیات میں سے ایک ہے جو اس نے ملک کے دیگر حصّوں میں فرقوں کو بہیجی ہیں میں یہہ چٹھی جو بطور اعلان کے ہے بجنسہ ایک لفافہ میں علیحدہ بند کرکے اس لفافہ کے اندر بہیجتا ہوں جسمیں یور اکسیلنسی کے نام میری چٹھی بند ہے اور یہ میری اپنی قلمی تحریر ہے۔

محب من۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اسنے ایسی صدہا چٹھیاں اپنے معتقدوں کے نام افغانستان کے فرقوں کو بہیجی ہونگی۔ لوگ بہی اسکو اپنے بنی کا رتبہ دیتے ہیں ملا اور اسکے پیروؤں کا یہی حال ہے جو مینے اوپر بیان کیا ہے۔

ترجمہ چٹھی منجانب پولٹیکل ایجنٹ کابل بخدمت ہزہائینس امیر صاحب افغانستان

مورخہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۲۔اگست ۱۸۹۷ء۔

بعد آداب و کورنشات۔ بموجب اُن معلومات کے جو یور ہائینس کے شاہ غاسی کی وساطت سے حاصل ہوئے ہیں۔ میں عرض پرداز ہوں کہ مینے یہہ افواہ سنی ہے کہ بگیمان غازبین۔ اور سوربین وغیرہ کے لوگ غازی ہونے کے واسطے ملا ہڈا کے ساتھ شامل ہونیوالے ہیں۔ اور مینے یہہ بھی سُنا ہے کہ خان لالپورہ اُسکو آرد۔ گھی۔ اور دیگیہ اشیا سے مدد بہم پہنچا رہا ہے۔ جو اس غرض کے واسطے مختلف دیہات سے جمع کیا جاتا ہے۔

مینے یہہ بھی سُنا ہے کہ باقاعدہ افواج کے بعض آدمی جو اس وقت اسمار میں مقیم ہیں۔ ایسا ہی کرنیوالے ہیں۔ اگر یور ہائینس مناسب سمجھیں تو کوئی ایسا انتظار فرمائیں کہ زیادہ تر لوگ ملا ہڈا کے ساتھ شامل ہونے سے رُک جائیں۔

ہز ہائی نس امیر صاحب کا برٹش ایجنٹ کو جواب۔

بعد ما وجب۔ سیشن ہشتدہ کے روز آپ بھی موجود تھے اور اس موقعہ پر مینے جو کچھہ کہا تھا وہ آپنے خود سن لیا تھا۔

مسلمان ملا کے صدق دل سے عقیدتمند ہیں۔ لیکن میرے خوف سے اسکو کسیطرح بر ملا نہیں دیسکتے۔ لیکن میں اس مدد کی نسبت کچھہ نہیں کہہ سکتا۔ جو وہ خفیہ دیسکتے ہیں۔

یہہ خبر صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر ملا کے پیرو اسکی مدد نکریں تو اسکو کہانے کے واسطے کسطرح خوراک ملسکتی ہے؟ تاہم میرے ڈر سے اسکے معتقد بہی اسکو علانیہ کوئی شئے نہیں دیسکتے۔ یعنی ننگرہار میں تمام افسرونکے نام ہدایتیں جاری کرنی ہیں اور وہ خفیہ نگہبانی کر رہے ہیں۔

ملا کے ایک مرید نے جو لمکان میں رہتا ہے اور ملا کا خلیفہ ہے لمکان کے باشندوں

کو بہکا کر پانسو آدمی جمع کر لیئے تھے سب منتشر کر دیئے۔ اور انمیں سے چالیس گرفتار کر لیئے۔ خلیفہ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھہ بہاگ گیا ہے۔ لیکن اسکی گرفتاری کے واسطے تدبیر عمل میں لائی جا رہی ہیں نجم الدین کے ہزارہا مرید اور خلیفے افغانستان میں موجود ہیں۔ حتی الامکان میں انکی حرکات و سکنات کی نگہبانی کرونگا۔ انشاء اللہ تعالی وہ کھلے طور پر کچھہ بہی نہیں کر سکتے۔ لیکن جو کچھہ خفیہ کیا جائے اسکا روکنا میرے امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ اگر میں کسی شخص کو شبہہ میں گرفتار کروں تو وہ فوراً اس طرح کی شمولیت سے انکار کریگا۔

اس طرح کوئی شخص [illegible] نہیں کرسکتا۔ اور میں انکو شبہہ میں قابو نہیں کرسکتا۔ ملا اسکے خلیفوں سے زیادہ دلکے یہی حالات ہیں جو میں نے اوپر بیان کیئے ہیں۔

انکے کوئی علانیہ مخالف کارروائی کرنیکا مطلق اندیشہ نہیں ہے اگر انہوں نے کچھہ کیا ہے تو خفیہ کیا ہوگا۔ وہ میرے خوف سے بجز اسکے کچھہ نہیں کرسکتے۔ یہی حالات ہیں جو اب تحریر کرتا ہوں۔

منجانب ہز اکسیلنسی وائسرائے و گورنر جنرل ہند بخدمت ہز ہائینس امیر صاحب افغانستان جی۔ سی۔ بی۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ مورخہ ۲ ستمبر ۱۸۹۷ء

بعد مراسم آداب میں اپنی چٹھی مورخہ ۳۰ اگست میں جو یور ہائینس کیجانب تھی آپکی چٹھی مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۸۹۷ء کا جو صاحب کمشنر پشاور کے نام بھی صادر ہونیکا تذکرہ کر چکا ہوں۔ جسمیں یور ہائینس سرحد ہند پر فسادوں میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اب میرے پاس یور ہائینس کا دوسرا نامہ مورخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۸۹۷ء صادر ہوا ہے جو کوئیٹہ ملک بلوچستان کی راہ سے بہیجا گیا ہے۔

اس چٹھی کے ساتھہ یور ہائینس نے مجھے اعلان کی ایک چٹھی بھیجی ہے۔ جو ملا ہڈا نے ننگرہار کے لوگوں کے نام جاری کیا تھا۔ میں یور ہائینس کا یہہ معلومات بھیجنے کی تکلیف اوٹھانیکا مشکور ہوں۔ میں پہلے ہی یہہ اعلان دیکھ چکا ہوں۔ اور مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس شخص کو جسے یہہ مِرالی کاپی حاصل ہوگئی تھی۔ ملا کا یہہ اشتہار یور ہائینس کے عامل نے دیا تھا۔

میں تہ دل سے یور ہائینس سے اتفاق کرتا ہوں کہ "خود غرض لوگوں کے جھوٹے بیان کو اور مصنوعی رپورٹوں کی دوستانہ طور پر تحقیقات ہونی چاہئیے اور کسی ایسی رپورٹ کی پیش بندی کے خیال سے جو یور ہائینس کے گوش گذار کیجائے میں آپکو مطلع کرنے کے لیئے لکھتا ہوں کہ میری افواج ملا ہڈا اور اسکے لشکر کی تلاش اور اسکو منتشر اور تباہ کرنے کے واسطے مہمندی ملک میں داخل ہونے والی ہیں۔ اس چٹھی میں جو یور ہائینس نے ۸ ربیع الاول کو صاحب کمشنر پشاور کے نام لکھی تھی۔ یور ہائینس نے بیان کیا ہے کہ ملا نجم الدین نے اب ایسے ملک میں رہایش اختیار کی ہے۔ جو کابل سے خود مختار ہے اور پشاور کے پڑوس میں ہے۔

یور ہائینس نے یہہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "میں اس بارہ میں دلائل مذکورہ پر اور کیا ایزاد کرسکتا ہوں بلحاظ اسکے ملا آپکے قریب ہی ایسے ملک میں ہے جو سرحدی لائن کے مطابق برٹش گورنمنٹ کی حدود میں ہے"۔

بیشک یہہ صحیح ہے کہ ملا نے ایسے ملک کی حدود کے اندر معاندانہ کارروائی کی ہے جسکا برٹش حدود کے اندر واقع ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر وہ میری افواج کو وہاں ملگیا تو وہ جلد اپنے کیئے کا خمیازہ اوٹھائیگا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ ملا نے موضع جاردی میں بود و باش اختیار کی ہے۔ لیکن یور ہائینس کو معلوم ہے کہ ملک کا وہ حصہ یا جنگل ہے جسکی اب تک پیمایش نہیں ہوئی ہے اور نہ اس طرف سے مستقل طور پر سرحدی نشان قائم کیئے گئے ہیں

جو حسب منشا میری چٹھی مورخہ ۱۲ نومبر ۱۸۹۶ء کے افغانستان کی حدود میں آئیگا
یور ہائینس اس امر میں میرے ساتھہ متفق الرائے ہونگے کہ چونکہ اس شخص نے برٹش
گورنمنٹ کو ایسی ہی تکلیف دی جیسی کہ یور ہائینس کو لهذا مناسب ہے کہ وہ اپنی
کیفر کردار کی سزا پانے کے بغیر نہ رہی - اگر ملا میری فوج کے پہنچنے سے پہلے چار و
یا کسی دیگر ایسے ہی مقام کو بھاگ گیا تاہم میری فوج کو اختیار ہوگا کہ انتہا تک
اسکا تعاقب کرکے اسکو اور اسکے مسکن کو تباہ کرے - میں نہیں چاہتا کہ یور ہائینس
فوج کیطرف سے کسی ایسی کارروائی کو اسکے خلاف عمل سمجھیں - جو کچھ ہمنے [illegible]
میں طے کیا ہوا ہے - میرا ہرگز ارادہ نہیں ہے کہ میری افواج اسملک میں
ٹھہریں - اور وہ یقیناً اس سے آگے نہیں بڑھینگے جسقدر کہ وہ مدعا جسکے واسطے وہ
بھیجے جاتے ہیں پورا کرنیکے لیئے ضروری ہوگا - قطع نظر اسکے اگر ملا وادی کنارہ
میں پہاڑوں کے پار بھاگ گیا تو میری افواج کو حکم ہے کہ آپ تعاقب سے آگے نہ بڑھیں
لیکن مجھے یور ہائینس سے توقع ہے کہ آپ اپنے اہلکاروں کو ایما فرمائینگے کہ وہ اسکے
ساتھہ ایسا سلوک کریں جسکے وہ لائق ہے - اور اسکو معاندانہ کارروائی کے واسطے
فرقوں کو ابھارنے کا موقع نہ دیں -

میں نے یور ہائینس کے ساتھہ خط و کتابت کرنے میں ہمیشہ صاف دلی سے کام لیا ہے
تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو - اور میں امید کرتا ہوں کہ یور ہائینس بھی سمجھیں گے
کہ اس موقع پر بھی میری ایسی ہی دلی تمنا ہے -

چٹھی منجانب برٹش ایجنٹ کابل بخدمت صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند
فارن ڈیپارٹمنٹ مورخہ ۱۸ - اگست ۱۸۹۷ء -

کل بعد دوپہر میں بالا باغ میں ہز ہائینس امیر صاحب کے سالانہ دربار میں شامل

ہوا جو ہز ہائینس کے مذہبی خطاب ضیاء الملت والدین لینے کی تقریب سے ہوا تھا۔ یہہ دربار
بہت بھاری تھا۔ اسمیں سول و ملٹری افسر اور دیگر اصحاب شریک تھے۔ ملک کے مختلف
حصّوں سے بڑے بڑے خان اور مُلّا بھی اسمیں شریک ہونیکے لیئے مدعو کیئے گئے تھے۔

قریباً چار بجے شام کے ہز ہائینس امیر صاحب نے تمام درباریوں کو اپنے پاس بلوایا
اور سب سے پہلے مجھہ سے دریافت فرمایا کہ آیا مُلّا ہڈا کی بغاوت کی نسبت میرے پاس
صاحب کمشنر کی کوئی چٹھی پہنچی ہے؟ چونکہ میرے پاس کوئی چٹھی نہیں پہنچی تھی لہذا
میں نے نفی میں جواب دیا۔ اسکے بعد ہز ہائینس امیر صاحب نے ہز ایکسیلنسی جنرل وائسرائے
کی تار کا ترجمہ پڑھا۔ جو صاحب کمشنر پشاور کی وساطت سے پہنچا تھا۔ اور اسمیں مُلّا
ہڈا کی بغاوت وغیرہ کے حالات درج تھے۔

جب ہز ہائینس امیر صاحب نے اس تار کا آخری حصّہ پڑھا تو اسکا انکے دل پر
بہت اثر ہوا۔ جسکا ماحصل یہہ تھا کہ جنرل غلام حیدر خاں سپہ سالار نے بعض سپاہیوں
کے شبقدر میں ایک سرکاری موضع جلانے میں مدد دینے سے جسسے سخت نقصان
لاحق ہوا مساعدت کی۔ لہذا سپہ سالار کو کسی دوسری طرف بھیجا جائے۔ اور جو ساول
وغیرہ کے پہننے والے لوگ مُلّا سے جا ملے ہیں۔ وہ واپس طلب کیئے جائیں۔ ورنہ ہز ہائینس
امیر صاحب انکی کارروائیوں کے ذمہ وار ہونگے۔

امیر صاحب نے اپنی تخت نشینی کا پرانا افسانہ دُہرایا ہے۔ اور اسکے متعلق سب واقعات
بیان کیئے۔ اور تمام حاضرین کو یقین دلایا کہ میں ہمیشہ اپنے قول و اقرار پر قائم رہا ہوں
اور میری خواہش کبھی برٹش گورنمنٹ کے خلاف کارروائی کرنے کی نہیں ہوئی
اور میں نے کبھی اپنے سپاہیوں یا رعایا کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر کوئی باغیانہ
کام کرنے کی ترغیب یا تحریص دی ہے۔

پشاور سے پہنچ کے دوران میں انہوں نے مجھہ سے بیان کیا کہ وہ کوئی ہتھ

تلاش کر رہے ہیں"۔ جسسے شاید یہ مراد تھی کہ گورنمنٹ ہند پر کوئی الزام عائد کرنیکا موقعہ تلاش کر رہی ہے۔ اور اسکے ساتھہ پھر فارسی تمثیل وہرائی۔ ؎

ندانی کہ چوں گربہ عاجز شود بر آرد بہ چنگال چشم پلنگ

جہانتک انہوں نے حاضرین کو مخاطب کیا۔ اس سے ظاہر تہا کہ انہوں نے اپنی رعایا سپاہیوں کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پہ آنیکا کوئی ایماء نہیں کیا تہا۔ اور انہوں نے تمام مجمع کے روبرو ایک سے زیادہ دفعہ حلف اٹھائی کہ انہوں نے برٹش گورنمنٹ کے ساتھہ ہمیشہ ارتباط و اتحاد قایم رکہی۔ اور کبھی اسکی برائی نہیں چاہی۔

ترجمہ چٹھی ہز ہائینس امیر صاحب افغانستان بخدمت ہز اکسیلنسی حضور وایسرائے مورخہ ۱۰ ستمبر ۹۵ء۔

بعد مراسم۔ یور اکسیلنسی کا شفقت نامہ مورخہ ۳۰ اگست ۹۵ء صادر ہوا کوائف مندرجہ معلوم ہوئے جو حسب ذیل تہے۔

مینے یور ایکسیلنسی کی چٹھی کے محبت آمیز فقرات کا مفہوم سمجہا ہے۔

اس خبر کی نسبت جو یور اکسیلنسی کے پاس اسبارہ میں پہونچی ہے کہ میری رعایا کے لوگ علانیہ جمع ہوکر جھنڈوں اور نرسنگوں کے ساتھ دریائے کابل گذر کر ملا ہڈا کی پارٹی کے ساتھ جاملے ہیں۔ اور معرکہ شبقدر کی بعد اپنے مردے لیکر اور اپنے زخمیوں کی امداد دیکر اپنے اپنے مقامات کو لوٹ چلے آئے ہیں اور یور ایکسیلنسی چاہتے ہیں کہ میں اپنے مقامی افسروں کو حکم دوں کہ وہ میری رعایا کو سرحد گذر کر برٹش گورنمنٹ کے خلاف کسی بدنیتی سے ملا ہڈا کے ساتھہ شامل ہونے سے روکیں۔ بلکہ دریائے کابل کے ساتھہ ساتھہ اور دیگر مقامات کے لوگوں کو دریا گذرنے سے روکنے کے واسطے پہرے تعینات کریں۔ محب من یور ایکسیلنسی کے تحریر کرنے کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا

یعنی کہ افغان رعایا مانہ تو علانیہ جمع ہوئی ہے۔ اور نہ لہراتے ہوئے جھنڈوں کے ساتھ سرحد پار ہوئی ہے۔ اصلیت واقعات یہی ہے جو میں یور ایکسیلنسی کو اپنی پہلی چٹھی میں بتا چکا ہوں۔ ملا نجم الدین ساکن جار۔ جی نے اپنے مکر و تزویر کا جال پھیلا کر مختلف افغان فرقوں کے لوگ اپنے مرید بنا لیئے ہیں۔ اور وہ اسکے احکام کی بدرجہ غایت تعمیل کرتے ہیں۔ ان ایام میں جب وہ باعث ضرر اور فساد ہوا ہے اسنے ہر طرف چٹھیاں بھیجکر تمام لوگوں کو اپنے ساتھ شامل ہونے کو بلایا ہے۔ یعنی اسکی ایک چٹھی بہم پہنچا کر یور ایکسیلنسی کے ملاحظہ کے واسطے بھیجی تھی۔ جو کچھ عرصہ سے یور ایکسیلنسی کے پاس پہونچ چکی ہوگی۔

میں نے اپنے مقامی افسروں کو حکم دیا ہے کہ حتے الوسع افغان رعایا کی نگہبانی کریں اور اسکو ملا کے ساتھ شامل ہونے نہ دیں۔ اس طرح ممکان (مگمان) کے لوگوں نے قریباً ۳۰ ہزار آدمی جمع کر کے جھنڈے تیار کیئے تھے۔ لیکن جب افسروں کے پاس میرے احکام پہنچ گئے انہوں نے حتی المقدور کوشش کر کے انکو منتشر کر دیا۔ اور وہ سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ بلاشبہ سرحدی خبار نویس نے یور ایکسیلنسی کو اسکی اطلاع دی ہوگی۔

میری سلطنت کا کوئی آدمی علانیہ ایسا نہیں کر سکتا۔ تاہم انمیں سے بعض ملا کے بہت معتقد ہیں۔ اور ممکن ہے کہ انہوں نے رات کیوقت چوروں کیطرح گمنام سڑکوں سے اسکا ساتھ دیا ہو۔ ایسے وسیع ملک میں راتوں کے وقت چوروں کی نگہبانی کرنا کسطرح ممکن ہے۔

یور ایکسیلنسی لکھتے ہیں کہ دریاء کابل کے ساتھ ساتھ اور دیگر سڑکوں پہ پہرے تعینات کیئے جائیں۔ تاکہ کسی کو دوسری طرف جانیکی اجازت نہ ہو۔

میرے عنایت فرمائے محب ایسا انتظام صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ قریب

۱۰ ہزار سپاہی اس ضلع کے تمام پہاڑوں کی چوٹیوں اور دریا کے گذرگاہوں پر تعینات ہوں بجز ایسے احکام کے ٹھیک تعمیل ہونی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو روکنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے جو ملک سے بخوبی واقف ہیں۔ ہاں اگر مشہور معروف سڑکوں پر انکے واسطے پہرے تعینات کیئے جائیں۔ تو وہ اپنی واقفیت کی وجہ سے پہاڑوں اور ریگستانوں کے بیچ سے سرحد کو گذر جائیں گے تاہم مقامی اہلکار حتی الامکان نگہبانی کر رہے ہیں۔ اور فرقوں کے لوگوں کی علانیہ حرکات کو خوب دیکھتے رہیں گے۔

ان مقتولوں اور مجروحوں کی نسبت جو یور ایکسیلنسی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ معرکہ شبقدر کے بعد اوٹھا کر لیگئے ہیں میں عرض گذار ہوں کہ اگر وہ مردوں کو خفیہ اٹھا لائے ہیں۔ تو اب انکا سراغ ملنا محال ہو گیا ہے۔ اگر مجروحوں کی نسبت سوال کیا جائے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے فرقہ کے ساتھ ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں اور مجروحوں کو اس طرح زخم آئے ہیں اور چونکہ وہ لوگ بھی انہیں کے آدمی ہیں لھذا انکا بیان برعکس ثابت کرنا ناممکن ہے۔

یور ایکسیلنسی نے بنظر شفقت مجھے بتایا ہے کہ سرحدی فساد بلا اشتعال برپا ہوئے ہیں اور ان فرقوں کو سزا دینے کے واسطے فوج تعینات کیگئی ہے جنہوں نے مالاکنڈ اور چکدرہ کے حملہ میں حصہ لیا۔ یہ فوج بالائی وادی سوات تک گئی تھی۔ جہاں اپنے فرقوں سے اطاعت قبول کرائی ہے۔ ان آفریدیوں نے جو کئی سالوں سے برٹش گورنمنٹ کے ساتھ عہد و پیمان کیئے ہوئے ہیں عناد پر تلے بیٹھے ہیں۔ اور جو شخص اس کارروائی کا بانی اور ذمہ وار ہے۔ وہ ملا سید اکبر اور اکاخیل اور ملک بشیر ملک دین خیل ہیں۔ ان لوگوں نے خیبر میں بعض چھاونیاں جلادی ہیں۔ سڑک غیر محفوظ پڑی ہے جہاں سے کوئی قافلہ نہیں گذر سکتا۔ اسلئے موجودہ حالت میں قیمتی مال۔ بالخصوص جنگی ذخائر کا بھیجنا ملتوی کرنا ضروری ہے۔ آفریدیوں اور

دیگر فرقوں کو جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کی چوکیوں پر حملہ کیا ہے۔ ایسی عبرتناک سزا دیجائیگی
جو برٹش گورنمنٹ کی فضیلت کو نمایاں اور دستور کرے۔

مینے ان حالات کے وقعات سمجھ لیئے ہیں جنکی یور ایکسلنسی نے تصریح کی ہے اور
مجھے یقین ہے کہ جن فرقوں نے فساد برپا کیا ہے اور جنہوں نے جنگی سامان اور اسلحہ کے
بغیر گورنمنٹ کے مقابلہ پر معاندانہ کارروائی شروع کر دی ہے وہ منتشر اور پائیمال کیئے
جائیں گے۔

میں انمیں سے بعض لوگوں کو ملا تھا اور انسے بطور نصیحت کے دریافت کیا تھا کہ
وہ کیوں ناحق برٹش گورنمنٹ کا مقابلہ کرنے سے نقصان اٹھاتے ہیں اور اپنے آپ کو
اضحوکہ روزگار بناتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہہ کارروائیاں سخت مایوسی کی حالت
میں جسکے ہم سوروا تھے کرنیکے بغیر چارہ نہ تھا اور انہوں نے حسب ذیل حالات بیان کیئے
یعنی کہ ماقبل ان ایام میں نامور برٹش گورنمنٹ کیطرف سے ہمارے ساتھہ پختہ وعدہ تھا کہ ہم انگریزی
گورنمنٹ کی پابندیوں سے مستثنےٰ رہیں گے اور اپنے ملک میں آزادی سے بسر کرینگے اور جب
ہمیں گورنمنٹ عظیم کیطرف سے ہماری پاس ایسے احکام پہونچے۔ ہمارا کلی اطمینان ہوگیا تھا۔
اور ہمنے کوئی بھی کسی شخص کو ادا نہ کیا۔ لیکن بعد میں سرحدی افسروں نے گورنمنٹ کی
ان احکام کی پرواہ نہ کرکے جو ہمارے نام جاری کیئے گئے تھے ہمارے ملک میں سڑکیں بنانی
شروع کیں اور ہم سے مالیہ مانگنے لگے۔ اور ہمیں جرمانہ وغیرہ کیئے۔ جیسے کہ ہمارے
ساتھہ ایسا ہی سلوک ہونے لگا جیسا کہ ہندوستان کے پرانے باشندوں کے ساتھہ ہوا
پہاڑی ملازمت کے لوگ عموماً غریب ہوتے ہیں اور [illegible] کوئی پیداوار
نہیں ہوتی لہذا ہم [illegible] تیار ہوگئے ہیں۔ اور [illegible]
کہ سرحدی فرقے اس [illegible] کے مطابق کاربند ہوں [illegible] گورنمنٹ نے [illegible]
[illegible]

پیش کریں۔ اور اُنہوں نے کئی ایسے چھپے ہوئے اعلان دکھائے جو عظیم الشان گورنمنٹ ہند نے ان فرقوں کو آزادی قایم رکھنے کی نسبت جاری کیئے تھے۔ چونکہ مینے حالات مذکور بعض متذکرہ بالا فرقوں سے لیئے ہیں اور بعض علان بہی دیکھے ہیں جو انکے قبضہ میں تھے لهذا میں یور اکسیلنسی کی اطلاع کے طور پر ایزاد کرتا ہوں ظاہر ان لوگوں کا شکایتیں ہند کے سرحدی مقامی افسروں کی نسبت ہیں ممکن ہے کہ یور اکسیلنسی کے پاس بہی ایسے حالات پہنچے ہوں۔

لهذا سڑک خیبر کے بند ہونے اور بعض ملاؤں کی ترغیبات ~~لیکے غیر~~

کی نسبت یور اکسیلنسی نے مجھے اِن بواعث سے اطلاع دی ہے کہ درہ کے بیچ سے مال تجارت اور بالخصوص قیمتی مال اور جنگی ذخائر کی ترسیل کے مانع ہو رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ یہہ خودمختار فرقے لوٹ لیتے ہیں چنانچہ کچھہ عرصہ گذرا ہے کہ محمد حسین حاکم ڈکہ کو بعض کشمکش اور بکریوں کے خام چمڑوں کی قافلہ یا غنیٓ کا اہتمام سپرد کیا گیا تہا لیکن بعض شریر مال مذکورہ چھین کر لیگئے۔ اور ایک قافلہ سوداگران کا چھہ لاکھ روپیہ لیجا رہا تہا اور وہ ڈکہ میں پہنچ چکا تہا۔ مگر دسترک کا یہہ محال دیکھکر ڈکہ سے واپس بلوا لیا گیا تہا۔

اِسلیئے مینے یہہ انتظام کیا ہے کہ جتنے بہیجنی ضروری ہو وہ سڑک خیبر کے پھر کھلنے تک کراچی اور ہرات کی راہ سے روانہ کیجائے۔

علاوہ اِسکے یور اکسیلنسی اس فسانہ کا حال لکھتے ہیں جو بعض مفتری لوگوں نے اس قسم کا گھڑ لیا ہے کہ پشاور میں جو افواج جمع ہیں وہ کابل پر حملہ کرنے کے واسطے ہیں اور کہ گورنمنٹ ہند میری مدد کرنیکے معاہدہ پر اعزاز و وقار سے قایم رہیگی میرے پیارے مہربان کئی خودغرض اور احمق آدمی ہر ایک جگہہ میں اور جو کچھہ انکے ذہن میں آتا ہے لکھتے پھرتے ہیں۔ لیکن ایسے احمقوں کے بیانات کو

کوئی وقعت نہیں دیجاتی۔ جو صرف بیرونی باتوں کو دیکھتے ہیں اور ہمیشہ ضرر رسانی کے درپے رہتے ہیں۔ پشاور ایک ایسا مقام ہے جو گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے۔ اور گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ جو انتظام یا تدبیر چاہیے عمل میں لائے۔ اس طرح ہماری دو لتگورنمنٹ کو ایسی تدابیر پر عمل کرنیکا اختیار ہے جو وہ اپنی ممالک کے واسطے ضروری خیال کریں لہذا ابتک کوئی ایسا معاملہ ظہور میں نہیں آیا جو ایسی غیر ضروری ترمیمات پیدا کرنیکا موجب ہوں۔ اگر ایسا ہی ہونا خیال کیا جائے تو سب سے پہلے اسطرف سے اسکی وجہ دریافت کرنی ہوگی۔ جہاں یہ وقوع میں آئی۔

اگر یہہ معاملہ ایسا ہو کہ اسکے واسطے خط وکتابت ضروری ہو تو بیشک خط وکتابت ہونی چاہیئے۔ ورنہ خود غرضوں کی باتوں سے کیوں کان آشنا کیئے جائیں۔

اسی طرح جسطرح کہ یور ایکسیلنسی نے تحریر کیا ہے جبتک برٹش گورنمنٹ خیالات عمدہ اتحاد اور یکانگی مشعر اتحاد و اتفاق دولت خداداد رکھتی ہے۔ انشاءاللہ تعالی ہمیں بھی پورے وثوق کے ساتھ حسب شرائط عہدنامہ ناموربرٹش گورنمنٹ کے اتحاد پر ثابت قدم ہوں۔ ان شتروں کی نسبت جو وزیری ریزرو فوج سرکار کے چرا کر لیگئے اور خوست میں لاکر باشندوں کے پاس فروخت کر گئے میں مطلع کرتا ہوں کہ سردار شیر دل خان نے مالکوں کو انکے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے اگر یور ایکسیلنسی انکے واپس لینا ضروری خیال کریں تب چونکہ باشندگان خوست نے وزیری چوروں سے قیمتاً خرید کیئے ہیں لہذا انکو قیمت روجہ ادا کر کے اونٹ اُنسے واپس لیئے جائیں تا کہ خوست کے غریب لوگوں کا نقصان نہ ہو۔

ترجمہ چٹھی امیر افغانستان بخدمت ہز ایکسیلنسی حضور ویسرائے مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۹۵ء

بعد مراسم اتحاد۔ میں یور اکسیلنسی کو اطلاع دیتا ہوں کہ یور اکسیلنسی کا
الطاف نامہ مورخہ ۶ ماہ حال شرف صدور لایا جسمیں لکھا ہے۔ اول ملا مذکور میرے
ملک میں داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسنے بیجا کارروائی کی ہے۔ لیکن اگر وہ پھر بھی آگئے
میں اسکو اپنے ملک سے نکال دونگا تاکہ وہ عرب کو چلا جائے۔ کیونکہ وہ بہت شریر
شخص ہے مگر یور اکسیلنسی کی فوج کو بہت پیشقدمی نہیں کرنی چاہیئے تاکہ حدود کنار کے
اندر یا اُن افواج میں جو کنار میں ہیں کوئی اضطراب پیدا نہ ہو۔ ملا بڑا مکار ہے
اسکو ننگراہار کے لوگوں اور افواج کو جو شہر میں ہیں انکا موقعہ نہ دینے احتیاط ضروری
ہے۔ مبادا کہ گورنمنٹ عظیم کی افواج پٹروس میں کوئی جوش اور کھلبلی نہ مچجائیں
اور ملا لوگوں کو جوش دلاکر باعث فتور نہ ہو۔ اسی ضلع کے باقی حصہ کی نسبت جہاں
سرحد قایم نہیں کیگئی یور اکسیلنسی لکھتے ہیں کہ اسکا تا جاربلی حدود افغانستان
میں واقع ہے۔ چونکہ ان مقامات کی نسبت تاحال کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ لہذا بیشک
ویسا ہی ہوگا جیسا کہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔
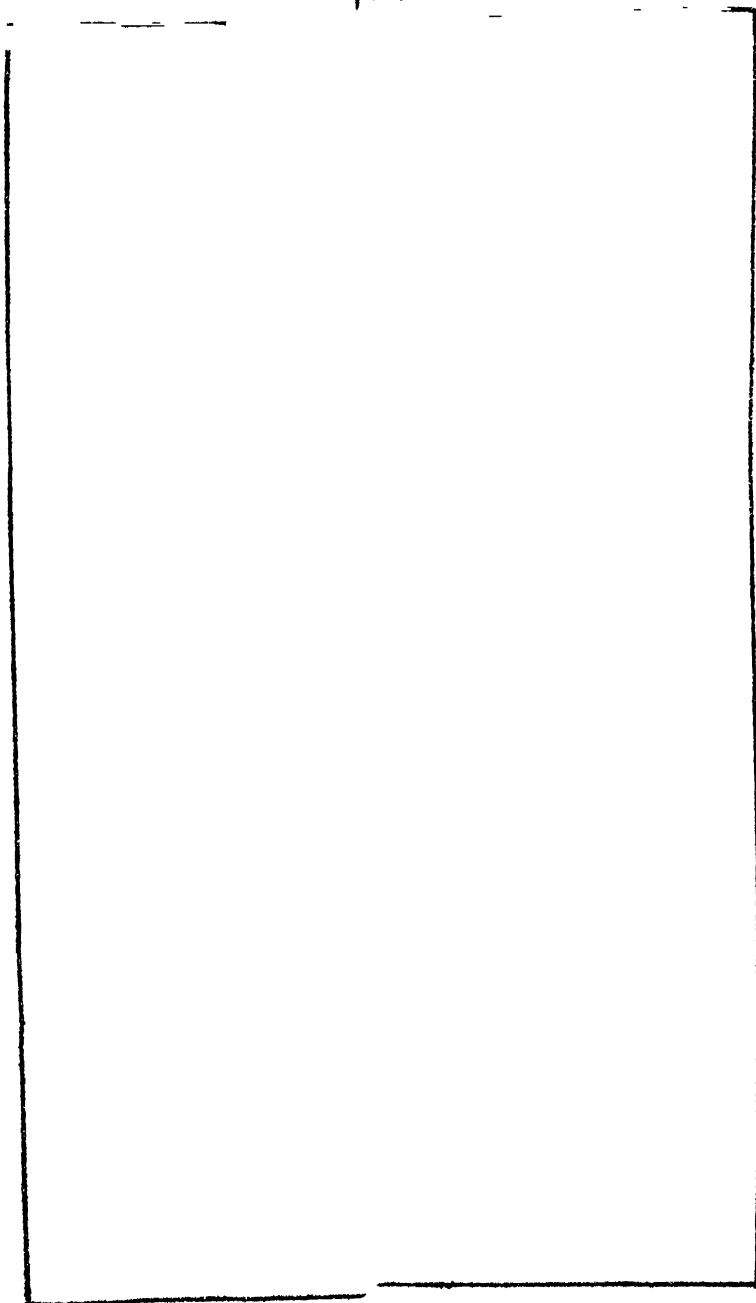
ضمیمہ چہارم

امیر افغانستان

[یہ مضمون سر لیپل گریفن صاحب نے اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات پر مشتمل رسالہ فارٹ نائیٹلی ریویو میں طبع کرایا تھا اور اب انگریزی سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر]

فی الحال جبکہ روس اپنے لمبے ہاتھ افغانستان کی حدود کی طرف پھیلا رہا ہے اور امیر عبدالرحمن خاں کو برٹش کمانڈر انچیف کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے بلایا گیا ہے مجھ سے تحریک کی گئی ہے کہ اس مشرقی فرمانروا کے گذشتہ حالات پبلک کے سامنے پیش کروں تاکہ انگریز بخوبی سمجھ لیں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور آیا اس کا مستقل ارادہ ہے کہ انگلینڈ اور روس کے مابین براعظم ایشیا میں برتری حاصل کرنے کے لیے جو جنگ و جدل بالضرور ہونیوالا ہے خواہ وہ ایک دوسرے کی بردباری امتیاز اور معقول تیاریوں کے باعث کتنی مدت تک ملتوی رہے۔ آیا وہ اپنی قسمت کو انگریزوں کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں نے کوئی نیا تذکرہ نہیں کیا یعنی امیر صاحب کو اگست ۱۸۸۰ء سے مطلق نہیں دیکھا۔ اس وقت ایک طول طویل اور خونریزی کے بعد وہ افغانستان کے بادشاہ تسلیم ہوچکے تھے۔ [illegible] [illegible] اور [illegible]

سٹیورٹ نے شاہی عروج سے استقبال کیا۔ اور انکی ملاقات کے بعد ہم فی الفور لشکر کے پیچھے روڑے جنسے واپس گھر کی راہ لی تھی۔ اسکے چند سال بعد جب وہ لارڈ ڈفرن کی ملاقات کے لیئے راولپنڈی میں آئے مجھے اُنسے ملاقات کا موقعہ نہ ملا۔ اور دوستانہ خطوط کے سوا میری اُنسے زیادہ خط و کتابت بھی نہیں ہوئی۔ اِس طرح پر میں اس قابل نہیں رہا کہ امیر صاحب کے مزاج اور اُنکی تدابیر ملکی میں کسی قسم کے تغیر کو بہت عمدہ طور سے معلوم کر سکوں جو اس وقت اُن افسروں کا کام ہے جو کہ کابل کے ساتھ گورنمنٹ کی موجودہ تعلقات کو نباہ رہے ہیں۔ لیکن قطع نظر اسکے اِن عہد و پیمان کے اختتام پر جنسے اُنہوں نے افغانستان کا حاکم ہونا منظور کیا میں اُنکے چال چلن اور طبیعت کی نسبت ایک بہت ہی عمدہ خیال پیدا کرنیکے قابل ہوا۔ اور کسی امر سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے کسی اہم خصوصیت سے اپنے تدبر کو بدل دیا ہو۔ مینے مقام زمہ میں اُنکے ساتھ پہلی ملاقات کرنیکے بعد گورنمنٹ انڈیا کو جو رپورٹ دی تھی۔ اسمیں یعنی انکو صاحب فراست و ذکا اور بارعب بیان کیا تھا۔ اور وہ خاندان بارک زئی میں بہترین اور برگزیدہ زہن پائے گئے تھے جسکی تصدیق گذشتہ گیارہ سال کی تاریخ سے ہوتی ہے اگر اِس وقت امیر صاحب اپنا اختیار و اقتدار کھو بیٹھیں (مگر میں اِسپر یقین نہیں کرتا) اور اپنے دشمنوں کے نرغہ میں پہنسکر معزول ہو جائیں تاہم وہ اپنے بعد ایک ایسی یادگار چھوڑ جائینگے جو بلحاظ شجاعت اور استقلال اور اپنے ملک کے مفسدوں کی سرکوبی کے واسطے بہترین معلومات رکھنے میں کسی مشرقی حکمران سے دوسرے درجہ پر نہیں ہونگے۔ یہہ دعوے نہیں کیا جا سکتا جو اصول ملکداری امیر صاحب کو عمل میں لانے پڑیں گے وہ مغربی یورپ کے نزدیک پسندیدہ ہونگے۔ یہ سخت ظالمانہ اور وحشیانہ ہیں۔ اِنمیں رعایا کی جان و مال

کی مطلق پروا نہیں وہ ایسے حاکم کی سراپا اطاعت کے مقتضی ہیں جسکا [illegible]
ہو یا شاید انکا اسپر یقین بھی ہو کہ وہ اپنے تخت پر الٰہی حق سے قابض ہیں وہ یہ
بات بھول گئے ہیں کہ پہلے روسیوں کے پاس پناہ گزین تھے اور پھر برٹش گورنمنٹ
نے انکو اپنے ظل حمایت میں لینا مناسب سمجھا۔ لیکن امیر صاحب کی شدید و سخت حکومت
ان لوگوں کو برسر دار چڑھانا ہی شاید ایسے وسائل ہیں جنسے کہ وحشی اور متمرد
یہاں انسانیت کے جامہ میں آئیں اور انمیں ایسا اوہ قومیت پیدا ہو جائے کہ وہ
یکجہتی اختیار کر کے غیر ملکوں کے دباؤ یا حملے کو روک سکیں پیشتر اسکے کہ ہم امیر صاحب
کی وحشیانہ سیاست کی سختی سے نکتہ چینی کریں۔ واجب ہے کہ ان لوگوں کی فطرت کو ملحوظ رکھیں
جنکے ساتھہ انکا سابقہ ہے۔ اور ان نتائج کو دیکھیں جو وہ منتج کیا چاہتے ہیں تمام
قوموں میں سے جنکے ساتھہ انگریزوں کو قریبی لگاؤ ہوا ہے۔ افغان اپنی سرشت
اور جبلت میں سب سے زیادہ غیر مہذب ہیں۔ وہ تند مزاج۔ خونخوار۔ اور مذہبی
پرستش میں ... شارار دغا باز ہیں۔ انکی صفات حسنہ ابتدائی اور خانگی قسم کی ہیں
اور انکی سب سے اعلے کی شجاعت ہے جو انمیں نمایاں درجہ میں پائی جاتی ہے وہ
ان معنوں میں غیر مہذب ہیں کہ وہ کسی قومی وابستگی اور جماعت سے متنفر ہیں
ہر ایک شخص اپنے ہم جنسوں سے سرکش رہتے کہ اپنے فرقہ کے سرغنوں کا حکم
بھی نہیں مانتا کوئی شک نہیں کہ ہر گروہ اور قبیلہ میں ایسے آدمی بھی موجود
ہوں جو مغرور اور حیلہ باز ہیں دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں اور انکو بعض
آدمیوں پر اقتدار بھی ہوتا ہے۔ لیکن انکا رعب ذاتی اور عارضی ہوتا ہے
اور وہ ایسی ہی جلدی معدوم ہو جاتا ہے جیسے کہ سرعت سے پیدا ہوتا ہے کسی
خیالی ملک میں جہاں کہ ہر فرد بشر کو نہایت تسکین ہے تہذیب و تمدن اسکی
اجازت ہو۔ اور غایت درجہ کی شخصیت سے کسی قسم کا نقصان متصور نہیں ہے
لیکن افغانستان جیسے ملک میں یہ حال نہیں ہے جو اندرونی نا اتفاقی سے پارہ
پارہ ہو گیا۔ اور طاقتور ہمسائے اسکی طرف غیرت سے دیکھتے ہیں۔ جسکے قومی یکجہتی

کی مداومت کے لیئے بھی ایک چارہ ہے کہ اس ملک کا لوگوں کو امیر عبدالرحمن خان
جیسا حاکم ملجائے جو رعایا کو ایک ایسے سانچے میں بزور ڈہالے جسمیں وہ ڈہلنے
کی عادی نہیں ہے۔ اور انکو ایک سرسری کارروائی سے یہہ درس دی کہ انکا پہلا
فرض سلطنت سے متعلق ہے اور انکی اپنی ذوات اور اہل وعیال اور بہائی بندوں
سے نہیں۔ جبتک یہہ ابتدائی سبق حاصل نہ ہو۔ کسی ملک کے لوگ جہالت کی اوبار
سے نہیں نکل سکتے۔ اور عقلمند انسانوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہوسکتے۔ مہاراجہ
رنجیت سنگہ نے بہی سکہوں کو پڑہایا تہا جو افغانوں کے مساوی خودسر اور قانون
پر نہ چلنے والے ہیں۔ اور انکو ایک طاقتور تربیت یافتہ سپاہیوں کی قوم بنا دیا
یہی سلوک امیر صاحب اپنی رعایا کے ساتہہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن
انکو قبائل کی تنفر اور انکے حسد ورقابت کی باعث زیادہ تر مشکلات پیش آئی
ہیں جنکے باعث ایسی زور وشور سے خونریزیاں رہتی ہیں۔ کہ اہل کابل کا رسیکا
بہی انکو نہیں سمجہہ سکتے۔ جب ہم افغانستان میں تہے ہمنے سرداران قبایل کے
کسی ایک جتہے سے اضلاع کوہستان کابل۔ جلال آباد یا غزنی میں عہد وپیمان
کرنا قریباً ناممکن پایا تہا ہر ایک سردار کی اغراض جداگانہ تہیں اور اسکو پاس
دوسروں سے علیحدہ جانا پڑتا تہا۔ معلوم کرنا بہت ہی مشکل تہا کہ اس سردار
کا اس فرقہ پر کسقدر اقتدار ہے جسکے لیڈر ہونیکا اسکو دعوےٰ تہا۔ افغانوں
میں کسی کے قابو میں رہنے کی بےصبری علی العموم ہے اور انکا بہاری قومی خاصہ یہی
ہے۔ بلوچ فرقے جو کہ افغانستان کے جنوب اور جنوب مشرق میں رہتے ہیں اپنے
حکمران کے ایسے ہی مطیع وفرمانبردار ہیں جیسے کہ افغان اسکے برخلاف ہیں اول الذکر
طرز حکومت بالکل امرا پر موقوف ہے اور وہ اپنے موروثی سرداروں کی پوری
اطاعت کرتے ہیں اسلیئے انکا قابو میں رکھنا بہت ہی آسان ہے سر رابرٹ سینڈیمن
مرحوم نے جنکی وفات کی تلافی نہیں ہوسکتی اپنی اعلےٰ قابلیت سے بلوچ قبایل کی
[illegible] میں شامل [illegible] تہا [illegible] سمجہایا تہا [illegible] سردار انکو اپنا مشہور

اثر بھاری ہوتا ہے۔ کیونکہ جو طاقت بسے ارادہ ظاہر ہو وہ بھی دنیا پر اپنا بہت
رعب ڈالتی ہے۔ مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم انگلستان کی فارن پولیسی یعنی کہ سکندریہ
پر گولوں کی بوچھاڑ کرائی گئی جسکی کوئی خاص وجہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ لیکن اسکی
وجہ سے مشرقی لوگوں کے دلوں پر بھاری اثر ہوا تھا۔ علاوہ اسکے بغیر لارڈ سیلسبری وزیر
اعظم انگلستان کے زمانہ میں مصر کا بندوبست ایسا مشہور آفاق نہ ہوتا جیساکہ
اب یورپ والوں نے تسلیم کیا ہے۔ یہہ ریمارک شمالی اور وسطی افغانستان پر صادق
آتے ہیں۔ جنوبی اور مغربی افغانستان کے لوگوں پر آسانی سے حکومت کیجا سکتی
ہے اور قندھار اور ہرات لوگوں کی بغاوت کے خطرہ کے بغیر قبضہ میں رہ سکتے ہیں
تاجک اور ازبک لوگ جو کہ افغان ترکستان کی محنت کش آبادی کا بڑا حصہ ہیں اور
دریائے جیحون کے جنوب میں سکونت پذیر ہیں نہ تو لڑاکے اور نہ ہی جوش
تعصب بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ہندوکش کے اس پار انگریزوں کے مداخلت دینے
پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اگر انگلینڈ اور روس میں لڑائی ہوکر افغانستان
انمیں تقسیم ہوجائے تو قدرتی طور پر ترکستان اور ہرات روس کے حصہ آئیگا اور
کابل و قندھار انگلینڈ کو نصیب ہونگے۔ اس صورت میں ہمیں نہایت پُرخار اور غیر از
منفعت حصہ اس تقسیم سے ملیگا۔ لیکن جب تک امیر صاحب بحال تخت پر ہیں اور انگریزوں
کے رفیق اور معاون ہیں اس طرح پر اس ملک کی تقسیم کے بارہ میں بحث کرنیکا موقعہ
نہیں ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ یہہ خبر انگلستان میں پہونچی تھی کہ امیر صاحب کی باغی رعایا
نے اسکو سخت تنگ کر رکھا ہے اور اسکے مظالم سے بہت تاجک ازبکوں کے مختلف حصوں
میں بغاوت پھیل گئی ہے۔ انہوں نے ملکی فسادوں کو پیشاور یا جلال آباد پر کمانڈر
انچیف کے ساتھ ملاقات کو ملتوی رکھنے یا اس سے بالکل اجتناب کرنیکا عذر پیش کیا
لیکن میں بوثوق یقین کرتا ہوں کہ امیر عبد الرحمن خاں اس بلوے کو جو کہ عام
بلووں سے خطرناک معلوم ہوتا ہے اسیطرح فرو کرینگے جسطرح کہ انکے عہد حکومت
میں دوسری جنگی کارروائیوں میں کامیابی ہوتی رہی ہے۔ اس ملک کا شیرازہ کوئی

فرمانروا ہوا اسکے عہد میں سخت بغاوت کا بھڑک اٹھنا کچھ نئی بات نہیں بلکہ
قاعدہ کلیہ ہو چکا ہے۔ اور ملک کے کوہستانی حصہ میں مالیہ بے فوج کی مدد کے بغیر جمع
نہیں کیا جا سکتا۔ ملک کے میدانی حصوں میں یعنی ہرات۔ لوگہار۔ کابل اور قندھار
کے گرد و نواح میں رہنے والے اپنی ضروریات کی وجہ سے مالیہ سرکار ادا کرتے ہیں
باقاعدہ ہیں۔ لیکن ہزاری لوگوں کا مسکن پر یورش کی گئی ہے اور جو غزنی اور
ہرات کے جنگلوں اور جبال میں آباد ہیں بمشکل سے رسائی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ
بہت دیر تک تربیت یافتہ لشکر کو بھی روک سکتی ہیں۔ حالانکہ انمیں نہ تو کوئی
قومی وابستگی ہے اور نہ وہ باقاعدہ تربیت یافتہ ہیں۔ اور ایسے کوہستانی ملک
میں وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے جو لڑائی کرتے ہیں وہ نہایت خطرناک
ہوتی ہے۔ قوم ہزارہ کو مطیع کرنا خواہ کیسا ہی مشکل اور طویل کام ہو۔ لیکن مجھے
یہہ کہنے میں مطلقاً تامل نہیں کہ یہہ قوم کامیابی کے ساتھ مطیع کیجائیگی۔ اور اسکا
انجام ویسا ہی ہوگا جیسا کہ وہ جنگجو غلزیوں کی سرکوبی کا ہوا تھا۔

برلن کے ایک نامہ نگار نے ۵ نومبر کو لنڈن کے ایک اخبار کو اس مضمون کا
تار دیا ہے کہ قوم ہزارہ نے ذخیرہ اسلحہ غالباً بوساطت فارس روس سے
حاصل کی ہیں۔ اور انکا ارادہ اس مقابلہ کو جاری رکھنے کا ہے۔ دوسری طرف سے
امیر صاحب کو بحالت مجبوری آٹھ ہزار بہادر حملہ آور لشکر میں بڑھانے پڑے ہیں۔
روس کی توپوں کے متعلق جو افواہ ہے وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں
کہ افغانستان کے متعلق سب تازہ خبر جو برلن سے پہونچی۔ لیکن یہہ خبر ایک اندرس
پھیلانے سے بے معنی ہے کیونکہ اس سے تمام عظیم یورپ کے لوگوں کی رائے اس بابت
میں ظاہر ہوتی ہے کہ زار روس امیر عبدالرحمن کے دشمنوں کو مدد دینے
کا ارادہ رکھتا ہے۔ یقین ہے کہ یہ رائے صحیح ہے۔ اور مجھے شک نہیں کہ زار
نے امیر صاحب کے ساتھ رابطہ اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور یہہ
تعلق انکے چچا شیر علی کے زمانہ میں بہت دیر تک رہا۔ لیکن اب امیر صاحب

کیطرف سے نہایت بے توجہی ظاہر کیجاتی ہے۔ زار روس بخوبی سمجھ گیا ہے کہ آخر میں
امیر صاحب انگلینڈ کے رفیق صادق ہوجائینگے اور روس کے ساتھ عہد و پیمان کرنے
کیطرف مانوس نہیں ہونگے۔ امیر صاحب کی غالب پالیسی کا معلوم کرنا نہایت ضروری
ہے کیونکہ ایسی پیچیدگیاں جو کسی وقت نازک اور خطرناک ہوسکتی ہیں۔ انگلینڈ اور
روس میں پیدا ہونی ممکن ہیں جسکی نظیر ۱۸۸۵ء کا پنجدہ والا معاملہ ہے۔ اگر گورنمنٹ
اس وقت اس جگہہ سے نہ ہٹتی۔ جسکو اسنے قبضہ میں رکھنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ تو اعلان
جنگ ہونے میں شبہہ نہ تھا۔ یہہ سوال ایسا دلچسپ ہے۔ اور افغانستان اور انگلستان
کے آئندہ تعلقات یہانتک اسکے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور اسی سے ہماری شمالی
مغربی حدود پر لشکر کشی کی حالت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان دلائل کا امتحان
کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا جن سے اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ امیر صاحب
برٹش گورنمنٹ سے تعلق رکھنے میں ثابت قدم ہیں۔ اور ہمارے زیادہ تر حوصلہ
دلائے جانے اور حمایت کے مستحق ہیں۔ اس غرض کے واسطے ان ایجنٹوں کی رپورٹوں
کو دیکھنا لازم ہوگا۔ جو مینے وائسرائے کے فرمان سے امیر عبد الرحمن صاحب
کی ملاقات کیواسطے بھیجی تھیں جبکہ وہ تاشقند سے روس کی حفاظت کو چھوڑ کر
جیحون گذر کر افغانستان میں چلے آئے تھے۔ ان رپورٹوں کو میں اس انداز کے ساتھ
مقابلہ کرونگا جو مینے امیر صاحب کے زوال روس کی نسبت انکے خیالات کا انکے ساتھ
بہت طول طویل گفتگو کرنیکے بعد لگایا تھا۔ یہانتک میں خیال کرسکتا ہوں۔ امیر صاحب کی پالیسی عموماً اسی کے
مطابق رہی ہے جو انہوں نے تخت نشین ہونے سے پہلے صداقت سے ظاہر کی تھی جب مینے انسے
پہلی ملاقات کی۔ ممکن ہے کہ لوگ اسکو بہت زمانہ گذرا ہوا کہتے ہوں۔ امرا کی بڑی تعداد
اسکی مخالف تھی۔ بہتیرے بوقلموں لباس پہنے ہوئے تھے یا نہایت قلیل لباس سے ملبوس اور خراب اسلحہ سے
مسلح تھے۔ اور الحق فوج بہت سست تھی اگرچہ شیر علی قابض تھا تاہم امیر عبدالرحمن خان اسوقت عظیم تھے
جیسے انکی قسمت کا فیصلہ کرنا تھا۔ ایسے حالات میں استقلال اور آئندہ نیک و بد قسمت سے مستغنی
ملکے کہ علی العموم اسکی طرف توجہ معطوف ہو رہی تھی۔ انکے مزاج اپنے ہموطنوں سے

اسقدر مختلف تہی کہ وہ دو رنگوئی یا ذو معنی باتوں کو اپنے خلاف شان سمجہتے تہے
حتے کہ انہوں نے روسیوں کے برخلاف کوئی لفظ زبان سے نہ نکالا اور نہ ہی
اُنسے عداوت رکہنے کا اقرار کیا۔ حالانکہ کمزور دل خیال کر لیتا کہ اپنے انگریز میزبانوں
کا منظور نظر ہونے کے لیئے یہہ سب سے بہتر ڈہنگ تہا۔ ہر ایک سوال پر خواہ وہ
ملکی انتظام یا فارن پالیسی یا تقسیم افغانستان۔ یا جنوب و مشرقی حصوں کے کابل
سے علیحدہ کرنے کی بابت یا وظیفہ کی مقدار یا اسلحہ کے متعلق تہا۔ جو انکو ملنے تہے
یا مخالف اور مشتبہہ سرداروں کو ملک سے نکال لینے کے متعلق تہا۔ اُنہوں نے اپنے
خیالات کو ایسی صفائی اور پر زور الفاظ میں بیان کیا کہ وہ سب صداقت سے
مملو تہے اور ایس میں اِن سے آجتک میں نے اِنکی پالیسی میں کوئی ایسی بات نہیں
پائی جو اِن یقینوں کے متضاد ہو جو تخت نشینی سے پہلے ہمیں دلائے گئے تہے
بیشک بہت ایسی باتیں ہیں جو امیر صاحب کے سلوک اور دستور العمل سے برٹش
گورنمنٹ ہمیشہ گلا کرے گی۔ لیکن یہ سب بجائے خود معقول وجہ رکہتے ہیں مثلاً
سب سے پہلے عمدہ طور پر یہہ بحث کیجا سکتی ہے کہ اِنکی یہ کارروائی اتحاد سے بعید
تہی کہ وہ ہمیشہ برٹش حدود پر اُن قبائل اور خوانین میں اپنا رسوخ بڑہانے
کی کوشش میں لگے رہے جو بارہا افغان رسوخ کے احاطہ سے باہر قرار دیئے
جا چکے ہیں۔ چترال اور سوات اور باجوڑ اور یاسین اور درہ خیبر کے قبائل
سے بہی وہ کچہہ نہ کچہہ سازشیں کرتے رہے ہیں۔ اور بعض دفعہ اِنکے مداخلت
بیجا کرنے والے ہاتہوں کو روکنے کے لیئے کہلم کہلا کہنے کی ضرورت ہوئی۔ اِس
قسم کے واقعات کو زیادہ وقعت دینی نہیں چاہیئے۔ اِس بات کو خیال
رکھنا چاہیئے کہ کل پنجاب جسمیں کشمیر بہی شامل ہے کسی وقت افغانوں کے
زیر حکومت تہا۔ اور ۱۸۴۹ء میں ہماری جو آخری لڑائی گجرات میں ہوئی
تہی۔ اسمیں افغانوں کی فوج کا ایک دستہ فتح متوقعہ کی لوٹ کا حصہ لینے کی خاطر
موجود تہا۔ صرف ستر سال گذرے ہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگہ صاحب نے افغانوں

کو علاقہ کشمیر سے نکالا تھا۔ یہ صرف سنہ ۱۸۳۴ع کا ہی واقعہ ہے کہ اُن افغانوں کا ایک
بڑی خونریز لڑائی ہوگئی جسمیں سردار ہری سنگھ نلوہ جو ایک نامور سکھ سپہ سالار
تھا پشاور سے نکلنا پڑا۔ اس طرح والی دولت خداداد افغانستان خیالات اور
روایات سے پنجاب کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ اور بلاشبہ چاہتے ہیں
کہ انکے ہمقوم وہمذہب فرقے جو انگریزی سرحد پر رہتے ہیں۔ انکی رعیت میں
شمار ہوں۔ حالانکہ سچ بات یہ ہے کہ ان وحشی لوگوں نے کابل کے کسی حاکم کی اطاعت
کا جوا کبھی اپنی گردن میں نہیں پہنا۔ ہمارے نیک و قابل اعتبار رفیق امیر
دوست محمد خاں جنہوں نے ایام غدر میں عظیم خدمات کیں۔ امیر عبد الرحمن خاں کی
طرح حدود پر دست اندازی کرنے کے مشتاق تھے اور لارڈ لارنس جو اُندنوں
پنجاب کے فرمانروا تھے ایک سے زیادہ دفعہ انکو تاکید اکید سے اس امر کیطرف توجہ
دلائی تھی۔ ۳۰ مارچ ۱۸۵۵ع کو برٹش گورنمنٹ اور دوست محمد خاں کے مابین
جو عہد نامہ ہوا تھا اُسمیں وہ کابل و دیگر اضلاع گرد و نواح کے جو واقعی اُنکے قبضہ
میں تھے حاکم تسلیم کیے گئے تھے۔ لیکن ۱۸۵۵ع میں علاقہ جات افغان نشین
کی نسبت اُنکے دعاوی ناجائز و باطل کیے گئے تھے۔ لیکن یہ فرقے برٹش گورنمنٹ
کی حمایت کے بغیر ہی اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ مثلاً آفریدیوں کو ہی دیکھیے جو درہ
خیبر میں رہتے ہیں اور ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ ہم بادشاہوں کو اپنے پہاڑوں میں
آتے اور جاتے دیکھتے رہے ہیں۔ لیکن ہمنے کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ اور
اُنہوں نے اپنے اس فخر کی تائید میں امیر شیر علیخاں کا اسباب آخری وقت لوٹ لیا
جب وہ آخری دفعہ اُنکے ملک سے گذرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب سے برٹش گورنمنٹ
نے امیر کو والی کابل نامزد کیا ہے وہ گورنمنٹ سے عموماً ایسا سلوک کرتے رہے
ہیں جو قابل اصلاح معلوم ہوتا ہے۔ اور اسمیں ذرہ بھی وہ گرمی نہیں جو ہونا چاہیے
اور برتاؤ جو کہ انکا انداز ایسے شخص کیطرح ہونا چاہیے تھا کہ گویا جو کچھ اُنکے پاس
ہے اُسکے واسطے وہ برٹش گورنمنٹ کے ممنون ہیں۔ اور اُسنے جو ہماری حفاظت

اُنکو ملتے ہیں وہی اُنکے عروج کا باعث ہو رہے ہیں۔ تاہم اُنہوں نے ایسا متکبرانہ
انداز اختیار کیا ہوا ہے جو فارن آفس کلکتہ کو نہایت شاق گذرتا ہے کسی افغان امیر
سے مشکور رہونے کی توقع کرنا محض تمسخر ہے۔ جب میں امیر صاحب سے پہلی دفعہ ملا انہوں
نہایت احتیاط سے اِس بات کیطرف اشارہ کیا تھا کہ ہم تخت انکے پیش کرنے سے
اپنے کندھوں کو اِس بوجھ سے سبکدوش کیا چاہتے ہیں جسکو ہم زیادہ تر برداشت
کرنیکے قابل نہیں رہے۔ بیشک ہماری حالت یہی تھی اور امیر صاحب ایسے آزاد منش
ہیں کہ انہوں نے اِس سے اغماض کرنا نہ چاہا۔ اِسکے ساتھ ہی بعد خط وکتابت میں
انکو باادب ہونا چاہیے تھا۔ اِسکے بعد اِس امر کی شکایت کی جاتی ہے کہ امیر صاحب
نے اِن تمام سرداروں کو جنسے اِنکو کینہ تھا چُن چُن کر قتل یا جلاوطن کرایا حالانکہ
اِنکو معلوم تھا کہ اِنمیں سے بہت انگریزوں کے دوست ہیں اور ہمنے خصوصیت کی
ساتھ نظر شفقت رکھنے اور اُنکی حفاظت کرنیکی امیر صاحب سے سفارش کی تھی۔
لیکن ہم بدقسمتی سے اِس سفارش کی تعمیل نہیں کرا سکتے تھے کیونکہ ملکی ضروریات
کی وجہ سے ہماری واپسی ایسی عجلت اور تعجیل سے ہوئی کہ برٹش گورنمنٹ کا کوئی
بھی فوجی اقتدار قائم مقام کابل میں نہ رہا۔ اِس طرح ہم اپنے دوستوں کی حفاظت
کا کما حقہ بندوبست نہ کر سکے۔ اِسلئے اِنمیں سے اکثر لوگوں نے ہمارے ساتھ افغانستان
کو بالکل چھوڑنا ہی مصلحت وقت سمجھا جس سے عورتوں بچوں اور ہمراہیوں کی تعداد
کثیر کے باعث واپس آنے والی فوج کی مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ جو پیچھے رہ گئے انمیں سے
تمام ایسے لوگوں کو جنہیں امیر صاحب نے اپنے یا اپنے باپ کے یا اپنے خاندان کے دشمن
خیال کیا بیدریغ تباہ کیا۔ ہر جگہہ اور بالخصوص وحشی ملکوں میں جہاں تھوڑی
دیر کے لیئے قبضہ رہتا ہے ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اُس
وقت جو کچھہ افغانستان میں واقع ہوا تھا ویسا ہی اوگنڈا میں ہوا۔ اگر گورنمنٹ

اِس جگہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کرے۔ جہاں یہہ اِسوقت قابض ہی۔ انگلنڈ کے تمام دوست تہ تیغ کیئے جائیں اور انگریزوں کا اقتدار وسط افریقہ سے اُٹھ جائیگا لیکن امیر صاحب کو اِس بارہ میں بہت سخت متہم نہیں کرنا چاہئیے۔ وہ اپنے دوست اور دشمنوں کو بخوبی جانتے ہیں اور تاشقند اور سمرقند میں عرصہ دراز تک قیام کرنے میں وہ اپنی مصیبتوں پر سوچتے رہے۔ اِسلیئے تسلط پاتے ہی انتقام لینے کے درپے ہوئے۔ افغانوں کو کسی سے جو رنج پہنچا ہو اُسکو خوب یاد رکھتے ہیں اور جب کبھی موقعہ ملتا ہے اُسکا انتقام لینے سے باز نہیں رہتے۔ ہمارے افغان دوستوں کی ہلاکت کی ذلت امیر صاحب کے سر نہیں ہے بلکہ گورنمنٹ انڈیا کے ماتہے ہے۔

ہماری آخری شکایت گو بہت بھاری ہے تاہم وہ خط و کتابت سے دور ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہہ ہے کہ برٹش مال تجارت پر جو محصول لگایا جاتا ہے وہ بمقدار زیادہ ہے کہ اُسنے افغانستان اور وسط ایشیا کے ایک حصۂ عظیم کے ساتھ ہماری تجارت کو قریباً بند کر دیا ہے۔ اگر ہم افغانستان کو چھوڑنے میں ایسی جلدی نہ کرتے اور امیر صاحب کے ساتھہ ایک سیط معاہدہ کر آتے تو اسمیں آسانی سے یہہ درج ہو سکتا تھا کہ تجارتی مال پر صرف واجبی محصول لگائے جائینگے۔ اِس طرح بولان خیبر اور گومل کے دروں کی راہ سے ہماری تجارت کو گذشتہ دس سال میں اِسوقت تک بہت کچھ فروغ ہوا ہوتا۔

اِسکے پایۂ یقین کو پہنچنے سے پہلے کہ عبدالرحمن خاں خلف الصدق عظیم جانشین امیر دوست محمد خان سلطنت کا مالک ہو گیا ہے۔ انکو لارڈ لٹن نے قندہار اور ہرات چھوڑ کر شمالی افغانستان کا حاکم متصور کرنیکا خیال پیدا کیا مگر وائسرائے کی اِس پولیسی کی اور اُنکے برگزیدہ فارن سکرٹری نے اسبرجسطرح عملدرآمد کیا اُنکی کمال تبعی عداوتیں دیکھی تھی۔ بلا شبہ اِس سے بڑھکر کوئی بہتر اور معقول انتخاب

نہیں تھا۔ اور گو با وسیع النظری اسکا پورا کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اسمیں پوری
کامیابی نصیب ہوئی۔ وائسرائے کو اس بات کی اچھی طرح واقفیت تھی کہ جب شیر علی
صاحب تخت کابل پر حکمران تھے عبدالرحمن خاں سردار شیر علی والی قندھار سے
ملکر امیر فرمانروا کو اس غرض سے نکال دینے پر راضی تھے کہ سردار مذکور مغربی افغانستان
پر۔ اور عبدالرحمن خاں کابل اور ترکستان پر قبضہ کریں مگر سردار شیر علی نے جو شاہ فرمانروا
کا وفادار رفیق تھا ان خرخشوں کو نامنظور کیا۔ امیر روسیوں نے اسکی خبر پاکر عبدالرحمن
کو ایسے وقت میں جبکہ وہ لڑائی کے لئے تیار نہ تھے انہیں دباؤ ڈالنے کی اجازت نہ
دی۔ اسلیئے اسکو سمرقند سے تاشقند لیگئے۔ مگر وائسرائے نے خیال کیا کہ شاید اس موقعہ پر
امیر صاحب سے کوئی بند وبست ہوجائے۔ اسلیئے انہوں نے مجھے اس غرض سے انکے
ساتھ سلسلہ جنبانی کرنیکا ایماء فرمایا اور یہ ٹھان لی کہ اگر اس طرح پرائیویٹ
خط وکتابت سے کام نہ نکل سکا تو بڑے بڑے سرداروں کا ایک مشن تاشقند کیطرف
بھیجکر شمالی صوبجات انکے پیش کیئے جائیں گے کیونکہ انکو یقین تھا کہ اس قسم کی علانیہ
مشن کی نسبت روسیوں کو کچھ اعتراض نہیں ہوگا [illegible] عبدالرحمن خاں کو
اسکے منظور کرنے کی اجازت دینگے اور [illegible] شیر علی
کے ایسے ہی دوست ہوجائیں گے جیسے کہ انکو کسی [illegible] قاصد
جسکو میں نے امیر عبدالرحمن خاں کے پاس خط دیکر بھیجا وہ محمد سردار نامی ایک ذہین
وفہیم دوست تھا جو بعد میں ہرات کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ وہ ۲۴ اپریل کو کابل سے
روانہ ہوکر قندہار پہنچا جو جیحون کے جنوب میں واقعہ ہے اور اس وقت امیر عبدالرحمن
خاں علاقہ روس کو چھوڑکر وہاں خیمہ زن تھے وہاں چند یوم ٹھہر کر اسنے عبدالرحمن
خاں کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں اور آخر انسے فائز بمرام رخصت ہوکر کابل واپس
آیا۔ اور اپنے ساتھ میری چٹھی کا ایک باقاعدہ جواب لایا۔ اور ساتھ ہی زیادہ تر

ضروری امور کا زبانی جواب لایا جنکی بابت قاصد کو زبانی دا قعات پیش کرنے کی ہدایت کیگئی تھی۔ جو معلومات اس جنٹلمین کی وساطت سے حاصل ہوئیں وہ بہت دلچسپ اور ضروری تہیں لیکن یہاں جس امر کو میں واضح کرنا ہے اور جسکا میں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ امیر عبدالرحمن خاں کا چال چلن اور روس کی نسبت اُسکے خیالات پر روشنی ڈالنا ہے۔ وہ برٹش گورنمنٹ کی خط و کتابت سے نہایت مطمئن ہوئے اور انگریزوں سے دوستانہ خیالات کا اظہار کیا اور نہایت صداقت سے وہ حالات بالتفصیل بتائے جو اُنکے علاقہ روس کو چھوڑنیکا باعث ہوئے۔ اُنہوں نے کہا کہ جب میں پہلے سات برس روس میں مقیم رہا۔ روسی اس امر پر مصر ہوئے کہ میں افغانستان سے مطلق کوئی سروکار نرکھوں۔ کیونکہ اُنہوں نے انگریزوں کے ساتھہ عہد کیا ہوا ہے۔ وہ افغانستان میں کوئی مداخلت نہیں کرینگے۔ بعدمیں اُنہوں نے مجھے یہ بتایا کہ امیر شیر علی نے اُنکے ساتھہ رفاقت پیدا کی تہی اسلیئے وہ اپنے رفیقوں کے امن میں خلل اندازی کرنے کی مجھے اجازت نہیں دینگے۔ جب شیر علی نے میمنہ پر حملہ کیا میں نے پہر آنے کی اجازت چاہی لیکن اُنہوں نے انکار کیا۔ جب میرے ساتھہ اس طرح ہونے لگا۔ یعنی شیر علی کی وفات پر خفیہ بہاگنے کی تیاری کی۔ لیکن پیشتر اسکے کہ میری تجاویز پختہ ہوں روسی میرے ارادوں سے واقف ہو گئے اور اُنہوں نے مجھے مع اپنے عیال کے تاشقند بہیجدیا۔ اسکے بعد جب پہر مار آئی انگریز یعقوب خاں کو ہندوستان لیگئے ہیں اُس وقت جنرل کافمین اور نبرگ میں تہا۔ اس طرح سکرٹری مقیم تاشقند نے عبدالرحمن خاں کو اپنے پاس بلوا کر کہا کہ تمہیں ہمیشہ اپنے وطن کو لوٹنے کا اشتیاق رہا ہے اب انگریز لوگ یعقوب خاں کو ہندوستان لیگئے ہیں اسلیئے واپس جانیکا بہترین موقعہ ہے۔ اگر تم جانا چاہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ عبدالرحمن خاں نے جواب دیا کہ میں اس امر پر غور کرونگا۔ مگر اسکے تین یوم بعد سکرٹری نے اسکو پہر بلوا بہیجا اور پوچھا کہ تم کس فکر میں ہو۔ ہم جانتے

کیوں نہیں۔؟ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام بھی رہو تو چنداں مضائقہ نہیں تم ہمارے پاس آکر اپنے موجودہ وظائف لے سکتے ہو۔ لیکن پہر تمہیں ایسا موقع نہیں ملنے کا پس اگر جانا چاہتے ہو تو ابہی جاؤ۔ تم یقیناً جنرل غلام حیدر کو نکالکر ترکستان پر مسلط ہوجاؤگے۔" عبدالرحمن خاں نے مکرر کہا کہ میرے پاس اسلحہ۔ گھوڑے۔ ساز وسامان اور روپیہ موجود نہیں ہے۔ آخر بذریعہ تار جنرل کاف مین سے خط وکتابت کرنیکے بعد قرار پایا کہ ۲۰۰ بندوق اور فی بندوق ۱۰۰ گولی اور ۱۰۰ پیادہ اور ایک سو سوار مع سامان حرب اُنکے ساتھ کردیئے جائیں۔ مزید براں ۵۰۰۰ بخارا کی اشرفیاں جو تقریباً ۳۰۰۰ روپیہ کے مساوی ہوتی ہیں پیش کیگئیں۔ یہہ رقم اور وہ نقدی جو اُنہوں نے وظیفہ سے بچاکر پس انداز کی تہی اُنکی تمام وکمال جمع جتہا تہی اور وہ سب لیکر روانہ ہوئے۔ عبدالرحمن خاں نے روسیوں کی نسبت اظہار اتحاد کیا اور کہا کہ مینے اُنکے ساتہہ کوئی تحریری یا مخفی عہدنامہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی میں کسی حلف یا معاہدہ کا پابند ہوں۔ لیکن چونکہ میں ۱۲ سال اُنکی مہربانی سے مستفید ہوتا رہا ہوں اسلیئے میں اُنکے مقابلے پر آنا پسند نہیں کرتا۔

انگریزوں کے بارے میں امیر صاحب کے جو خیالات ہیں اُنکی بابت قاصد نے رپورٹ دی۔ اُنہوں نے کہا کہ "میری اس سے بہتر کیا خواہش ہوسکتی ہے کہ میں ایسی فیاض اور طاقتور گورنمنٹ کا جیسی کہ انگریزوں کی ہے نوکر رہوں"؟

افغانستان میں جو قباحتیں سرزد ہوئی ہیں وہ افغانستان کے لوگوں اور اُنکے حکام کی جہالت اور بیوفائی کا نتیجہ تہیں۔ انگریز اُنکے واسطے متہم نہیں ہوسکتے مینے اسماک میں اپنے دوستوں کو لکہا ہے کہ انگریزوں کی مخالفت کرنا اپنی تباہی کا مورد ہوتا ہے۔ انگریز بردبار صلح پسند اور اپنی بات کے سچے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ وہ افغانستان کا اپنے علاقہ سے الحاق کرنا نہیں چاہتے۔ انشاءاللہ ہمارے

اور ہمارے ملک کے لیے عالم الغیب میں بہتر ایام ہیں"۔ اِس طرح سردار خاں نے جو گفتگو
شروع کی تھی وہ تین دیسی شرفا کی ایک مشن بھیجنے سے جاری رکھی گئی۔ انمیں سے
دو سردار محمد افضل خاں اور ابراہیم خاں بیسکر ذاتی سٹاف سے اور تیسرے شیر محمد خاں
امیر صاحب کے چچا زاد بھائی خان آباد کو جہاں امیر صاحب پہونچ گئے تھے شمالی افغانستان
کا تخت پیش کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ انکے حالات اور رپورٹیں بہت ہی دلچسپ
ہیں۔ لیکن اِس آرٹیکل میں انکا ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ امیر کے چال چلن اور
ڈیل ڈول سے سخت متحیر ہوئے۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ اِنکی عمر چالیس برس کی ہے
اور وہ نہایت قوی ہیکل متحمل مزاج ذہین اور زیرک ہیں۔ وہ تمام کام بذاتِ خود
انجام دیتے ہیں۔ اور نہایت ضروری خطوط کا مسودہ خود تحریر فرماتے ہیں۔ اور کام کی
تمام تفصیلات بھی بذاتِ خود دیکھتے ہیں۔ انکی اپنی ملاقات اب [illegible] لگا بہت
آبادی کا ایک بڑا حصہ اُنکے ساتھ شامل ہوگیا ہے اور اُنکی ملنساری کی وجہ سے دوستوں
کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ البتہ سوداگران سے ناراض ہیں جنکو سب اطاعت
لشکر کی ضروریات بہم پہنچانے کے واسطے چندہ دینے کا ایما ہوا تھا۔ اُنہوں نے بہر حال
کے ساتھ اپنے تعلقات کا آزادی سے تذکرہ کیا۔ اور صاف صاف کہا کہ میں اپنے
ملک میں سیدوں کی مداخلت سے کبھی رضامند نہیں ہونگا۔ مشن کے [illegible] پر عبدالرحمن خاں
کی آزادی اور دوسروں کی رائے سے مستغنی مزاجی کا بہت ہی اچھا اثر ہوا۔ [illegible]
نے مجھکو حسب ذیل خط لکھا: "عبدالرحمن خاں بیباک طور پر حلیم المزاج مگر دلیر و جابر
ہیں۔ انکے دربار کے آداب امیر محمد یعقوب کوش بیگی یا قندھار کی حاکم قندھار اور
امیر بخارا کے مشابہ ہیں۔ گو ابتدا میں انکا حسب رواج اور عادات اسلامیہ ملک پر قبضہ
کرنیکا دستور نہایت مفید پایا گیا تاہم میری رائے ہیں اگر وہ آئندہ اسی طرح مدت
تک کاربند رہے تو ملک کے روسائے عظیم اور سرداران جنگ اُنسے کبیدہ خاطر ہوجاینگے اور

افغانستان کے فرمانرواؤں کا ابتک یہہ دستور رہا ہے کہ وہ بڑے بڑے سرداروں اور
سن رسیدہ ارکان سلطنت میں اپنا وثوق پیدا کرکے اُنکے صلاح و مشورہ کو اپنا رہبر
بناتے رہے ہیں۔ لیکن عبدالرحمن خاں اپنے خیالات کے مطابق کام کر رہے ہیں
اور جو لوگ صلاح دینا چاہتے ہیں کہ وہ نرم الفاظ سے یکسو کیے جاتے ہیں۔ میری
رائے میں عبدالرحمن خاں افغانستان پر حسن و خوبی سے حکومت اور امن قائم
رکھنے کے واسطے اعلےٰ قابلیت رکھتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ کسی عہدنامے کی شرائط پر اعتراض
کرنیکے لیئے مصر ہونگے۔ انکو ہر حال میں اپنا مفاد ملحوظ رہتا ہے۔ اس وقت وہ غالباً
روسیوں کے مشورہ سے کانوں کو آشنا کرتے ہیں کیونکہ انکا امیر صاحب کو کوئی مطالبہ
نہیں ہے۔ اور وہ انکو ہماری گورنمنٹ سے ایسا ملکی فایدہ اُٹھانے کے لیئے
صلاح دے رہے ہیں جسنے قندہار اور دیگر مقامات کو جدا کرنے سے افغانستان کی
طاقت کو ضعیف کر دیا ہے۔ اسکے بعد اگر کبھی روسیوں نے اُنسے چھاونی وغیرہ
کے لیئے جگہہ مانگی تو وہ غالباً مایوس کرینگے۔

امیر صاحب کے چال چلن کا یہ اندازہ سراپا صحیح ہے۔ چنانچہ مقالہ نویس میں امیر
صاحب کے ساتھ اُن ملاقاتوں کے اور ان میں جنمیں کابل کی امارت کا کامیابی کے ساتھ
آسفیتہ ہوا میرے دل پر جو اثر ہوا۔ وہ ہر طرح سے امیر صاحب کے حق میں مفید ہے
گو اس وقت عبدالرحمن خاں کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔ مگر صورت سے وہ پچاس برس
کے ظاہر ہوتے تھے۔ جلاوطنی تنہائی اور ابتدائی زندگی کی صعوبتوں نے انکو
قبل از وقت سن رسیدہ کر دیا تھا۔ بایں ہمہ وہ اعلےٰ درجہ کے درباری۔ زندہ دل
ذہین ظریف۔ چابکدست اور فصیح بلیغ تقار ہیں۔ اُنکے ذکی اور طاقتور ہونے
میں مطلق شک نہیں ہو سکتا جنکو اپنی رائے پر بہت بڑا اعتبار ہے اور ترقی
کرنیکے بہاری ذرایع رکھتے ہیں۔ اس وقت میں انکو ایشیائی عہدوں میں

سب سے سربرآوردہ خیال کرتا تھا۔ اور اب بھی میری رائے میں ویسے ہی ہیں افغانستان
کے انتظام کی مشکلات انگلستان کو معلوم نہیں۔ اور گو امیر صاحب سے بہت سہو سرزد
ہوئے ہیں اور اُنکی خود رائی اور خودسری نے اُنکو بارہا گمراہ کر دیا ہے۔ تاہم آج ایسے
ہی ہیں جیسے کہ پہلے تھے وہ بلاشبہ انسانوں کے حاکم اور تخت افغانستان کے اُن
اُمیدواروں کے ہجوم سے بہت ہی اعلے اور برتر تھے جو اُنکے موقعہ پر پہنچتے ہی وہاں نسیح
و نابسلیے گئے۔ جب امیر صاحب منتخب کئے گئے تھے دوسرے امیدواروں کو پہلے آزمائش کرنیکا
موقعہ ملچکا تھا اور وہ یکے بعد دیگرے رد ہو چکے تھے۔ اور لارڈ لٹن کو بخوبی معلوم
ہو گیا تھا کہ اُنمیں سے کوئی بھی اپنے آپ کو انگریزی سنگینوں کی مدد کے بغیر سنبھال
نہیں سکے گا۔ پہلا امیدوار سردار ولی محمد خاں۔ خلف دوست محمد خاں کابل کا
گورنر تھا۔ وہ وجیہ بوڑھا آدمی تھا۔ جسکے اطوار پسندیدہ اور شکل مقبول تھی
جسمیں اسکو بہتسے محمد زئی سرداروں کی بڑی جماعت پر ترجیح تھی۔ اسکا اقتدار
شہر میں بہت ہی کم اور شہر سے چھ میل باہر بالکل نہیں تھا جس سے اسکو خود بھی
انکار نہ تھا۔ دوسرا سردار ابراہیم خاں خلف سردار شیر علیخاں مرحوم تھا جسکی
زبان میں سخت لکنت تھی۔ اور کوئی لیاقت یا وصف نہیں رکھتا تھا۔ اور نہ کوئی
پارٹی اسکی مخالف یا طرفدار تھی۔ تیسرا امیر شیر علیخاں کا بھتیجا سردار محمد ہاشم خاں
کے وقت ہر دلعزیز امیدوار تھا۔ لیکن وہ بے سروسامان منصوبے کرنیوالا
نوجوان تھا جسمیں مطلق استقلال نہیں تھا۔ حالانکہ اسنے اپنے دعاوی کی اعانت
کے لئے ایک جماعت اپنی بہم پہنچالی تھی۔ امیر سابق یعنی یعقوب خاں کا سب سے بڑا
بیٹا موسیٰ خاں بہت ہی موزون امیدوار ہوتا۔ اگر وہ کم سن اور ضعیف العقل
نہ ہوتا۔ سب اُمیدواروں سے بہتر سردار ایوب خاں گورنر ہرات تھا جو
امیر سابق محمد یعقوب خاں کا چھوٹا بھائی تھا۔ یہ بیس سالہ نوجوان تھا اور افغانستان

میں اسکے بہت مددگار تھے۔ شرائط ہونے کے دوران میں لٹی بار جب امیر عبدالرحمن خان نے ہمارے ہاتھ جہاد کی منادی کرنے سے روکنے کی کوشش ہے۔ میں ایوب خان کو امیر تسلیم کرنے کے لیئے رضامند ہوتا۔ مگر باوجود مشتبہ چال چلن کے عبدالرحمن خان کے ساتھ رسل و رسائل کے سلسلہ کا نتیجہ بہت عمدہ پیدا ہوچکا تھا۔ اور ایوب خان مندمیں ایک ناقابل جنرل پرنستیج پلنے سے دربار سے باہر ہوگیا تھا۔ اور اپنی نوبت میں سر فریڈرک رابرٹ کے قندہار کیطرف تاریخی کوچ کے اختتام پر ایک مشکل نرغہ میں پھنس گیا تھا۔ دوران گفتگو میں امیر عبدالرحمن خان نے جس ڈھنگ سے کارروائی کی اس سے انکا چال چلن نہایت صفائی اور موثر طریق سے ظاہر ہوتا ہے اس سے بڑھکر کسی امر سے انکے ذاتی مفاد کا خیال اور کھلے طور پر اپنے ہی مطلب کے حصول کو مدنظر رکھنا اور جو کچھ ممکن ہو انگریزوں سے حاصل کرنے پر ثابت قدم رہنا اور اپنی طرف سے حتی المقدور کم رعایت دینا امیر صاحب کا ہی حصہ تھا! وہ فوراً کل معاملات کی تہ کو پہنچ گئے۔ اور ہمارے عام اشاروں سے انکو اس بات کا بخوبی علم ہو گیا تھا کہ برٹش فوج پہلے ہی موقعہ پر کابل سے لوٹ جائے گی حتیٰ کہ اگر تخت کابل کے واسطے کوئی موزون امیدوار نہیں ملا تاہم یہ واپس جانے میں تاخیر نہیں کریگی۔ اس بات کا یقین تھا کہ اگر امارت کو قبول کر لیا تو انکو ہر طرح سے اپنے ہی سہارے پر انگریزی فوج کی اعانت کے بغیر کاربند ہونا پڑیگا۔ انکی پالیسی کا لب لباب تھا۔ اور گو جنگ افغانستان کے تمول کو ترقی دی تھی اور اسکو ہرگز مفلس نہیں کیا تھا۔ تاہم یہ جنگ کرنے سے تھک گیا تھا اور اس وقت تمام پارٹیوں کو جو کچھ مطلوب تھا وہ یہی تھا کہ انگریز جلد ملک سے چلے جائیں۔ حالانکہ اس ملک کے لوگوں کی ایک تعداد کثیر ہمارے جلد واپس آنے کی خواہاں تھی۔ لہٰذا امیر عبدالرحمن خان نے خیال کیا کہ کیسے موقعہ پر سب سے بہتر

عام پسند طریق یہی ہے کہ میں مذہبی پیشوا بنوں اور اسلام کی عظمت اور شوکت کا اشتیاق ظاہر کروں - اس طرح مذہبی جوش والوں کی بڑی تعداد خودبخود اس طرف مانوس ہوگی جسکو میرے یہہ کہنے سے کہ کافروں کو سلطنت اسلامیہ کے کسی معاملہ میں دخل نہیں ہونا چاہئیے - بہت بہاری مدد ملیگی - اس آل اندیشی سے اُنہوں نے ہر ایک باوقعت شخص کو خواہ وہ واعظ یا امیر کبیر تہا مگر انکی ذات میں لوگوں پر اپنا رسوخ عمل میں لاسکتا تہا - اشتعال دلانے والے خطوط روانہ کیئے اور انکو کافروں کے برخلاف جہاد کے واسطے اُبھارا اور دکھلا بہیجا کہ ملک کے تمام لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کردو تاوقتیکہ انگریزوں کے ساتہہ اطمینان بخش انتظام نہ ہولے - اسکے ساتہہ ہی ہم لوگوں سے شرائط صلح طے کرنیکا اشتیاق ظاہر کیا تاکہ وہ عہدوپیمان مدت مدید تک قائم رہیں - جسکے توڑنے کا وہم گمان بھی نہ تہا - پس اسطرح تمام حسن وقبح سوچکر اُنہوں نے دریائے جیحون سے کابل کے گردونواح کیطرف کوچ کیا - اور جوں جوں وہ نزدیک آتے گئے توں توں شمالی افغانستان پرجوش ہوتا گیا - کوئی سردار انکے ارادوں سے واقف نہ تہا اور غالباً امیر صاحب انگریزوں کیطرف سے بدظن تہے - کابل میں اُنکے طرفداروں نے امیر کو یقین دلایا کہ ہم صرف انکو جال میں پہنساکر امیر یعقوب خاں کیطرح ہندوستان میں یہ حراست رکھنا چاہتے ہیں - تاہم عبدالرحمن خاں کی پالیسی بخوبی عیاں تہی - وہ ہماری مشکلات کو بہانپ گئے تہے اور تاڑ گئے تہے کہ انکو تاخیر سے بہت زیادہ حاصل ہوئیگا - بہ نسبت اسکے کہ جو سرکار انکے پیش تہا اُسپر ہی بہتر پڑتے - کابل سے قندہار کا جدا ہونا انکو بہت ناگوار گذرتا تہا - کیونکہ وہاں کا حاکم شیر علی جس نے مدد وقتی حکمرانی سے جانا تہا - اُنکا دشمن تھا - اُسکی تحریک سے رزیڈنٹ نے عبدالرحمن خاں کو سمرقند میں ؟ نقشہ بہیجا تہا - قندہار کے معاملہ میں قسمت عبدالرحمن خاں کی طرف

لڑ رہی تہی۔ کیونکہ شیر علی جو بالکل کمزور اور نالایق شخص تہا اور سردار ولی محمد ولد گورنر کابل کیطرح اُس وقت بگڑ گیا تہا جس وقت ایوب خاں نے بمقام میونڈ انگریزی فوج کو شکست دی تہی۔ زاں بعد کوئی امر بجز اسکے کہ برٹش فوج مستقل طور پر تابض ہوتی اسکو قندھار میں رہنے کی ترغیب و تحریص نہ دلاتا۔ مگر یہہ ایسا بیڑا تہا جو گورنمنٹ ہرگز اُٹہانا نہیں چاہتی تہی۔ لہذا قندھار نئے امیر کے زیر نگیں آیا۔

چونکہ تمام افغانستان کے بڑے خاندانوں اور ذی اقتدار رئیسان کے ساتہہ ہمارے جاسوس اور تنخواہ دار ایجنٹ تعینات تہے۔ اسلئے امیر صاحب کی اشتعال دلانے والے خطوط مذکور ہمارے پاس پہونچے جن سے حوصلہ پاکر یعنی پوری کامیابی کے ساتہہ امیر صاحب کو فہمائش کی۔ اور عبد الرحمن خاں کی اپنی چٹہیوں کے جواب میں انکو ایسی تحریر بہیجی جو اپنی اصلی معنوں میں "الٹی میٹم" تہی جسکو امیر صاحب نے یہہ سوچ کر کہ مزید تاخیر یا تامل تحصیل حاصل ہے۔ بڑی معقولیت کے ساتہہ اسکو قبول کیا۔

اس برتاؤ میں جو ہمارے لیئے کابل میں بہت ہی تردد اور اضطراب پیدا کرنیوالا تہا۔ میں ہند میں کوئی ایسا امر نہیں پاتا جسکی بابت شکایت بجا ہو عبد الرحمن خاں کو اپنی طاقت کا بہت ہی خیال تہا۔ انکو صرف انگریزوں ہی سے اسقدر رپہکارنا مدنظر نہیں تہا جسقدر کہ ممکن ہو۔ بلکہ وہ اپنی اُسی حالت کو بہی تقویت دیا چاہتے تہے جسمیں رہتے انکو وائسرائے ہند کا ملازم یا نامزد شخص نہیں چہوڑا تہا۔ بلکہ افغانستان کے لوگوں کی عام صدا سے کافروں کی تمام دست اندازیوں کے مقابلہ پر اسلام کے ڈنکہ سے ملک کی حفاظت کیواسطے منتخب کیئے گئے تہے اس مدعا کے واسطے امیر صاحب نے جو حکمت سوچی بہت عظیم اور موثر تہی۔ خواہ وہ اسکو اس حد تک بڑہانے گئے جسمیں حفاظت معرض خطر میں ہو گئی تہی

گو اُنکی قسمت کا ستارہ اوج عیوق پر تھا۔ اور برٹش گورنمنٹ نے عین وقت پر اُنکی غلطی کی اصلاح کر کے اُنکو بڑے وقار سے امیر مشتہر کیا اور تب سے اُنہوں نے اپنی اِس منزلت کو نہایت کامیابی اور وقار کے ساتھ بحیثیت بادشاہ متحد افغانستان قایم رکھا ہے اور انگلستان کے وظیفہ خوار معاون ہونے کی حیثیت میں اپنی خارجی پولیسی کو گورنمنٹ ہند کے ماتحت رکھنے کے پابند ہیں اور جبتک وہ اِس اقرار کے پابند ہیں گورنمنٹ ممالک غیر کی مداخلت یا حملے کے مقابلہ پر اسکی مدد کرنیکی کفیل ہے۔ اگر یہہ خیال کیا جائے کہ ابتدائی گفتگو کے دوران میں اُنکا وقار سے گرا ہوا برتاؤ اِس رائے کا متضاد تھا۔ جواب اُنکی عام صداقت اور دیانتداری کی نسبت ظاہر کیجاتی ہے۔ تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک بہت ہی مشکل کام اُنکے پیش تھا۔ اگر وہ شروع میں ہی انگریزوں کے ساتھ بہت دلبستگی ظاہر کرتے تو اُنکے اپنے مذہبی جوش والے ہموطن بھی اُنسے بیگانہ ہو جاتے۔ گو یہہ نوٹ بالکل تھوڑے اور نامکمل ہیں۔ تاہم اُنسے انگریز ایسے شخص کے چال چلن کی بابت کچھہ نہ کچھہ سمجھہ سکیں گے جسکی زندگی اور پالیسی پر بہت کچھہ دارومدار ہے۔ امیر صاحب کا رجحان طبیعت روسیوں کیطرف نہیں ہے کیونکہ وہ روسیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ انپر اعتبار نہیں کر سکتے۔ فارس بخارا۔ خیوا اور خوقند کے سبق اُنکے پیش نظر ہیں اور اُنکی بڑی خواہش اپنے ملک میں روسیوں کی دست اندازی کو روکنے کی ہے اور اُسکے ساتھہ ہی انگریزوں کی علانیہ مداخلت کی بھی مخل ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ہم اُنسے نسبتاً اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اور ہمارا افغانستان اپنی کا ارادہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اسکو دو دفعہ اُس وقت چھوڑ آئے ہیں جبکہ اُسکا الحاق کر لینا آسان اور جائز تھا۔ لیکن اُنکا فخر اور اپنی ذات پر اعتبار اِس درجہ کا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی طرز پر حکومت کرنے کے لیئے تنہا چھوڑے جائیں۔ اگر وہ وقت آ جائے کہ اُنکو بمجبوری انگلینڈ اور روس میں سے ایک کو سلطنت منتخب کرنا پڑے

تو اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنی قسمت کو اس قوم کے ساتھہ شریک کرینگے جس نے فتح کے وقت فیاضی۔ اور اعتدال سے کام لیا ہو۔ اور جیسے وہ افغانستان کی آزادی کو قائم رکھنے کیواسطے اعتبار کرسکتے ہیں۔ لیکن امیر صاحب اس بات کو فراموش کر رہے ہیں۔ دو بڑی بڑی اور رقیب طاقتوں کے مابین ایسا نہیں ہو کہ وہ پولیٹکل علیحدگی کو قائم رکھہ سکیں اور ایک کے ساتھہ ملکر بمقابلہ دوسرے کے کارروائی کریں اور معاوضہ میں کوئی سروس کرینکے بغیر انگلستان سے بھاری وظائف لیتے رہیں۔

افغانستان سلطنت ہند کا ایک بڑا بھاری مورچہ ہے۔ اور ہم گوارا نہیں کرسکتے کہ یہہ اسطرح ہمارے مقابلہ پر بند رہے جیسا کہ یہہ اب ہے جس بات کی ہمیں ضرورت ہے ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ انگریزی منسٹر کابل میں اور انگریزی افسر بحیثیت ایجنٹ ہرات اور قندھار میں رہیں۔ اگر امیر صاحب بخوبی طاقتور ہونگے تو یہہ افسر بالکل محفوظ رہیں گے اور کوگنری کے دلخراش واقعہ کے پھر ظہور میں آنیکا کھٹکا نہیں ہوگا۔ دوم ریلوے کو قندھار تک وسعت دیجائے اور سلسلہ تار مابین کابل ہرات اور برٹش انڈیا کے قائم کیا جائے۔ اخیر میں انگریزی تجارت کو سدودکرنیوالے محصول موقوف کرانے ضروری ہیں۔ گو یہہ امور امیر صاحب کی نگاہ میں پسندیدہ نہ ہوں۔ لیکن عہد و پیمان کی منشا کے مطابق ہیں۔ شمالی افغانستان۔ وخان۔ شغنن۔ روشن اور کوہستان اور پامیر میں حدبندی کے سوالات پر اسجگہ بحث نہیں کیجاسکتی۔ مگر امیر صاحب کو انکی نسبت کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

یہہ سخت غلطی ہے کہ ہندوستان میں کمانڈر انچیف امیر صاحب کے ساتھہ [illegible] آباد میں یا کسی دوسری جگہہ گفتگو کرنے کے لیئے مقرر کیا جائے اس سے امیر صاحب حتی الامکان ملاقات سے گریز کرینگے کیونکہ کمانڈر انچیف کا منصب ہی ایسا ہے کہ اسکا ایسے ڈیپوٹیشن پر تعینات ہونا روس یا کابل کے لیئے بین دہمکی سمجھا جائیگا اور

انگلستان کی شان سے بعید ہے کہ ایسی بات پر کوئی مخبر کرے۔ امیر صاحب کو یہہ
خیال پیدا ہوگا کہ ایسے سفیر کے انتخاب سے انکے شان کے خلاف کارروائی کیگئی ہے اور گو
انکو کیسی ہی ہماری مصروفیت ہو تاہم انکا برٹش سفیر کے ساتہہ ملاقات کرنا ممکن ہے۔
تاہم اگر کوئی منتخب پولٹیکل افسر کمشنر یا اور جیسا اس کام پر تعینات کیا جائے جسکو
ڈپلومیٹک کارروائیوں کا تجربہ بہی ہوتا ہے تو اس سے بڑہکر عمدہ نتائج پیدا ہوں۔
طاقت یا طاقت کا جہلک اس وقت تک باز رکھنا چاہیئے جب تک کہ اسکا نظارہ ہونا
ثابت ہونیکا یقین نہ ہو۔

افغانستان کی قسمت میں جو کچہہ لکہا ہے اُسکی نسبت پیشین گوئی کرنا آسان بات
نہیں ہے اور یہہ پولٹیکل طور پر صاف صاف بتایا جاسکتا ہے کہ آئندہ کیا کچہہ وقوع پذیر
ہونا قرین قیاس ہے۔ امیر صاحب بوڑہے اور نحیف ہیں لیکن وہ وجع المفاصل اور
زین قبیل دیگر عوارض میں مبتلا رہتے ہیں۔ جن سے انکے متعلقین بعض بعض دفعہ بہت ہی
مشوش ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک اور بات یہہ ہے کہ کوئی شخص بہی افغانستان میں اپنی
طبعی موت سے نہیں مرا۔ اگر گورنمنٹ کو اس بات کا یقین ہوجائے کہ اب وقت آگیا ہے
کہ مخفی قرار دادیں اور رو پیہ وہ انتظام ناموزون سمجہکر بالائے طاق رکہی جائیں اور
افغانستان کے ساتہہ یہہ معاہدہ ہے کہ کسی دشمن پر چڑہائی کرنے یا دشمن کے سرپر
آنے کی صورت میں گورنمنٹ اسکو مدد دیگی اور امیر صاحب کے منتخب وارث کی رعایات
مذکور کے بدل میں کفیل ہو تو میں خیال نہیں کرتا کہ ہمارے لئے آئندہ ایام میں کوئی
بدمزگی نہیں پائی جائے گی۔ اسمیں ذرہ بہی شک نہیں ہے کہ ہم پہر افغانستان پر
قبضہ کرنا نہیں چاہتے۔ اور یہہ ویسا ہی یقینی امر ہے کہ اگر ہم قبضہ کریں تو ہمیں اسملک
کا الحاق کرنا ہوگا مستقل و پختہ الحاق کے بغیر ہم اسملک میں کوئی دوست موجود
نہیں رکہ سکتے۔ کیونکہ گذشتہ مہم میں ہمارے دوستوں نے ہماری وفاداری کے واسطے

اپنے مال یا جان یا دونوں تصدق کیئے تھے۔

اِس آرٹیکل کے چھپتے ہوئے چترال کی چھوٹی پہاڑی ریاست کیطرف بہت توجہ معطوف ہو رہی ہے۔ جہاں افضل الملک اپنے چچا شیر افضل کے ساتھ وراثت کیواسطے معرکہ کرتے ہوئے کام آیا۔ اور تازہ خبروں سے واضح ہوا ہے کہ شاہزادہ متوفی کے برادر نظام الملک نے شیر افضل صاحب کی افواج کو شکست دیکر چترال پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور شیر افضل نوک دم بھاگ گیا ہے۔

اِن واقعات میں خاص دلچسپی امیر صاحب کابل کے معاملات چترال میں دست اندازی کرنے اور انکے شیر افضل کو مسلح افغان فوج سے مدد دینے میں پائی جاتی ہے اور یہہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شیر افضل بدخشاں سے آیا تہا۔ اِسلیئے ممکن ہے کہ وہ بھی اسکے حامی ہوں۔

میں اسقدر کہونگا کہ دور پہاڑی ریاستوں کے جھگڑے بہت وقعت کے قابل نہیں ہیں اور بلا شبہہ اس توجہ کے لائق نہیں ہیں جو انکی طرف معطوف کیجا رہی ہے۔ اور گو چند افغان شیر افضل کے ہمراہیوں میں شامل تھے تاہم اِس امر کا یقین دلانے کے واسطے کوئی وجہ نہیں ہے کہ روسیوں نے یا کہ امیر کابل نے اسکو ریاست مذکور غصب کرنیکی ترغیب و تحریص دلائی۔ امید نہیں کہ امیر صاحب نے علانیہ یا بلا واسطہ کوئی قرارداد کی ہو۔ اگر وہ کسیقدر پولیٹکل معاملات چترال میں اُلجھے بھی ہوں تو یہہ کابل کا معمولی قاعدہ ہے۔ امیر صاحب کی طرف سے کوئی نئی بات وقوع میں نہیں آئی۔ اور نہ ہی کوئی معقول گورنمنٹ ایسی باتوں کی طرف بہت کچھ توجہ ہو سکتی ہے۔ پہلے ایام میں جب سر ہنری ڈیورینڈ اور سر رابرٹ ایجرٹن پنجاب کے لفٹنٹ گورنر تھے۔ اور میں انکی گورنمنٹ کا سکرٹری تہا۔ لارڈ لارنس کی پالیسی کے مطابق ان چھوٹے چھوٹے خانوں کے معاملات سے بالکل اغماض کیا جاتا تہا۔

اُس وقت چترال ایک پُرانے شریر اور جابر امان الملک کے زیر حکومت تھا۔ اور
جسکا انگریزوں کے ساتھ عمدہ سلوک تھا۔ اب بھی میرے پاس اُسکے محبت آمیز اور
دوستانہ خط موجود ہیں۔ ایک دفعہ وہ امیر کابل سے بڑھکر مہاراجہ صاحب کشمیر
سے برافروختہ ہوا۔ تاہم اسکی یہی خواہش تھی کہ اسکے معاملات میں کوئی دخل
نہ دے۔ کیونکہ اسکو یقین تھا کہ اسکے اپنے لوگ تمام مداخلت کرنے والوں کا مقابلہ کرسکینگے
اسکے مرنیکے بعد حسب معمول طوفان بے تمیزی مچگیا ہے۔ اور صرف اس وقت امن قایم ہونے
کی توقع ہے جب کوئی ایسا دعویدار اسکا وارث قرار پائے۔ جسکے جائز حقوق عملی طور
پر مساوی ہوں۔ اور وہ بزور بازو اپنے حقوق قائم کرلیئے۔ جو چاہے اسکا وارث ہو
ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ نظام الملک جو دراصل امان الملک کا بڑا بیٹا ہے۔ اور جسنے
اپنے چچا کو ملک سے نکال دیا تھا۔ وہ انگریزوں کا دشمن بیان کیا جاتا ہے مگر یہ غالباً
صحیح نہیں ہے۔ یہہ شخص بھی اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کیطرح آزاد رہنا چاہتا ہے
اور شاید یہی اپنے آدمیوں کے ساتھ سر ولیم لوکھارٹ کی مدد کیواسطے جانا چاہتا تھا اگر
برٹش ریذیڈنٹ کشمیر نے اسکو ان بہادرانہ ارادوں سے غیر ضروری طور پر باز رکھا
میں شمال و مغربی سرحد کے خفیف خرخشوں کیساتھ میر صاحب کو شامل کرنیکی پولیسی کا سخت
مخالف ہوں۔ پہلے ایام میں انکی اطلاع بذریعہ تار کلکتہ بھیجنے کا کہیں کبھی خیال بھی نہ
ہوتا۔ اور لنڈن پہنچانیکا وہم ہمارے فرشتوں کو بھی نہ گذرتا۔ پیغامات تار اور
خاص نامہ نگار چترال کے ایسے معاملات کو بالکل مبالغہ آمیز اور مصنوعی رنگ دیتے ہیں
گورنمنٹ ہند کی سروس میں کئی ایک سپاہی ملٹری اور ڈپلومیٹ موجود ہیں جو پیشقدمی کی پالیسی کے دلدادہ ہیں اور یہہ امر ایک
مشتبہ امر ہے یہی نتیجہ نکالتے ہیں جو کچھ ہم رپورٹ دیتے ہیں جلد بیرونی اندازی کی نسبت نتیجہ کرتے ہیں کلکتہ میں زیردست گورنمنٹ کو
ایسی لائق مگر غیر محتاط مزاج والوں کو روک تھام میں رکھنا چاہئے اور رکھنا چاہیئے کہ عبدالرحمن خان نے گذشتہ سالوں میں کبھی وفاداری
اتحاد اور وفا سے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ اور اسکی ذاتی مقصود کو نظرانداز کرنا چاہیئے اور اسکے ماتحتوں کو کبھی مشتعل ہونے والا نہ سمجھنا چاہیئے

ضمیمہ چہارم

ممکن نہیں کہ روس ہندوستان پر حملہ کرے

(۲۶ مارچ ۱۹۰۰ء کے پیسہ اخبار سے نقل کیا گیا)

آج کے پیسہ اخبار میں کسی دوسری جگہ ایک نقشہ ہندوستان کی سرحد شمالی مغربی کا درج کیا جاتا ہے کہ جو ۲۸ فروری ۱۹۰۰ء کے اخبار لنڈن سٹار میں شائع ہوا تھا اور اسکے ذریعہ سے ہندوستان پر روسی حملہ کا ہونا محال بلکہ ناممکن ثابت کیا گیا ہے۔ اخبار سٹار لکھتا ہے کہ یہ نقشہ جو بہت بھاری خونریزی اور بربادی کا عذر ہے اسکا ذمہ وار ہے۔ اسکا نام سرحدی پیشقدمی کی حماقت رکھا گیا ہے۔

نقشہ میں فرض کیا گیا ہے کہ اب ہم اسی مقام میں ہیں جہاں بلحاظ ۱۸۷۸ء میں تھے جبکہ اسوقت ابھی لارڈ بیکنسفیلڈ۔ لارڈ سالسبری۔ لارڈ لٹن نے پیشقدمی کی پالیسی کو ہندوستان میں رائج نہیں کیا تھا۔ اسی وقت ہندوستان کی حفاظت کیواسطے تین بڑی قدرتی حدیں تھیں یعنی ایک ریگستان۔ ایک بہت بھاری سلسلہ کوہ و جبال ہے اور ایک تیز رو دریا [illegible] اور سے لیکر اور تک سلسلہ پہاڑ جو حفاظت بندی کی پہلی حد ہے [illegible] میل لمبا ہے اور اسمیں صرف پانچ درے ہیں۔ کہ جنکے صرف بیچ میں سے آدمیوں کی کسی بڑی تعداد کا گذر ناممکن ہے۔

یہ پانچ راستے یعنی بولان۔ تھل چوٹیالی۔ گومل۔ کرم اور خیبر نقشہ پر افغانستان کے پہاڑوں اور پٹھانوں کے بیچ پانچ سفید لکیروں کے طور پر نقشہ میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ انکو دکھانے کے لئے سفید [illegible] ضروری تھا تاکہ ایک ہی نظر سے ذہن نشین ہو جائیں لیکن [illegible]

تاریخہائے تالیف و طبع تذکرۂ امیر

قطعہ تاریخ طبع تذکرۂ امیر نتیجۂ خیال شاعر بے مثال جناب مرزا بسم اللہ بیگ صاحب بسمل دہلوی

نام عالم میں جو ہے محبوب عالم آپکا
واقعی اوصاف ہیں محبوب عالم آپکے

کیوں نہ ہو محبوب عالم آپ کا اخبار بھی
کر لیا تسخیر عالم آپکی تحریر نے

سب مفید ملک ہیں سبکار آمد ہیں بہت
کارنامے ہیں سوا اخبار کے بھی جو لکھے

تذکرہ بھی کیا مبارک آپنے لکھا ہے یہ
جسمیں ہیں حالات امیر صاحب توقیر کے

چرخ پر نام آوری کے وہ سرافراز جلیل
نام روشن تر ہے جسکا مہر پر تنویر سے

تھا بڑا اندھیرا علمی کے تاریک ابر میں
رہتے احوال ایسے رشک مہر کے یوں ہی چھپے

یاں بھی کام آہی گئی مگر روشن دماغی آپکی
کر دیے روشن چراغ آپہی نے معلومات کے

طبع کی تاریخ بسمل نے بھی اسکی فی البدیہہ
یہہ کہی اللہ بھی کس صنعت سے اور کس لطف سے

بے تکلف معنوی دیکھو تو ہجری ہے یہی
ٹھیک سو ہی ہے سن ہزارہ سو اٹھارہ تو ہے

دیگر

باسمی ہیں اسم میں اپنے
منشی محبوب عالم اہل کمال

انکی تقریر آپ کہتی ہے
ہے بلند انکی فکر انکا خیال

نہیں تحریر کی ہے انکی نظیر
نہیں اخبار کی بھی انکی مثال

تذکرہ بھی امیر کامل کا
خوب لکھا انہوں نے ہی فی الحال

یہہ وہ نایاب شئے ہی تھی لاریب
ملک کو جسکی احتیاج کمال

حکم تاریخ پہونچا تو مجھہ سے
بشکلم ہوا یہ میرا خیال

کہیئے تاریخ آپ ہی بسمل
پہ یہہ سن لیجیے میری عرض حال

دونوں صفت ہوں معنوی صوری | ایسی تاریخ نظم تب کیا ہے مقال
کچھ تو جدت ہو یعنی ہو جس سے | آپکا کچھ تو امتیاز کمال
کہا ہیں سے نبی اُپنے سر انکار | تیرہ سو بندرہ ہیں ہجری سال

تاریخ تیسری

واسطے کا اپنے سیر نیز ہے قادر وزچی شم | عز و جاہ و شان و شوکت جسکی ہیں خیل و خدم
تذکرہ اک حضرت محبوب عالم نے لکھا | اور کیا اچھا لکھا کس لطف و خوبی سے لکھا
جسمیں ہیں حالات مذکور اُس جلیل الشان کے | جنکے تھے مشتاق رہنے والے ہندستان کے
پہنچی جب تاریخ کی فرمایش اور پہنچی خبر | سُنکے بسمل سے کہا بسمل کہ تو ہی فکر کر
بول اُٹھا دل تیرہ سو پندرہ ہجرت کی سن | اور اسی میں عیسوی سن کہہ گیا وہ بے سخن
ہجری اصلوی اور اسی میں معنوی ہیں عیسوی | نام کو تخمین نہیں ہے کوئی بیشی اور کمی

تاریخ تالیف تذکرہ امیر مصنفہ ناظم قابل و نازک خیالات منشی سید صادق حسین صاحب صادق بلند شہری محرر تحصیل سرسہ ضلع حصار شاگرد مرزا بسم اللہ بیگ بسمل دہلوی

جناب منشی محبوب عالم | زمانے میں غنیمت جن کا ہے دم
پسند خاص و عام انکی ہے تقریر | سفید عام ہے اک اُن کی تحریر
لکھا ہے تذکرہ بھی الحق ایسا | کہاں لکھنے کا حق ہوتا ہے جیسا
ہے ایک عالم میں مشہور اُنکا اخبار | ہے جسکا نام نامی پیسا اخبار
اور اب لکھا ہے اُسکا تذکرہ بھی | ہے جسکا نام نامی و گرامی
ثنا صادق نے بھی جس وقت یہ کر | تو فوراً آرہے تھی تاریخ کی فکر
نہیں ہو آپ ہی محبوب عالم | سے یہ انبار بھی محبوب عالم
امیر عبدالرحمٰن خاں بہادر | امارت سے صدف کا بے بہا دُر

نڈا اکر بخش کا سر بہ کھا ہے	خزانہ ایک معلومات کا ہے

تاریخ چاپ شدہ قلم جابر رقم جناب عباس صاحب متوطن بلدہ پشاور از تحصیل ... ان

زخالق بر تو اے محبوب عالم آفریں بادا
معین و یاور ست و دہر بجا لمیں بادا

زحالات امیر ابن امیر آں والی کابل
ضیاء الملت و الدین کہ حق در ساعین بادا

عجب مجموعۂ از سعی بے پایاں بہم کردی
الٰہی دوستانش شاد و اعدایش حزیں بادا

امیر آں حامی اسلام و دین احمد مرسل
ظفر یارش بہر جائے وگر نصرت قریں بادا

بحلق دشمنانش زہر مرگ از قہر یزدانی
زفضل حق بکام دوستانش انگبیں بادا

علو پایۂ احباب او ہر دم چو کیواں باد
بخاک مذلت اعدائش پیہم ہمنشیں بادا

بھی خواہان اقبالش چو صبح عید خنداں لب
بد خواہان دولت اشک غم بر آستیں بادا

پئے تاریخ چوں محبوب از احباب پرسیدہ
بشعبائش بگفتم من کہ تاریخ چنیں بادا

سر اعدا سے او ببرید و ہاتف گفت اے عباس
ضیاء الملت و الدین امیر المومنیں بادا

سر اعدا الف ہے باشارۂ ببرید ساقط کیا گیا یعنی بحساب جمل الف کا ایک عدد ہے اور سالم مصرعہ ثانی ۱۸۹۹ ہوتا ہے جب ایک منہا کیا تو ۱۸۹۸ء رہا۔

ولہ

کیا عجب یہ تذکرہ ہے بے نظیر
جو کہ خوبی میں ہے اپنا خود نظیر

تالیف ہے اسمیں شہ اسلام کی
وہ جو ہے عالم میں جسکے نام کی

وہ ظہیر المسلمیں غازی لقب
نام لینا اسکا ہے سوء ادب

والی کابل امیر المومنیں
با مروت بادشاہ شہ نشیں

فتح اور نصرت ہی جسکو یاد غار
بخت اور اقبال ہیں ... سبز ...

فخر ہے عالم کو اسکے نام سے — اور اسکو فخر ہے اسلام سے

یا الٰہی جب تلک عالم رہے — اور عالم پہ فلک ہر دم رہے

نعل سا دشمن ہو اسکا سرنگوں — میخ پیشانی میں ہو منہ پر خاک و خوں

مجھسے ہے محبوب عالم نے کہا — جلد اک تاریخ تو اسکی بنا

یہہ کہا عباس نے اے دوستو

تذکرہ تاریخ ہے بس چھوڑ دو

اصحاب بصیرت کو یہہ تاریخ بہت پسند ہوگی کیونکہ تخلیہ باشارہ متخصہ کیا گیا ہے

تذکرہ = ۱۳۴۵ اب اسمیں ۱۰ زیادہ ہیں باشارہ چھوڑ دو لفظ دو مساوی ہے = ۱۰ اسکے چھوڑ دو یعنی منہا کرلو

قطعہ تاریخ از طبع وقار سید عبد القادر نور اللہ القادری تخلص شیدا ساکن سورت فی الحال ڈسٹرکٹ انسپکٹر بمقام واڑیہ علاقہ ریواکانٹھا پولیٹیکل ایجنسی ضلع گجرات

الٰہی شور و غل باز چیست این چہ غوغاست — اگر شوق طبع لبویش ہمی شود مائل

چہ گل شگفتہ بہ بستان عالم است امروز — کہ بوئے تذکرہ اش شد بچار سو مائل

نسیم مژدہ در خیاباں بہ رقص کناں — کہ بود تازہ کن مغز فکرت سائل

زراہ چشم سوئے عین گوشہا بہ دماغ — رسید تا پئے تسکین دل شود مائل

حیات دائمی کامل ضیائے ملت دیں — نقاب از رخ روشن کشید و شد زائل

کہ دیدہ از رخ خود مہر فگندہ ام امروز — بیا بہ بیں کہ چہ محبوب عالم کامل

بیا بیاد مرا حرز جان خویش بکن — نشاط تازہ شود از مطالعہ حاصل

بسعی گشت ز محبوب عالم لاہور — بقید تذکرہ حالات روشن و کامل

ستودہ فخر سنم بہ وجود او در ہند — کہ قوم ملت خود راست خادم کامل

لگام همت خود درگرفته لیل و نهار
چو نهر گلشن اخبار پیسہ جاری از دست
بجمع کیفیت عمری جناب امیر
هزار جان سخن باد نذر تذکرہ
نثار باد بریں تذکرہ جواهر فکر
الهی لطف و کرم از تو بر جناب امیر
سزد که فکر و دریغ ار کند ز تاریخش
بدار گوش که بانگے ز فکر مے آید
ترا رسید بشید از هاتف غیبی
بضرب پنج و گر باغ از جری خواست ۵ ۳۶۳

خیال خدمت خلق است در سرش داخل
بهار تازه ازیں است پر چه را حاصل
نهاد بر سر مشتاق منت کامل
که نامش آمد با نام صاحبش شامل
که شد بهائے وے بے بها از و باطل
و ز اهل قدر بریں تذکرہ شود نازل
با انتقام سلوکش ز دل شوم مائل
که غنیمتم ز سر فکر سال آں غافل
که قصد لطف و کرم شد بتذکرہ شامل
۱۹۴ ۱۱۹ ۲۶۰ ۱۳۲۵ع
که سال هجری شد از پئے تذکرہ کامل
۲۶۳ + ۵ = ۱۳۱۵

ایضاً

چوں ز محبوب عالم لاهور / شهرۂ تذکرہ بگلشن رفت
نہ ز احوال والیٔ کابل / شور در گوشۂ نشیمن رفت
کہ ز حسن بیان حالاتش / وجد در بلبلان گلبن رفت
از ضیائے ضیائے ملت و دیں / ضوء مهر فلک بدامن رفت
از بیان شجاعت ذاتش / زلزلہ در نهاد جوشن رفت
و ز سلاسل [illegible] لطف و کرم / [illegible] گستاخ از سر و تن رفت
و [illegible] بشوق خدمت او / گر سوئے [illegible] بدامن رفت
حق دهد [illegible] هر او را [illegible] / ایں دعائیست کز دل من رفت
بهر تاریخ [illegible] تذکرہ اش / جنبش فکر [illegible] گلشن رفت
هر گل و برگ غنچہ از ها [illegible] / بهر امداد فکر من رفت

مرتب با شگفتہ خاطر و شاد	تاریخ از زبان تحسین رفت

ایضاً

زینت تخت و تاج سلطانی	آنکہ فرمانروائے کابل ہست
عبد الرحمن نام نامی او	نقش ہر سکہ ہائے کابل ہست
آنکہ محبوب عالم است بدہر	زود براو راق ہائے کابل دست
جمع آورد تذکرہ کہ دراں	حال فرمانروائے کابل ہست
دل ز فرط فرحت و سالش گفت	تذکرہ از برائے کابل ہست

ایضاً

چو محبوب عالم بدور امیر	زہے تذکرہ تازہ ایجاد کرد
خدا ایش رساند بہ نیل مرام	کہ ایں تذکرہ قابل داد کرد
دراں درج حال جناب امیر	چناں شد کہ ہر مشتری صاد کرد
امیرے پئے ملت و دیں ضیا	کہ عدلش بن ظلم برباد کرد
ز حالش شدہ زینت تذکرہ	بہراں نقش و تصویر ایزاد کرد
زہے فخر حاصل بدیں تذکرہ	کہ ہر وصف ہر مشتری صاد کرد
سپردم بخامہ چو تاریخ آں	نگوں سر بفضل خدا داد کرد
دل از فال بر داشت گفت ہیا	بدیں تذکرہ صاد ایجاد کرد
دگر از لب بلبل آمد بسال	کہ ایں تذکرہ خوب ایجاد کرد
دل از حال رفت و بسال دگر	حسابے ز ابیات و آحاد کرد
وزیں فقرۂ ذیل تاریخ گفت	کہ ایں خدمت قابل صاد کرد

نتیجہ طبع موزون منشی قادر علی صاحب تحصیلدار ریاست بھوپال

سراپا ہنر منشی محبوب عالم	جو ملک سخن میں ہیں شہرت پذیر

سخن فہم و فاضل ادیب لبیب | ذہین و ذکی طبع و روشن ضمیر
ہوئے مستعد اور لکھی کتاب | کیئے جمع ذکر امیر کبیر
امیر عبد رحمان خاں فی الحشم | کہ ہیں عقل و دانش میں اپنی نظیر
لکھی طبع قادر نے تاریخ طبع | ہے ذکر جلیل جناب امیر

۱۳۱۵ ہجری

رشحۂ کلک گوہر سلک مولوی محمد لقا صاحب کاکوروی اسسٹنٹ پروفیسر مہاراجا کالج جے پور

منطبع شد چو ایں کتاب عجیب | گشت مطبوع ہر امیر و فقیر
ذکر احوال والیئے کابل | عبد رحمان امیر خوش تدبیر
آں امیر فلک جناب کہ ہست | در زمیں بہر دیں نصیر و ظہیر
ہست ذکر جمیل شاہ جلیل | دانش آموز ہر صغیر و کبیر
بہ تمنائے سیر ایں گلزار | میزدے مرغ دل زشوق صفیر
چہ اثر داشت نالہ اش کہ رسید | موکب گل بباغ بے تاخیر
روز ہجراں بشام وصل کشید | بہر ما شد یسیر یوم عسیر
جلوۂ شاہد جمال افزود | بہ دل و دیدہ فرحت و تنویر
ایں عجب نسخہ مرتب شد | کش بملک مثال نیست نظیر
کرد محبوب عالم از قلمش | یکجہاں اہل عقل را تسخیر
نیتش را جزا ثواب عظیم | ہمتش را سزا ثنائے کثیر
اے بقا چوں بفکر سال شدم | ہاتفم شد چناں ز غیب بشیر
سال ہجریش بشنو و برخوان | محفل عیش و استان امیر ۱۳۱۵
از پئے سال عیسوی دم زد | چوں مسیحائے فکر عرش مسیر
سر فدا کرد و سال گفت انجم | ذکر جاہ امیر با توقیر ۱۸۹۸ء

دیگر

اے مسلمانو ہے کیا تاخیر اب چھپ گیا — تذکرہ اردو زباں میں حامیِ اسلام کا

سچا سچا اسمیں ہے اس بندۂ خالق کا ذکر — نقدِ عیشِ زندگی ہے وردِ جسکے نام کا

دیکھکر اسکو نہ کیونکر ہمت و جرأت بڑھے — ہے یہ نقشہ بیشۂ اقبال کے ضرغام کا

اس طرح لکھا ہے با تصویر شرح و بسط سے — ملتا ہے آغاز میں جسکے مزہ انجام کا

سال ہجری طبع کا میری قلم نے اے بقا — لکھدیا۔ ہے کیا ہی خاکہ سطوتِ اسلام کا

۱۳۱۵ ہجری

قطعۂ تاریخ از نتائج فکر جناب شیخ فرید الدین صاحب متوطن قلعہ روہتک

سپاسِ خدائے کہ بعد از تمنا — بروں کرد از پردہ مطلوبِ عالم

چو ایں تذکرہ طبع گشتہ بخوبی — شد از حسنِ خود بسکہ مرغوبِ عالم

پئے سالِ طبعش ندا کرد ہاتف — چہ زیباست تاریخ محبوبِ عالم

ولہ

کیوں نہ محبوبِ اہلِ عالم ہو — کیسی یہہ باکمال ہے تاریخ

سب سے بہتر یہہ علم ہے واللہ — کشفِ ماضی و حال ہے تاریخ

سچ تو یہہ ہے امیرِ کابل کی — واقعی حسبِ حال ہے تاریخ

اسکی تاریخ کیا لکھوں میں فرید — یہہ عجب بے مثال ہے تاریخ

ولہ

حالاتِ امیرِ ملکِ کابل — بس دلکش و خوب و دلپذیر است

آں شاہ ضیائے ملت و دیں — کو صاحبِ تاج و ہم سریر است

در جملہ امورِ ملکداری — واللہ کہ مردِ بے نظیر است

ایں فتح و ظفر کہ شد بکاوش — از قدرتِ خالقِ قدیر است

از قیصر ہند امیر ذی شان
صد شکر کہ دوست ہم صفیر است

مجموعہ این کتاب نایاب
حالات امیر شیر گیر است

گویم کہ مؤلف ہمہ دان شد
بسیار ادیب و ہم دبیر است

شد فکر برائے سال تاریخ
زیرا کہ کتاب بے نظیر است

گفت از سر مین ہاتف غیب
مکتوب سوانح امیر است

۱۳۱۵ ہجری

قطعات تاریخ نتیجہ طبع جناب محمد علاء الدین صاحب شاطر رئیس ملتائی ضلع بیتول ممالک متوسط شاگرد حضرت خان محمد صاحب انتخاب الشعرا استاد نواب صاحب مرحوم ریاست بھوپال

غوث گفت ست چون بو العالم تذکرہ
از امیر عبد الرحمن شاہ کابل خوش نصیب

آن رموز مملکت را المعی بے مثل
عاقل و دانشور و فرزانہ یکتا لبیب

بہر تحصیل سعادت از رہ اخلاص خاص
فکر تاریخش نمودم سال ہجری حبیب

ہاتف غیب او بگفتا از کلک شاطر شنو ندا
یادگار شاہ مدقق سانحہ عمری عجیب

۱۳۱۵ھ

ثانیہ

تصنیف کرد سانحہ عمری امیر را
محجوب عالم از سر تحقیق دلپذیر

آن میر نامدار کہ توقیع عدل او
رفت ست از ولایت کابل بچرخ پیر

در ملک خویش بصفت نوشیروان نمود
اظہار کرد عدل سلیمان فلک سریر

تدبیر ملک رست ارسطوئے روزگار
زر بند و بست کشور خود جرمنی وزیر

آرے ضیائے ملت و دین نقش بجا نوشت
دستے نہادہ بر سر او شاہ قلعہ گیر

ما بے نوا ہمہ محتاج غوث پاک
او نیز میر ماست مددگار و دستگیر

در دامن حمایت قیصر ہند آمدہ ست
از فرط اعتبار بہ تدبیر شد شہیر

چیشد نما سال ان نہ ما نہ ہزار عجیب
لیکن امیر و قیصر ما شکر است و شیر

[illegible]

خوش ہوئے نوشت تذکرہ با شرح و بسط تام
یا بد ز قدر شاہ زماں عطیۂ کثیر

بو دم بہ فکر سال او از عالم علا
ہاتف ندائے داد و سرِ خامہ چوں صریر

تاریخ عیسوی از و شاعر نوشت و خواند
در روح دل و زبان بود تذکرۂ امیر
۱۹۰۱ء

قطعۂ تاریخ طبع تذکرہ امیر طبع زاد بندۂ حمید ابن الحکیم محمد عمر فصیح لودی مقیم ملازم سراج الملة والدین

ہست حالات ذات با برکات
آنکہ اسلام راست پشت و پناہ

قامع بدعت است حامی دیں
صاحب تخت و تاج ظل اللہ

منصف و داد گستر و عادل
بندگاں را ہمہ نکوئی خواہ

بر رعایا شفیق چوں اب و ام
کار آگاہ با دل آگاہ و

بر نوشتہ فصیح تاریخش
ذکر حضرت امیر والا جاہ

طریق استخراج تاریخ

حروف غیر منقوطہ مصرع تاریخی کہ سیزدہ اند در بست ضرب یافتہ دو صد و شصت برآمد چوں با فزایش ضابطہ مقررہ سہ صد را افزودند چہار صد و شصت حاصل گشت پس بحروف منقوطہ مصرع مذکور کہ پنج اند و نہ صد شصت ملا نمودند سنہ مطلوبہ ہجری یکہزار و سیصد و پانزدہ صورت پیدائی گرفت۔

تاریخ مصنفہ منشی عبد الکریم مضطر میرٹھی از راولپنڈی

گردید چو طبع ایں رسالہ
نمود بدیدہ ام تجمل

چوں نسخہ یافت یافتہ اجلال
بشگفت قلوب صورت گل

تحسین ہمت مؤلف
کو خوش نشست در پی سال تو غل

حالات ذات ابتدا با نہ دم
گردست رقم ہمہ بہ دل

اغلب کہ باشتراے این گاہ
سازند نہ مشتری تقابل
لاریب کہ ہست زینت میز
زیبندہ مثال دستہ گل
مضطر تاریخ طبع گفتہ
ایں تذکرہ امتیاز کابل

ولہ

لکھا کیا تذکرہ یہ منشی محبوب عالم نے
کہ جسکی شائقین ہر کو ازبسکہ خواہش تھی
امیر عبد رحمٰن خاں ضیاء الملت والدین
تواریخ انکی مثل آئینہ عمدہ مرتب کی
مفصل ابتدا سے آجتک کے واقعے سچے
ہوں جتنے منکشف دیکھی نہ تھی ایسی کتاب ابتک
مولف نے بڑی کوشش سے کی ہیں درج سب عالم
بجا ہے جسقدر دیں داد ہم انکی محنت کی
قلم برداشتہ مضطر نے لکھی اسطرح تاریخ
دکھائی سیر گھر بیٹھے نسیم صبح کابل کی

از تصنیف لطیف منشی جعفر علی صاحب جوہر متوطن شہر راولپنڈی

کیا ہی دلچسپ یہ کتاب چھپی
مژدہ اے سالکان کابل ہے
ہے مناسب کہ لیجیے ہاتھوں ہاتھ یہ
جو کہ اک ارمغان کابل ہے
عبد رحمٰن خاں کے ہیں حالات
جو کہ اب حکمران کابل ہے
اس سے ثابت یہ ہے مولف خوب
واقف داستان کابل ہے
اہل ہند اسکو کیوں نہ رکھیں عزیز
کشف راز نہان کابل ہے
ہے بجا کابلی جو یوں سمجھیں
بس یہ اک حرز جان کابل ہے
لکھا یوں سال طبع جوہر نے
خوب صفوت بیان کابل ہے

قطعہ تاریخ سال انطباع نسخہ بے نظیر تذکرہ امیر نتیجہ طبع جناب سید احمد صاحب رشید متوطن تھانہ بھون سررشتہ دار پیشی ضلع جالندھر شاگرد حضرت جد سلمہ اللہ الماجد تھانوی

مولوی محبوب عالم ذی ہنر
نکتہ پرور نکتہ سنج و نکتہ دل

وہ جہاں [illegible] | دلپذیر و دلنشیں و دلستاں
یعنی بنوشتند حالات امیر | نائب پیغمبر آخر زماں
والی کابل امیر المسلمیں | غازی بے مثل و یکتائی جہاں
ہم ضیاء الملت و دین متیں | عبدرحمان خاں اسکندر نشاں
یا الٰہی روز لیش باد قبول | گفتہ آید ایں گرامی ارمغاں
سال طبعش چوں بپرسیدم رشید | ہاتفے گفتہ چہ مرغوب جہاں
۱۳۱۵

قطعہ تاریخ از نتیجہ طبع منشی گوپال داس صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع الٰہ آباد متخلص بہ مست

چھپی جب کہ تاریخ کابل عجیب | بفضل خداوند واجب وجوب
زروئے جمیل مسیت نے دی صدا | چھپا تحفہ محبوب عالم کا خوب
۱۳۱۵

قطعہ تاریخ نتائج طبع جناب سید محمد عبید اللہ صاحب اہلمد عدالت عالیہ نیابت صیغہ مال لوٹنار

اک روز میرے رفیق و مونس | یعنی سید عبید اللہ
مجھسے جو ملے تو کس خوشی سے | اک مژدہ جاں فزا سنایا
اڈیٹر پیسہ نے شہید اب | اک تذکرہ امیر لکھا
تم اسکی اگر لکھو گے تاریخ | میں انکو ضرور ہی لکھونگا
تھے چونکہ میرے رفیق دونوں | جب ہوا مجھکو اسکا لکھنا
سوچا کہ رسا نکالکر لکھ | کیا تذکرہ امیر لکھا

قطعہ تاریخ از نتیجہ جناب منشی محمد جمیل الحسن صاحب لکھنوی متخلص بہ حسرت حال مقیم کلکتہ

الٰہی واہ کیا خوب نادر کتاب | ہے علم تواریخ میں لاجواب

بنائی وہ تاریخ فغان کی
کہ حیرت میں ہے دیکھ کر شیخ و شاب

خدا اسکو محبوب عالم کرے
دُعا ہے یہی حق ہے یہ بالصواب

جو لاثانی تاریخ راحت چھپی
لکھو سال طبع نادر و انتخاب

قطعۂ تاریخ تذکرۂ امیر طبع موزون محمد عبد اللہ صاحب مشتاق ٹھیکہ دار ساکن قصبہ بڑوت ضلع میرٹھ از مقام اٹاوہ

کتاب کیا ہے سراسر یہ تختۂ گل ہے
بہار حسن پہ جسکے نثار بلبل ہے

عجیب سین ہے دلکش سطور زیبا کا
روش روش پہ سراسر ہرا سنبل ہے

جھلکا دیکھیے حرفوں کا دائروں کا ذرا
بیاض حسن پہ گویا نثار کاکل ہے

شروع چونکہ ہے الحمد سے بنام خدا
تو مہر خاتمہ پر صاف سورۂ قل ہے

مصنف اسکا وہ محبوب عالم فاضل
بیان جسکا صحیح و فصیح بالکل ہے

لکھے ہیں واقعی حالات زندگی امیر
کہیں جلال کا نقشہ کہیں تحمل ہے

ہے کیا تلاش خدا کی قسم ا ہ ہا ہا
کہیں ہے طرز تمدن کہیں تجمل ہے

کہیں ہے ذکر شجاعت حضور والا کا
غرض یہ سیرت آئینۂ جزو کل ہے

ہے اشتہار مصنف کہ سب لکھیں تاریخ
تو پہر مجھے ہی بھلا اسمیں کیا تامل ہے

لکھو یہ مصرعہ تاریخ شوق سے مشتاق
عجیب فوٹو حیات امیر کابل ہے

نتیجہ طبع وقاد جناب مولوی محمد عبد الجبار صاحب عمر پوری از جبل پور

منشی محبوب عالم خوش سیر
بر مسلماناں ببارید ہ گہر

گشت زار فیض را تازہ نمود
اہل دیں را قوت ایمانی فزود

بوئے شیر آوردہ بہر تشنگاں
مرہم اکسیر بہر خستگاں

کوہ کند یدو بر آوردہ گیاہ
دو میان تیرگی آ...

خوش چه تاریخ تذکره بنگارد شد — رایت اسلام و احسان بر فراخت

حال شیخ دین زیب المؤمنین — عبد رحمان خان ظهیر المسلمین

والی کابل سراج علم و فن — بلبل بستان لطف و المنن

با طریق شرح و تفصیل حال — بر نوشته از بدایت تا مآل

تذکره بیمثل بنموده رقم — منتشر شیرازه را کرده بهم

بهر تاریخ جان بهر رنگ گل بود — تا خسار علم را بلبل بود

عاشقان دین حق شادان شدند — دشمنانش در غم خسران شدند

چون بفکر سال طبع ماندم در محن — هاتف غیبی بگفت این سخن

قطع کرده راس اعدا کن ندا — کرده روشن مشعل از دین هدی

قطعۂ تاریخ طبع تذکرہ امیر از منشی محمد وجاہت حسین صدیقی جھنجھانوی شاگرد حضرت داغ دھلوی

محبوب عالم آپ ثانی ہو دہر میں — ممکن نہیں خدا کی قسم ہے بہت محال

اب تذکرہ نیا جو بنایا ہے آپ نے — ایمان کی تو یہ ہے کیا ہے بڑا کمال

ایسی کتاب آج تک آئی نہ تھی نظر — لکھا ہے خوب والی کابل کا اس میں حال

تحریر کی گئی ہیں وہ باتیں نئی نئی — آئے نہ خواب میں بھی کبھی جنکا کچھ خیال

کیونکر نہ علم کی ہو ترقی جہان میں — یہ ہے کمال ہے کبھی جسکو نہیں زوال

یہ خیر خواہ ملک سلامت رہے مدام — بدخواہ اسکا رشک سے یارب ہو پائمال

دن دونی رات چوگنی اسکی ہو منزلت — ہر دم شریک حال رہے فضل ذوالجلال

لکھا ہے سال طبع وجاہت نے اے احباب
دیکھی ہے آج جدید تاریخ بیمثال

[یہ تاریخ ۱۳۱۹ھ میں کتاب کے لیے لکھی گئی تھی کیونکہ کتاب ۱۳۱۸ھ میں تیار ہو چکی تھی۔ اور ۱۳۲۰ھ میں شائع ہوئی]

قطعہ تاریخ طبع تذکرہ امیر از حافظ غلام علی صاحب گجراتی امام مسجد سر الحاج شفیع قلعہ سکاں والا

چوں جناب مولوی محبوب عالم خوش خصال
جست حافظ از سر شن غیب سال طبع او

طبع کردہ با تجسس جملہ حالات امیر
گفت از روئے طبع گوشیشہ حالات امیر

رشحہ کلک جواہر سلک طبع جناب مولوی محمد عبد الحبیب صاحب عمر پوری نزیل جہلم

[بزبان عربی]

اَلَا یا معشر الخلان بشریٰ
نزوع مسک فیض فی الانام

شمیم قد سری بمشام ناس
فصیر ھم سکاری بالمدام

جرای ینبوع خیر فی الاناسی
فروی بغتۃ ظمأ الھیام

قفار انبتت خضرا و خصبا
فنادی ازھرت زھر السلام

ادیب مفلق محبوب عالم
اتی بالسفر والحسن الکلام

اتی فیھا بتبیان عجیب
بتذکرۃ لسلطان الکرام

امیر المومنین وشمس کابل
ضیاء الدین ذی الحلم السوامی

جزاہ اللہ خیراً کل یوم
واسکن جنۃ یوم القیام

تأملت لعام الطبع جداً
ترقبت لرویا فی المنام

فنادی ھاتف ھی شمع فیض
ومصباح توقد فی الظلام

قطعہ تاریخ تجویز منشی غلام محمد صاحب خادم از کوٹ ملا محمد خان تیانہ ڈاکخانہ کوٹ سوکران ضلع گجرات

ذا امیر افغانستان ۱۳۲۰ھ

؎ قند ستے زبان پشتو میں بمعنی ہے

شہ اقلیم ضیا الملت والدین ۱۸۹۹ء
تذکرہ قدوۃ انام بادشاہ کابل ۱۸۹۹ء
تذکرہ کیوان نگیں بادشاہ کابل ۱۸۹۹ء
تذکرہ فخر ملک بادشاہ کابل ۱۸۹۹ء

قطعہ

منشی محبوب عالم چوں نمود — تذکرہ والی کابل را رقم
بہرِ سالش فکر خادم را چو شد — و ضیاء الملت آمد پا سخم

قطعۂ تاریخ تذکرہ امیر از حضرت حمید ساکن بیڈولی

باحسن سعی و محنت و با کوشش بلیغ — محبوب کردہ تو این تالیف بے نظیر
آمد ندا ز غیب بحسب حمید سال — مقبول باد دایما کیں تذکرہ امیر ۱۸۹۹ء

قطعۂ تاریخ طبع تذکرہ امیر از نتائج طبع جناب سید مظہر حسین صاحب رضوی جامی لائبریرین ہائی سکول لائبریری جالندھر

قطعہ

عالم بالیقیں — صاحب عقل است و فرزانہ و لب
... در حالِ امیر — آنکہ شد در ملکِ معنی حکمراں
اندریں ایام باطرز نکو — طبع شد از فضلِ خلاقِ زماں
بہرِ سال فصلیش مظہر حسینؔ — بشنو از ہاتف کہ محبوبِ جہاں

قطعہ دیگر

طبع گردید از تالیف محبوب — عجائب تذکرہ چوں قند شیرین است

سلہ دا کے معنی زبان پشتو میں یہ ہے ۔